اُمہاتُ المومنین رضی اللہ عنہم

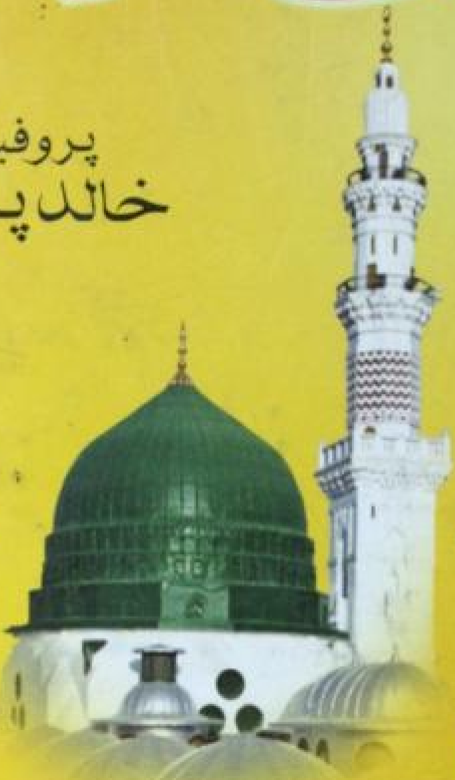

پروفیسر
خالد پرویز

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا

حضرت میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

حضرت جویریہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ بنتِ حیئ رضی اللہ عنہا

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا

اے رب رحیم و کریم و عظیم

مدحت شاہ دو عالم ﷺ کا سلیقہ دے دے
میرے مالک مجھے جبرئیلؑ کا لہجہ دے دے
بوسۂ نقشِ کفِ پائے نبی ﷺ چاہتا ہوں
مجھ کو پستی سے اٹھا اور یہ رتبہ دے دے

پروفیسر خالد پرویز
11/6 فیصل اسٹریٹ، گلگشت ملتان
061-522252
0300-6302548

انتساب

انیس الغریبین

راحة العاشقین

خاتم النبین

صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام

حسن ترتیب

1	حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ	11
2	حضرت سودہؓ بنت زمعہ	35
3	حضرت عائشہ صدیقہؓ	59
4	حضرت حفصہ بنت عمرؓ	143
5	حضرت زینب بنت خزیمہؓ	165
6	حضرت ام سلمہؓ	175
7	حضرت زینبؓ بنت جحش	211
8	حضرت جویریہ بنت حارثؓ	243
9	حضرت ام حبیبہؓ	257
10	حضرت صفیہؓ بنت حیی	281
11	حضرت میمونہ بنت حارثؓ	307

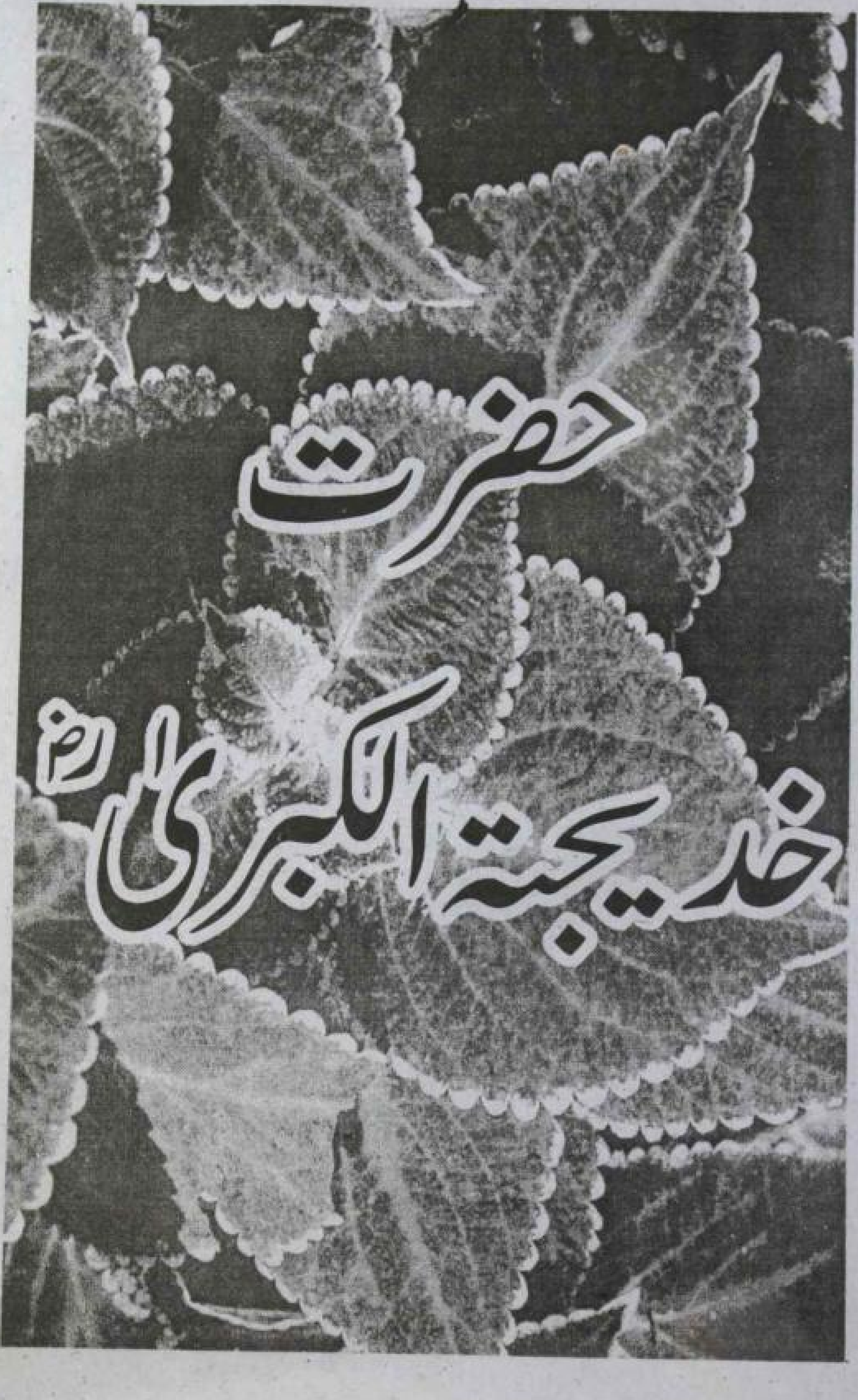
حضرت
خدیجۃ الکبریٰ رض

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

خدیجہ نام، ام ہند کنیت، طاہرہ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے: خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر آپؓ کا خاندان سرور کائنات ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ (ابن سعد) نسب کے لحاظ سے آپؓ رسول مکرم ﷺ کی دیگر ازواج مطہراتؓ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ قریب ہیں۔ (فتح الباری)

آپؓ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا اور لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی اولاد تھیں۔ حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ عام الفیل سے ۱۵ برس قبل ۵۵۶ عیسوی میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپؓ مکارم اخلاق کا پیکر جمیل تھیں۔ عفت و پاکدامنی کے باعث اس عہد جاہلیت میں طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ رحم دلی، غریب پروری اور سخاوت آپؓ کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ آپؓ کی پہلی شادی ابو ہالہ تمیمی سے ہوئی۔ جس سے دو لڑکے ہند اور حارث پیدا ہوئے۔ دور رسالت میں یہ دونوں لڑکے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اپنے خاوند کو بہت بڑے تاجر کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھیں لیکن اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ داغ مفارقت دیتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ ابو ہالہ تمیمی کی وفات کے بعد آپؓ کی شادی عتیق مخزومی سے ہوئی (ابن کثیر) جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس لڑکی کا نام بھی ہند تھا اور اسی کی نسبت سے آپؓ ام ہند کی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ اسی زمانہ میں حرب الفجار چھڑ گئی۔ جس میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے والد لڑائی کے لیے نکلے اور میدان کارزار میں کام آئے۔ یہ عام الفیل سے ۲۰ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ (طبقات ابن

سعد) شوہر پہلے فوت ہو چکے تھے۔اب والد کی وفات کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔آپؓ کے والد بھی بہت بڑے تاجر تھے اور آپؓ نے بھی تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔چونکہ عورت ذات تھیں اس لیے کاروبار کو سنبھالنا آپؓ کے لیے خاصہ مشکل تھا۔تاہم آپؓ نے کمال ہمت کا مظاہرہ کیا اور اکثر اوقات آپ کسی شخص کو اپنا مال دے کر قافلوں کے ساتھ روانہ کر دیتی تھیں۔

جب اہل مکہ کا تجارتی قافلہ بیرون ملک جاتا تو آپؓ کے تجارتی سامان سے لدے ہوئے اونٹ بھی اس قافلہ کے ہمراہ ہوتے۔جتنا سامان تجارت سارے اہل قافلہ کا ہوتا، اتنا حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا ہوتا۔آپؓ اپنے نمائندوں کو سامان تجارت دے کر روانہ کرتی تھیں جو آپؓ کیطرف سے کاروبار کرتے۔اس کی دو صورتیں تھیں۔یا وہ ملازم ہوتے اور یوں ان کی اجرت یا تنخواہ مقرر ہوتی جو انہیں ادا کی جاتی۔نفع یا نقصان سے ان ملازمین کو کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا۔دوسری صورت یہ تھی کہ نفع میں ان کا کوئی حصہ مثلاً نصف، تہائی یا چوتھائی مقرر کر دیا جاتا۔اگر نفع ہوتا تو وہ اپنا حصہ لے لیتے البتہ بصورت نقصان ساری ذمہ داری حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ پر عائد ہوتی۔اس کو شریعت میں عقد مضاربہ کہتے ہیں۔

آنحضورﷺ کے چچا حضرت ابو طالب کی مالی حالت خوش کن نہ تھی۔تنگدسی کا اکثر سامنا ہوتا۔حضرت ابو طالب کو معلوم ہوا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا تجارتی قافلہ عنقریب شام جانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔انہوں نے سرور کائناتﷺ کو اپنے پاس بلایا اور بڑی محبت سے کہا کہ "اے میرے بھتیجے! میں ایسا آدمی ہوں جس کے پاس مال و دولت نہیں۔میرے موجودہ حالات بہت سنگین ہیں۔قحط سالی نے رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے۔میرے پاس سرمایہ بھی نہیں کہ اسے تجارت میں لگا سکوں۔حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کئی لوگوں کو اجرت دے کر شام جانے والے تجارتی قافلے میں روانہ کر رہی ہیں۔اگر آپﷺ اس کے پاس جا کر اپنی خدمات پیش کریں تو یقیناً وہ آپﷺ کو دوسروں پر ترجیح دیں گی۔کیونکہ وہ آپﷺ کے خصائل حمیدہ

اور اعلیٰ و ارفع کردار سے بخوبی واقف ہیں۔ اگرچہ میں پسند نہیں کرتا کہ آپ ﷺ کو شام روانہ کروں کیونکہ وہاں یہود مقیم ہیں لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں۔"

آنحضورﷺ کی غیرت نے کسی کے پاس طالب اور سائل بن کر جانا گوارا نہ کیا اور اپنے شفیق چچا کو جواب دیا۔ "شاید وہ خود ہی اس سلسلے میں مجھے بلاوا بھیجے۔" حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے آنحضورﷺ کے محاسن اخلاق، آپؐ کی امانت، دیانت اور پاکبازی کی شہرت سن رکھی تھی لیکن انہیں اس پیشکش کی جرات نہ ہوتی تھی۔ جب انہیں چچا بھتیجے کی اس گفتگو کا علم ہوا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے فوراً پیغام بھیج کر بلا لیا اور ہادی کون و مکاںﷺ سے کہا "میں یہ ذمہ داری آپ ﷺ کے سپرد کرنے لگی ہوں کیونکہ میں نے آپ ﷺ کی صداقت، امانت اور خلق عظیم کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ اگر آپ ﷺ میری یہ پیشکش قبول فرمالیں تو جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا معاوضہ آپ ﷺ کو دوں گی" ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰﷺ نے اس بات کا ذکر اپنے مہربان چچا ابو طالب سے کیا تو انہوں نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "یہ رزق اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ خاص سے آپ ﷺ کی طرف بھیجا ہے"۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنا ایک فرمانبردار غلام میسرہ بھی آنحضورﷺ کے ہمرکاب کیا اور اسے تاکیدی حکم دیا۔ "میسرہ! خبردار ان کی نافرمانی نہ کرنا اور نہ ہی ان کی کسی رائے کی مخالفت کرنا۔"

دراصل حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنا غلام میسرہ سرور کائناتﷺ کا ہر طرح سے خیال رکھنے اور خدمت گزاری کے لیے بھیجا تھا۔ جب یہ قافلہ شام کی طرف روانہ ہوا تو آپﷺ کے چچا نے اہل قافلہ کو تاکید کی کہ آنحضورﷺ کا ہر طرح سے خیال رکھیں۔ شیخ محمد ابو زہرہؒ اپنے محبت بھرے انداز میں قافلہ کی روانگی کا منظر یوں بیان کرتے ہیں۔

"قافلہ مکہ سے روانہ ہوا جس میں وہ ہستی تھی جو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے اعلیٰ و

افضل تھی اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ لطف وکرم اس کی نگہبانی فرما رہی تھی۔'' اس دفعہ بھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے مال بردار اونٹوں کی تعداد دیگر قافلہ والوں کے سارے اونٹوں کی تعداد کے برابر تھی۔

چند روز کی کٹھن مسافت کے بعد یہ قافلہ شام کے شہر بصریٰ میں جا اترا۔ رہبر کائنات ﷺ نے ملک شام میں قیام فرمایا۔ یہاں تک کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا سارا مال تجارت جو مکہ سے لائے تھے وہ فروخت ہو گیا۔ اس سفر میں دوگنا منافع ہوا جو توقع سے بہت زیادہ تھا۔ یہ محض آنحضور ﷺ کی امانت و دیانت اور کاروباری مہارت کا ثمر تھا۔

آنحضور ﷺ نے مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو تمام تفصیلات سے آگاہ فرمایا تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ غلام میسرہ نے اس طویل سفر میں آنحضور ﷺ کی عفت و دیانت، سیرت کی پختگی، کردار کی بلندی، اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن سلوک، معاملہ فہمی اور کاروباری مہارت کے جو روح پرور مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے ان کا تذکرہ کیا۔ آنحضور ﷺ اپنے حسب و نسب کے لحاظ سے پہلے ہی ارفع و اعلیٰ تھے۔ ذاتی خصائل حمیدہ کا ذکر بعد میں سن کر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ اگر آپ ﷺ کی رفیقہ حیات بننے کا شرف انہیں نصیب ہو جائے تو یہ ان کی بڑی خوش قسمتی ہو گی۔ مضاربت کے اصولوں کے لحاظ سے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے جتنا معاوضہ آنحضور ﷺ سے طے کیا تھا۔ آپ ﷺ کو اس سے زائد دیا۔ (ابن سعد، خصائص کبریٰ، عیون الاثر)

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے تمام حالات و واقعات سفر محمد ﷺ بطرف شام و واپسی مکہ معظمہ اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے جا کر بیان کیے تو انہوں نے کہا۔

''اے خدیجہؓ! اگر یہ واقعات سچے اور صحیح ہیں تو پھر یقیناً محمد ﷺ اس امت کے نبی ہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس امت میں ایک نبی آنے والا ہے جس کا ہمیں انتظار ہے اور اس کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔'' (عیون الاثر)

ان واقعات کی ورقہ بن نوفل کی زبانی تصدیق ہونے کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ

کا آنحضور ﷺ سے نکاح کا ارادہ اور مضبوط ہوا۔ (زرقانی)

ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ایک نہایت سمجھ دار اور شریف خاتون تھیں۔ اللہ تعالٰی نے وافر مال و دولت سے نوازا تھا۔ شرف و عظمت کے لحاظ سے ایک خاص مقام کی حامل تھیں۔ لہٰذا ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا لیکن قضا و قدر کی نظر انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اس نہج پر سوچنے لگیں کہ کیوں نہ آپ ﷺ کو اپنا سرتاج بنانے کی مودبانہ التماس کی جائے۔ اگر منظور ہو جائے تو زہے نصیب لیکن اس کا اظہار کیسے ہو؟ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے تو سرداران قریش میں سے ہر ایک کی پیش کش سے معذرت کر لی تھی اب وہ سوچتی تھیں کہ سرداران قریش کیا کہیں گے۔ معلوم نہیں خاندان کے افراد کا کیا ردعمل ہو گا؟ یہ بھی پتہ نہیں کہ ان کی یہ پیشکش آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں شرف قبولیت بھی حاصل کرتی ہے یا نہیں؟

اس دوران حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک چمکتا ہوا سورج اس کے گھر کے آنگن میں اترا ہے۔ جس سے پورا گھر جگمگا اٹھا ہے۔ آنکھ کھلی تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ تورات و انجیل کے مشہور و معروف عالم اور اپنے رشتہ دار ورقہ بن نوفل سے خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے خواب سن کر مسکراتے ہوئے کہا "خوش نصیب ہو جاؤ، یہ چمکیلا سورج جو تیرے گھر کے آنگن میں اترتا دکھائی دیا ہے یہ نور نبوت ﷺ ہے جو تیرے نصیب میں آئے گا اور تم اس سے فیض حاصل کرو گی"۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی ایک گہری سہیلی نفیسہ بنت منیہ تھی۔ وہ اس ساری صورت حال سے آگاہ تھی۔ اس نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا پیغام آنحضور ﷺ تک پہنچانے کا کام سنبھالا اور سیدھی حضرت محمد ﷺ کے پاس گئی۔ سلام عرض کیا، خیریت دریافت کی اور کہا۔

"ایک ذاتی سوال اگر محسوس نہ کریں تو عرض کروں"۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "کہو کیا بات ہے؟"

اس نے عرض کی۔" آپ ﷺ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔"میرے پاس اتنی مالی گنجائش نہیں جس سے شادی کے اخراجات پورے کرسکوں۔"

اس نے کہا" اگر میں ایک حیادار، خاندانی اور حسین وجمیل خاتون کی نشاندہی کروں جو آپ ﷺ سے شادی کرنے کی دلی رغبت رکھتی ہے۔تو کیا آپ ﷺ منظور فرمائیں گے؟"

آنحضور ﷺ نے پوچھا" وہ کون ہے؟"

اس نے بتایا۔"حضرت خدیجۃؓ بنت خویلد"

آپ ﷺ نے فرمایا۔"اگر وہ رضامند ہے تو مجھے قبول ہے۔"

(ابن سعد، ابن ہشام، عیون الاثر)

سرور کائنات ﷺ کا یہ جواب سن کر نفیسہ خوشی سے جھوم اٹھی۔اسی وقت جا کر اپنی سہیلی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو مسرت بھرا پیغام سنایا۔

تاریخ مقررہ پر خاتم الانبیا ﷺ اپنے چچا ابو طالب، حضرت حمزہؓ اور دیگر تمام رؤسائے خاندان کی معیت میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے گھر تشریف لائے۔حضرت ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور ۵۰۰ طلائی درہم زرمہر مقرر ہوا اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ حریم نبوت میں داخل ہو کر پہلی ام المومنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں۔چونکہ آپ کا پہلا لقب طاہرہ تھا لہذا اب آپؓ خدیجہ طاہرہؓ کے نام سے مشہور ہوئیں۔نکاح کے وقت سرور کائنات ﷺ کی عمر مبارک ۲۵ سال جبکہ حضرت خدیجہ طاہرہؓ کی عمر ۲۸ سال تھی۔نکاح کا یہ واقعہ بعثت نبوی ﷺ سے ۱۵ سال قبل کا ہے۔(ابن سعد، زرقانی) مگر ابن کثیر اور واقدی کی تحقیق کے مطابق حضرت خدیجہؓ کی عمر مبارک اس وقت ۴۰ برس تھی۔

نکاح کا جو خطبہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب نے پڑھا اس کے آخری الفاظ یہ تھے:

''محمد ﷺ وہ ہیں کہ قریش کا کوئی نوجوان بھی رفعت و منزلت اور عقل و خرد میں آپ ﷺ کیساتھ تولا جائے تو آپ ﷺ ہی بھاری رہیں گے۔ اگرچہ آپ ﷺ مال کے لحاظ سے کم ہیں لیکن مال ایک زائل ہونے والا سایہ ہے'' (روض الانف)

حضرت ابو طالب کے خطبہ نکاح کے ختم ہوتے ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل اٹھے اور ولی کی حیثیت سے یوں گویا ہوئے:

''ہم عرب کے سردار اور رہنما ہیں اور آپ سب بھی۔ کوئی قبیلہ اور کوئی شخص آپ ﷺ کے فضائل اور فخر و شرف کا انکار نہیں کر سکتا۔ اے قبائل قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہؓ بنت خویلد کا نکاح آپ ﷺ بن عبداللہ سے کر دیا ہے۔''

جب ورقہ بن نوفل نے اپنی گفتگو کا اختتام کیا تو حضرت ابو طالب کہنے لگے۔

''بہتر ہوگا کہ حضرت خدیجہؓ کے حقیقی چچا عمر بن اسد بھی اس کی توثیق کریں۔''

اس پر عمر بن اسد کھڑے ہوئے اور کہا ''اے قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہؓ بنت خویلد کو محمد ﷺ بن عبداللہ کے نکاح میں دے دیا ہے۔'' اس ایجاب و قبول اور دونوں اطراف کے بزرگوں کی گفتگو کے بعد سرداران قریش نے حضرت ابو طالب اور دیگر عمائدین بنو ہاشم کو مبارک باد دی اور یوں رسم نکاح اختتام پذیر ہوئی۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی زوجیت میں آتے ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنا سارا مال و اسباب آپ ﷺ کی تحویل میں دے دیا۔ اس سے آپ ﷺ کو فکر معاش سے نجات مل گئی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنے خاوند کی خدمت گزاری میں لحہ لحہ صرف کیا۔ آپؓ ہر وقت سرور کائنات ﷺ کی خوشنودی کے لیے مصروف عمل رہتی تھیں۔ آپ ﷺ کا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے ایک زر خرید غلام لڑکا زید بن حارث بھی ختم المرسلین ﷺ کی خدمت پر مامور کر دیا تھا۔

جب کبھی محبوب رب العالمین ﷺ کے ساتھ کوئی پریشانی والا واقعہ پیش آیا تو حضرت

خدیجۃ الکبریٰؓ نے آپ ﷺ کی تسلی، تشفی اور دلجمعی کی اور ہر امر میں مطیع و فرمانبردار رہیں۔ آنحضور ﷺ بھی ہر بات میں آپؓ سے مشورہ لیتے تھے۔

سردار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تن تنہا غار حرا میں جا کر رہتے تھے۔ وہاں کئی راتیں گزارتے تھے۔ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے کر جاتے تھے۔ جب سامان ختم ہو جاتا تو واپس آتے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ آپ ﷺ کے لیے مزید کھانے پینے کا سامان تیار کر دیتی تھیں۔ جو آپ لے جاتے تھے۔ صحیح بخاری کے باب الوحی میں مذکور ہے:

''آنحضور ﷺ غار میں عبادت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک فرشتہ غیب نظر آیا جو آپ ﷺ سے کہ رہا تھا۔ ''پڑھ''

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''میں پڑھا لکھا نہیں'' اس نے آپ ﷺ کو زور سے دبایا پھر آپ ﷺ کو پڑھنے کو کہا لیکن آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس طرح تین مرتبہ ایسا ہوا اور پھر اس نے جو کچھ بتایا آپ ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا۔''

یہ سورۃ العلق کی ابتدائی آیات تھیں جو آپ ﷺ کو غار حرا میں پڑھائی گئیں۔ ان آیات کو سن کر اور دل میں محفوظ کر کے سردار انبیا ﷺ گھر تشریف لائے۔ اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا۔ ''مجھے چادر اوڑھاؤ۔ مجھے چادر اوڑھاؤ پس انہوں نے آنحضور ﷺ پر چادر ڈال دی۔ پھر آنحضور ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو سارا ماجرا سنایا۔۔۔۔ اور فرمایا:

''مجھے اپنے بارے میں ڈر سا لگ رہا ہے۔''

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے عرض کی۔ ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی بے آبرو نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ کمزوروں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ جو مفلس اور نادار ہو اس کو نیک کمائی سے حصہ دیتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ حق کی وجہ سے کسی پر کوئی مصیبت آجائے تو آپ ﷺ اس کی مدد کرتے ہیں۔ اور دستگیری فرماتے ہیں۔'' (محمد رسول اللہ'' از ابراہیم عرجون)

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے تسلی آمیز ایک آئینہ حق نما ہیں۔ جس میں ہادی کون و مکاں ﷺ کے اخلاق عالیہ کے نقوش جمیلہ پوری آب و تاب کے ساتھ منعکس ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان الفاظ سے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی حقیقت شناسی اور آنحضور ﷺ کے ساتھ بے پایاں عقیدت کا بھی اظہار ہو رہا ہے۔ پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ رہبر کائنات ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور تمام واقعہ بیان کیا۔ ورقہ بن نوفل نے کہا۔ ''یہ وہی ناموس (جبرائیل) ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ اے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو مکہ سے نکالے گی۔ اگر مجھے آپ ﷺ کا وہ دن دیکھنا نصیب ہوا تو میں آپ ﷺ کی پرزور مدد کروں گا۔''

قرآن مجسم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ کے لیے نزول وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ یہ دن آنحضور ﷺ کے لیے بڑے کرب و اضطراب کے دن تھے آپ ﷺ کی طبیعت ہر وقت بے چین سی رہتی تھی مگر آپ ﷺ کی شریک حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ آپ ﷺ کی ڈھارس بندھاتی تھیں کہ رب رحمٰن و رحیم آپ ﷺ پر اپنا فضل و کرم اور عنایت جاری رکھے گا اور آپ ﷺ کو کبھی مایوس نہیں کرے گا۔ اس دوران بھی سرور کائنات ﷺ بلاناغہ غار حرا میں عبادت کے لیے تشریف لے جاتے رہے۔ اور آپ ﷺ کی غم گسار رفیقہ حیات خدیجۃ الکبریٰؓ کھانے پینے کا سامان آپ ﷺ کے ہمراہ کر دیتیں تھیں تا کہ آپ ﷺ سکون اور اطمینان قلب کے ساتھ عبادت فرما سکیں۔

ایک روز ہادی کون و مکاں محمد مصطفیٰ ﷺ غار حرا سے حسب معمول عبادت فرما کر واپس گھر تشریف لا رہے تھے کہ اچانک افق آسمان پر آپ ﷺ کو وہی فرشتہ کرسی پر بیٹھا نظر آیا جو پہلی وحی لے کر آیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر آپ ﷺ کی طبیعت میں قدرے ارتعاش پیدا ہوا۔ آپ ﷺ گھر پہنچے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا۔

''دثرونی، دثرونی یعنی مجھے لحاف اوڑھاؤ، مجھے لحاف اوڑھاؤ۔''

ختم المرسلین ﷺ کی شریک حیات ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے نہ صرف آپ ﷺ کو لحاف اوڑھایا بلکہ آپ ﷺ کی پریشانی کو دور کرنے کے لیے آپ ﷺ کی ہمت بھی بندھائی۔

آنحضور ﷺ جب لحاف اوڑھ کر لیٹ گئے تو اسی حالت میں آپ ﷺ پر سورۃ المدثر کی پہلی سات آیات نازل ہوئیں۔ پہلی وحی کے بعد دوسری وحی کے آنے تک کے زمانے کو فترۃ الوحی کہا جاتا ہے۔ پہلی وحی نازل ہوئی تو وہ صرف تعارف تھا۔ دوسری وحی نازل ہوئی تو نبوت کے فرائض آپ ﷺ کو سونپ دیے گئے اور ان کی ادائیگی کے لیے کمر بستہ ہونے کی تلقین فرمائی گئی۔ وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو بتایا کہ مجھے رب کائنات کی طرف سے کہا گیا ہے کہ:

"اے چادر لپیٹنے والے۔ اٹھئے اور لوگوں کو ڈرایئے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے اور اپنے لباس کو پاک رکھیے اور آلودگی سے دوری اختیار کیجیے اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ جتایئے اور اپنے رب کی رضا کے لئے صبر کیجیے۔" (المدثر)

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کا بہت سہارا تھا۔ وہ اپنے تمام مسائل کے لیے ان سے صلاح و مشورہ کرتی تھیں۔ انہوں نے تصدیق کر دی تھی کہ آنحضور ﷺ کو منصب رسالت پر فائز کر دیا گیا ہے۔ الاصابہ، فتح الباری اور زرقانی میں ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ وحی کے بارے میں معلومات کے لیے حضرت عداسؓ کے پاس بھی تشریف لے گئیں۔ عداس پہلے عیسائی تھا بعد میں اسلام کی دعوت پر مسلمان ہو گئے تھے۔ عداسؓ شہر نینویٰ کے رہنے والے تھے جہاں حضرت یونسؑ مبعوث ہوئے۔ عداس نے فرشتے کا ذکر سنتے ہی کہا:

"قدوس قدوس یعنی سبحان اللہ، سبحان اللہ ان بت پرستوں کی سرزمین میں اس فرشتے کا ذکر بڑا خوش آئند ہے۔ یہ فرشتہ تو اللہ کا امین ہے اور انبیاء کے مابین سفیر ہے اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کا دوست ہے" حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ محض سرور کائنات ﷺ کی پریشانی سے پریشان تھیں ورنہ

اپنے دل میں بے انتہا شاداں و فرحاں تھیں کہ آپ ﷺ وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت گزشتہ کتب آسمانی میں ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اس لحاظ سے خوش قسمت اور خوش بخت ہیں کہ ان ہی کے گھر میں دوسری وحی نازل ہوئی اور پہلی وحی کی طرح دوسری وحی کو بھی سب سے پہلے ختم المرسلین ﷺ کی زبان مبارک سے انہوں نے ہی سنا۔ اب آنحضور ﷺ کی پریشانی دور ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے معمول بنا لیا تھا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے رخصت ہو کر غار حرا میں پہنچ جاتے اور عبادت میں مصروف ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کے سفیر فرشتے کے منتظر بھی رہتے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ آپ ﷺ کو خوشی خوشی رخصت کرتیں۔ اس طرح گزرتے گزرتے تین سال گزر گئے مگر آنحضور ﷺ کو کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ آپ ﷺ تھکے ہوئے گھر پہنچتے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ آپ ﷺ کو تسلی دیتیں کہ آپ ﷺ کی تمام تر تھکاوٹ دور ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ خاتم الانبیاء ﷺ نے اپنے معمول میں کوئی تبدیلی نہ کی اور اپنے روزمرہ کے معمول کو جاری و ساری رکھا۔ اس تمام عرصہ میں آپ ﷺ رنجیدہ رہتے تھے کہ آپ ﷺ کو رب رحمٰن و رحیم کی طرف سے پھر کوئی پیغام کیوں نہیں ملا۔

تاہم حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی حوصلہ افزائی آپ ﷺ کے لیے سکون قلب اور طمانیت کا باعث تھی حتیٰ کہ تین سال بعد انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی جس میں محبوب خدا ﷺ کو رب العزت کی طرف سے بشارت دی گئی کہ:

''قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے نہ آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ ﷺ کے لیے پہلے سے بہتر ہے اور عنقریب آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے۔'' (الضحیٰ)

اگرچہ نزول وحی کے انقطاع کے دورانیہ میں اختلاف ہے تاہم یہ بات طے ہے کہ

انقطاع وحی جہاں آنحضورﷺ کی طبع مبارک پر گراں گزرا وہاں کفار نے بھی طعنہ زنی شروع کر دی تھی کہ محمدﷺ کو خدائے بزرگ و برتر نے چھوڑ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہے اس لیے وحی کا نزول رک گیا ہے

اللہ تعالیٰ نے کفار کی ان خرافات کی تردید قسم اٹھا کر کی اور اپنے حضرت محمدﷺ کو تسلی دی کہ آپﷺ پریشان نہ ہوں جس طرح دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی میں گوناگوں حکمتیں ہیں اسی طرح نزول وحی اور پھر اس کے بعد انقطاع میں بھی بڑی بڑی حکمتیں مضمر ہیں اس موقع پر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا کردار بھی قابل ذکر اور لائق صد تحسین و آفرین ہے۔ جنہوں نے لمحہ لمحہ آپﷺ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ لحظہ لحظہ آپﷺ کو نہ صرف تسلی و تشفی دیتی رہیں بلکہ آپﷺ کی خدمت گزاری میں ایک لونڈی سے بھی بڑھ کر خوشی و مسرت کے ساتھ لمحات صرف کیے۔ اگرچہ آپؓ ناز و نعم میں پلی بڑھی تھیں اور آپؓ کی ہر لمحہ یہی کوشش ہوتی تھی کہ سرور کائنات ﷺ کے تمام کام آپؓ خود اپنے ہاتھ سے کریں حالانکہ آنحضورﷺ کے ساتھ شادی سے قبل آپؓ کے ہاں دولت کی فراوانی تھی۔ قریباً سارا مکہ اور اس کی بیشتر آبادی آپؓ کے مال تجارت پر اپنی زندگی کی گزران کرتی تھی۔ بیسیوں نوکر چاکر اور خادمائیں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے گھر میں کام کرنے میں اپنے لیے فخر محسوس کرتی تھیں لیکن آپؓ جونہی آنحضورﷺ کے حبالہ عقد میں آئیں اپنی پوری زندگی آپﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ اس صبر اور خدمت کا اجر بارگاہ خداوندی سے یہ ملا کہ خود رب العزت نے آپؓ کو سلام بھیجا۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام نے سرور کونین سے عرض کی کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ آپﷺ کے پاس برتن میں کھانے کی کوئی چیز لا رہی ہیں جب وہ آپﷺ کے پاس آئیں تو انہیں اس کے رب کا اور میرا سلام پہنچا دیجیے۔

اسی طرح کی ایک روایت نسائی اور الحاکم فی المستدرک میں یوں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام بارگاہ نبوتﷺ میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو سلام بھیجا

ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود ''سلام'' ہیں اور جبرائیل پر بھی سلام ہو اور آپ ﷺ پر بھی سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ اسی مضمون کی روایت طبرانی نے بھی نقل کی ہے اس اعزاز اور افتخار کے بارے حافظ ابن قیم اپنی کتاب ''زادالمعاد'' میں لکھتے ہیں کہ ''یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے سوا کسی اور عورت کو میسر نہیں ہوئی۔''

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نہ صرف اپنے شوہر نامدار تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اور خاطر داری میں فخر محسوس کرتی تھیں بلکہ آپ ﷺ کے متعلقین کے ساتھ بھی اچھا اور قابل ذکر برتاؤ کرنے کو اپنے لیے اعزاز سمجھتی تھیں رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ کی ایک لونڈی تھی۔ اس کا نام ام ایمن تھا۔ آنحضور ﷺ ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بھی ان کی بہت عزت کیا کرتی تھیں جس سے سرور کائنات ﷺ خوشی محسوس کرتے تھے اسی طرح رسول رحمت ﷺ اپنی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ سے بہت لگاؤ رکھتے تھے اور ان کی بہت قدر فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حلیمہ سعدیہ مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ سے ملنے آئیں تو اپنی ناداری اور مفلسی کا تذکرہ کیا۔ آنحضور ﷺ نے اسی وقت اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے ذکر کیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے فوراً حلیمہ سعدیہ کی دلداری کرتے ہوئے ایک اونٹ اور چالیس بکریاں انہیں دیں۔

جب رب ذوالجلال کی جانب سے ہادی کون ومکاں ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے نزدیک ترین رشتہ داروں کو دعوت اسلام دیں تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اپنی رہائش گاہ پر ایک دعوت طعام کا اہتمام کیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے ذمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے کھانے پینے کا بندوبست لگایا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے فہرست کے مطابق مہمانوں کو مدعو کیا۔ اس دعوت میں بنوہاشم کے ۴۵ لوگ بلائے گئے تھے۔ وہ سب حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے گھر جمع ہو گئے۔ جب کھانے کا دور ختم ہوا تو سردار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے انہیں اپنی رسالت اور اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے بتایا۔ اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ بنوہاشم کے لوگوں کو اس قسم کے بیان کی توقع نہ

تھی۔ وہ سب لوگ ناراض ہو گئے۔ صرف حضرت علی المرتضیٰؓ نے سرورِ کائنات ﷺ کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ اس موقع پر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ہی تھیں جنہوں نے آنحضور ﷺ کی دل جوئی کی۔ آپ ﷺ کا حوصلہ بڑھایا اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور یہ بھی عندیہ دیا کہ رب کائنات آپ ﷺ کو ضرور کامیاب و کامران اور بامراد کریگا۔

رشتہ داروں کی ضیافت اور انہیں دعوت اسلام دینے کے کچھ عرصہ بعد ہی خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے اپنے محبوب ﷺ کو حکم ہوا کہ وہ لوگوں کو کھلم کھلا تبلیغ کا حکم دیں۔ اس پر آنحضور ﷺ نے سب لوگوں کو اکٹھا کیا اور کوہ صفا پر کھڑے ہو کر انہیں دین اسلام کی دعوت دی۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں منصب رسالت پر فائز کر دیا ہے۔

رسالت کا اعلان کرتے ہی سرور کائنات ﷺ پر اذیتوں کے دروازے کھل گئے اور مشرکین مکہ آپ ﷺ کو طرح طرح سے نقصان پہنچانے کے منصوبے بنانے لگے۔ ان کی اسلام دشمنی اس قدر بڑھی کہ جب رسول رحمت ﷺ باہر نکلتے تو کفار مکہ آپ ﷺ پر پتھراؤ کرتے۔ کئی دفعہ پتھروں سے آپ ﷺ کے سر اور چہرے سے خون بہنے لگتا تھا مگر رحمۃ للعالمین ﷺ نے صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اپنے ہاتھوں سے آپ ﷺ کے زخم صاف کر کے مرہم پٹی کرتی تھیں۔ آپؓ اپنے شوہر نامدار کی خدمت اور تیمارداری کے ساتھ آپ ﷺ کا حوصلہ بھی بڑھاتی تھیں جس سے آپ ﷺ پہلے سے زیادہ مستعد ہو جاتے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ۲۵ سال نبوت کے حبالہ عقد میں رہیں۔ اس سے قبل کی زندگی انہوں نے جاہلیت میں گزاری لیکن اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کی طرح اس پاکباز خاتون نے جاہلیت ہی میں بت پرستی ترک کر دی تھی۔ چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا:

''بخدا میں کبھی بھی لات وعزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے

جواب دیا کہ لات کو جانے دیجیے عزیٰ کو جانے دیجیے یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے۔"

یہ آنحضور ﷺ کی بعثت سے قبل کا مکالمہ ہے کہ جس میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے لات وعزیٰ سے بے زاری کا اظہار آنحضور ﷺ کی ہاں میں ہاں ملا کر کیا۔ آپؓ وفا کی تصویر، سچائی کی خوگر، مجسم اخلاق، پاکیزہ سیرت و بلند کردار، عقل و دانش اور جود و سخا کی پیکر تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول رحمت ﷺ نے زمین پر چار لکیریں لگائیں اور فرمایا:

"کیا تم جانتے ہو کہ ان لکیروں سے کیا مراد ہے؟" سب ہم نشین صحابہ کرامؓ نے ادب واحترام سے عرض کیا "اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں"۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ان لکیروں سے مراد کائنات کی چار افضل و برتر خواتین ہیں جن کے نام یہ ہیں (۱) خدیجہؓ بنت خویلد (۲) فاطمہؓ بنت محمد ﷺ (۳) حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی والدہ مریم علیہ السلام بنت عمران (۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کنندہ، فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم (مسند احمد، مستدرک حاکم، بخاری، مسلم، ترمذی)

تمام آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ "اللہ کی ساری مخلوق میں سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اسلام لائیں۔ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی مرد اور کوئی عورت آپ ﷺ پر پہلے اسلام نہیں لایا"۔ (ابن اثیر) علامہ ابن ہشام اپنی سیرت میں رقمطراز ہیں:

"نبی کریم ﷺ پر حضرت خدیجہؓ بنت خویلد ایمان لائیں۔ آنحضور ﷺ کی تصدیق کی اور رسالت کی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں آنحضور ﷺ کی ڈھارس بندھائی۔ آپؓ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اپنے محبوب نبی ﷺ کا بوجھ ہلکا کیا۔ جب مخالفین آنحضور ﷺ کیساتھ تلخ کلامی کرتے یا جھٹلاتے تو آنحضور ﷺ کو بہت دکھ ہوتا لیکن آنحضور ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ایسی گفتگو کرتیں کہ غم واندوہ کے بادل چھٹ جاتے۔ وہ آنحضور

ﷺ کو ثابت قدمی پر ابھارتیں اور آپ ﷺ کے غم کو ہلکا کرتیں"۔

اس وقت تک نماز پنجگانہ فرض نہ تھی۔ آنحضور ﷺ نوافل پڑھا کرتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ نوافل میں شرکت کرتی تھیں۔ آپؓ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ دو رکعت نماز صبح اور دو رکعت شام کو پڑھا کرتی تھیں۔ اس میں آپؓ کو روحانی لذت محسوس ہوتی۔ ایمان لانے کے بعد آپؓ کی طبیعت عبادت الٰہی اور غور وفکر کی طرف راغب تھی۔

اشعث بن قیس کے بھائی عفیف الکندی بیان کرتے ہیں کہ عباس بن عبد المطلب میرے گہرے دوست تھے۔ ایک روز ہم منیٰ کے میدان میں کھڑے تھے کہ ایک خوبصورت جوان وہاں آیا۔ اس نے خوب تسلی کے ساتھ ہاتھ پاؤں دھوئے اور سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک باوقار خاتون آئی اس نے بھی ایسے ہی کیا۔ پھر ایک خوبصورت ہونہار چھوٹی عمر کا لڑکا آیا وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ میں نے عباس سے پوچھا:

"یہ کیا کر رہے ہیں؟"

اس نے کہا۔۔۔ "یہ نوجوان محمد ﷺ بن عبداللہ ہے۔ اس نے ایک نئے دین کا اعلان کیا ہے اور نبی ﷺ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس وقت یہ سب لوگ اللہ کی عبادت کر رہے ہیں۔ یہ خاتون محمد ﷺ بن عبداللہ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں جو سلیقہ شعار، دولت مند اور انتہائی دانشور ہے۔ اور یہ بچہ میرے بھائی ابو طالب کا بیٹا علیؓ ہے"۔

کچھ عرصہ بعد حضرت عباس بن عبد المطلب کا یہ دوست مسلمان ہو گیا تو افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "کاش اس روز نماز میں شریک ہونے والا چوتھا فرد میں ہوتا"۔ (عیون الاثر، طبقات ابن سعد)

جب محرم الحرام 7 نبوی ﷺ میں قریش نے اسلام کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ تدبیر سوچی کہ آنحضور ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کو ایک گھاٹی میں محصور کیا جائے۔ چنانچہ ابو

طالب مجبور ہو کر تمام خاندان بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہوئے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بھی اس گھاٹی میں آنحضور ﷺ کے ساتھ تھیں۔ (ابن ہشام)

3 سال تک بنو ہاشم نے اس گھاٹی میں سخت تکلیف اور پریشانی میں گزارے۔ اس زمانہ میں بھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے اثر و رسوخ سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے لیے غلام کو ساتھ لے کر کچھ غلہ لے جا رہے تھے۔ راستے میں ابو جہل نے دیکھ لیا اور کہا۔۔۔

"کیا بنو ہاشم کے لیے غلہ لے جاتے ہو۔ میں تمہیں ہرگز غلہ نہیں لے جانے دوں گا اور سب میں تمہیں رسوا کروں گا"۔

اتفاق سے ابو البختری کہیں سے آ گیا۔ اسے جب صورتحال کا علم ہوا تو اس نے ابو جہل سے کہا۔ "ایک شخص اپنی پھوپھی کے لیے غلہ لے جا رہا ہے تم اس میں کیوں رکاوٹ بنتے ہو"۔

ابو جہل کو غصہ آ گیا اور سخت سست کہنے لگا۔ ابو البختری نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ابو جہل کے سر پر ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور یوں وہ راستے سے ہٹا۔ (ابن ہشام، عیون الاثر)

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی یہ خاص خصوصیت ہے اور اس میں کوئی دوسری ام المومنینؓ ان کی شریک نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی اور بھی ایسی منفرد خصوصیات ہیں جن کی بنا پر آپؓ دوسری ازواج مطہراتؓ سے ممیز و ممتاز نظر آتی ہیں۔ وہ یہ کہ آپؓ تمام مردوں اور عورتوں سے پہلے اسلام لائیں۔

آپؓ کو رب العزت نے خود سلام بھیجا۔ آپؓ کو جبریل علیہ السلام نے سلام بھیجا۔ آپؓ نے نکاح کے بعد اپنی پوری دولت آنحضور ﷺ کے قدموں میں نچھاور کر دی۔ آپؓ کی زندگی میں آنحضور ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔

آپؓ آنحضور ﷺ کی سب سے پہلی زوجہ محترمہ تھیں۔ آپؓ نے ہی سب سے زیادہ

عرصہ بطور بیوی آنحضور ﷺ کے ساتھ گزارا یعنی پوری ربع صدی آپ کو رحمتہ للعالمین ﷺ کی رفاقت نصیب ہوئی۔

آپؓ نے مایوسیوں اور کفار کی چیرہ دستیوں کے ہجوم میں سرور کائنات ﷺ کی ڈھارس بندھائی اور انہیں ہر منزل پر سکون پہنچایا۔ سب سے پہلی وحی کو آپؓ ہی نے پہلی بار ختم المرسلین ﷺ کی زبان مبارک سے سنا۔ آپ کا وہ امتیاز جس پر محبوب خدا ﷺ فخر کیا کرتے تھے یہ ہے کہ آپؓ ہی کے بطن سے آنحضور ﷺ کو خدائے بزرگ و برتر نے ساری اولاد دی۔

اگرچہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ہی کے بطن سے آنحضور ﷺ کی تمام اولاد ہوئی مگر سرور کائنات ﷺ کے حبالہ عقد میں آنے سے قبل حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے جو دو نکاح ہو چکے تھے۔ ان میں سے بھی اولاد ہوئی تھی اور قابل ذکر امر یہ ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی پہلی تمام اولاد بھی مشرف بہ اسلام ہوئی۔ عتیق بن عائذ مخزومی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ وہ اسلام لائی۔ اسی طرح ابو ہالہ تمیمی سے دو لڑکے پیدا ہوئے ان میں ایک کا نام حارث اور دوسرے کا نام ہند تھا۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت ہندؓ رسول اکرم ﷺ کے ربیب یعنی پروردہ تھے وہ اپنی والدہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ایمان لائے اور جنگ جمل میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا ساتھ دیتے ہوئے شہید ہوئے۔

حضرت حارثؓ بھی آنحضور ﷺ کے ربیب تھے۔ اپنے گھر میں آرام کر رہے تھے کہ یکا یک ان کے کان میں کعبہ سے آنے والے شور وغل کی آواز پڑی اور وہ چونک پڑے۔

"یا اللہ! خیر"

وہ بے تحاشہ کعبہ کی طرف لپکے وہاں دیکھا کہ ہادی کون ومکاں ﷺ کو دعوت حق دینے پر کفار نے خونخوار وحشیوں کی طرح گھیر لیا ہے۔ اور آپ ﷺ کو شہید کرنے کے درپے ہیں۔

حضرت حارثؓ ہجوم کو چیرتے ہوئے آنحضور ﷺ کے قریب پہنچے تو کفار ومشرکین کی تلواریں ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑیں اور وہ راہ حق میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے ہمیشہ کے

لیے سرخرو ہو گئے اور یہ سب کچھ آنحضور ﷺ کی رفاقت اور والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی تربیت کا اثر تھا۔ یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی دین اسلام سے والہانہ عشق اور سرور کائنات ﷺ سے بے انتہا انس و عقیدت ہی تھی کہ آپؓ نے اپنی پہلی اولاد اور ختم المرسلین ﷺ سے ہونے والی اولاد کی اس طور تربیت کی کہ وہ دین محمدیؐ کے لئے باعث فخر و اعزاز ٹھہریں۔

رسول کریم و عظیم ﷺ سے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ہاں جو اولاد ہوئی ان کی تعداد چھ ہے۔

(۱) قاسم جو رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے انہیں کے نام پر آنحضور ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' تھی۔ انہوں نے بچپن میں مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا۔

(۲) دوسرے صاحبزادے عبداللہ تھے جو نہایت چھوٹی عمر میں انتقال فرما گئے۔ اکثر مورخین کے نزدیک انہی کے لقب طیب اور طاہر تھے۔

(۳) حضرت زینبؓ

(۴) حضرت رقیہؓ

(۵) حضرت ام کلثومؓ

(۶) حضرت فاطمۃ الزہرہؓ

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام ،زاد المعاد ،طبقات ابن سعد، انساب الاشراف بلاذری، اصول کافی، مروج الذہب)

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے تمام بچوں کی پرورش، دیکھ بھال اور تربیت انتہائی پاکیزہ اور مطہر ماحول میں کی اور جس گھر میں ان قدسی صفات بچوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا گیا اسے عظمت، رفعت اور برکت نصیب ہوئی کیونکہ طویل عرصے تک رحمۃ للعالمین ﷺ نے اس گھر میں قیام فرمایا۔ اس گھر میں وحی کے ذریعے قرآن نازل ہوتا رہا۔ خاتم النبیین ﷺ ہجرت تک اسی گھر میں رہائش پذیر رہے۔ ہجرت کے بعد حضرت علیؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب رہائش پذیر

ہوئے۔ ان سے یہ گھر کاتب وحی حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دور حکومت میں خرید کر وہاں مسجد تعمیر کروادی اور یوں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اس گھر کو سجدہ گاہ خلائق بنا دیا۔ محبوب رب العالمین ﷺ کے دونوں بیٹے اللہ کو پیارے ہو گئے مگر آنحضور ﷺ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے رب تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو کر اپنے آپ کو مجسم تسلیم و رضا ثابت کیا۔ آپ ﷺ کی نرینہ اولاد نہ ہونے کے باعث کفار مکہ نے آپ ﷺ کو ابتر کہا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی شان صبر و شکر کے ساتھ حوصلہ مندی کا مظاہرہ قابل ذکر تھا۔ اس موقع پر رب کائنات نے سورۃ الکوثر اتار کر دشمنان اسلام کو بتایا کہ آنحضور ﷺ کا دشمن ابتر ہے جبکہ آپ ﷺ کا ذکر ہر دو جہاں میں ہوتا رہے گا۔ یہ وہ شمع ہے جو ہمیشہ نور افشاں رہے گی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ہاں جب بٹی پیدا ہوتی تو عقیقہ کے وقت ایک بکرا ذبح کراتی تھیں اور جب لڑکا پیدا ہوتا تو دو بکرے ذبح کراتی تھیں جب بیٹیاں شادی کی عمر کو پہنچیں تو آپؓ نے ان کے رشتے کرنے شروع کیے۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی ایک سگی بہن ہالہ تھیں۔ انہیں حضرت زینبؓ سے بڑا پیار تھا وہ دل میں ارادہ رکھتی تھیں کہ انہیں اپنے بیٹے ابو العاص کے لیے بطور دلہن حاصل کر لیں۔ چنانچہ حضرت زینب کے شعور کو پہنچنے پر اس نے اپنی بہن حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے سرور کائنات ﷺ کی رضامندی سے یہ رشتہ قبول کر کے شادی کر دی۔ یہ واقعہ بعثت نبوی ﷺ سے قبل کا ہے۔

چونکہ ابو العاص مسلمان نہیں ہوئے تھے اس لیے کفار نے جنگ بدر میں انہیں اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ ابو العاص قیدی بدر ہوئے۔ اسیران سے رہائی لینے کے لیے فدیہ لینے کا فیصلہ ہوا تو ابو العاص نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت زینبؓ کو فدیہ بجھوانے کے لیے پیغام بھیجا تو ان کے پاس زر نقد نہ ہونے کے باعث انہوں نے وہ ہار بجھوا دیا جو ان کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے انہیں جہیز میں دیا تھا۔ سرور کائنات ﷺ نے وہ ہار دیکھا تو اپنی غمگسار رفیقہ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی یاد دل میں تازہ ہو گئی کیونکہ اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اس دنیائے فانی میں موجود نہ

تھیں۔ تاہم ابوالعاصؓ پھر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

آنحضور ﷺ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی دوسری بیٹی حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے ہوا۔ اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ رحلت فرما چکی تھیں۔ بعد ازاں آنحضور ﷺ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی چوتھی اور آخری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کا نکاح حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ ہوا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے میکے کی طرف سے تبلیغ اسلام میں حصہ لینے والے نسبتاً کم لوگ تھے ان میں آپؓ کی بہن حضرت ہالہ مشہور صحابیہ تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی بہن رقیہ کی بیٹی حضرت امیمہ بھی صحابیہ تھیں۔ آپؓ کے سگے بھائی کا نام عوام تھا جن کے بیٹے زبیرؓ بن العوام مشہور صحابیؓ تھے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سرور دو عالم ﷺ کی ہمدرد رفیقہ حیات ہونے کے ساتھ ساتھ خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کی والدہ، سردار نوجوانان جنت حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی نانی، ذوالنورین حضرت عثمان غنیؓ اور امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ کی خوش دامن بھی تھیں۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کی رفاقت نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی سیرت کو چار چاند لگا دیے تھے۔ وہ تا حیات اپنے خاوند کی محبت میں سرشار رہیں اور اپنے حسن اخلاق، خلوص دل اور جان و مال کے ساتھ معاونت کرتی رہیں۔ دراصل انہوں نے اپنے وجود کو اپنے شوہر نامدار ﷺ کے وجود میں فنا کر دیا تھا۔

یہ خصوصیت بھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو حاصل ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے ان کی حیات میں کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ان سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو بھی آپ ﷺ سے بے پناہ عقیدت و انس تھا۔ چنانچہ طبرانی نے اس بارے میں ابن شہاب زہری سے روایت نقل کی ہے۔

''حضرت خدیجہؓ ۲۴ سال اور چند ماہ آپ ﷺ کے نکاح میں رہیں۔ لیکن سرور کائنات

ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ حتیٰ کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا انتقال ہوگیا۔"

شافع محشر ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو جنت کی بشارت دی۔ ترمذی میں روایت ہے کہ

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو جنت میں ایسا گھر ملنے کی بشارت دی جو موتیوں کا ہوگا۔ جس میں شوروغل اور محنت ومشقت نہ ہوگی۔" یہی روایت مسند احمد، مسند ابو یعلی، مستدرک حاکم اور دوسرے محدثین کی کتب میں بھی بیان کی گئی ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی زندگی میں تو آنحضور ﷺ ان کی تعریف فرماتے ہی تھے کیونکہ دونوں کے مابین بے انتہا انس ومحبت تھی لیکن حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے انتقال کے بعد بھی آپ ﷺ انہیں اکثر یاد فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

"حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اس وقت مجھ پر ایمان لائیں جب لوگ میرا انکار کررہے تھے۔ جب لوگ مجھے مال سے محروم کررہے تھے تو انہوں نے کھل کر میری مالی مدد کی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔" (مسند احمد، البدایہ والنہایہ، الاستیعاب)

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نکاح کے بعد ۲۵ برس تک زندہ رہیں اور ۱۱ رمضان المبارک ۱۰ نبوی ﷺ کو انتقال فرمایا (بخاری) اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ تھی۔ آنحضور ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور اپنی سب سے بڑی غمگسار کو داعی اجل کے سپرد کیا۔

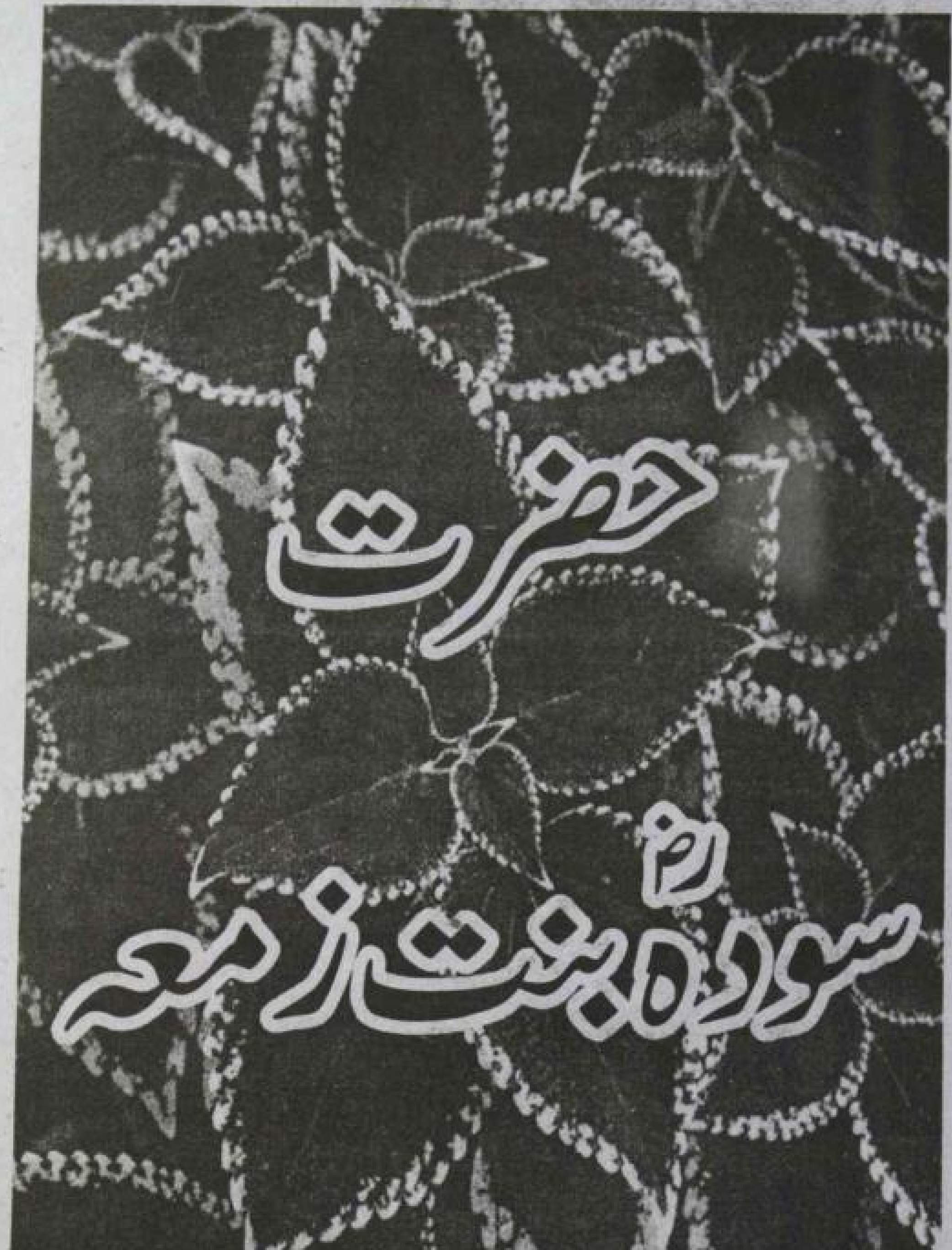
حضرت
سودہ بنت زمعہ رضؓ

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

ایک رات انہیں حسب معمول بڑی پرسکون اور گہری نیند آئی مگر وہ رات ان کے لئے دوسری راتوں سے مختلف ثابت ہوئی کیونکہ اس رات انہوں نے ایک سہانا خواب دیکھا۔ جب وہ علی الصبح بیدار ہوئیں تو ان پر ایک ناقابل بیان خوشگوار سی کیفیت طاری تھی۔ اپنے شوہر کو بتایا۔ ''گزشتہ رات میں نے ایک عجیب اور انوکھا خواب دیکھا ہے''

شوہر نے پوچھا ''بتاؤ تو آخر وہ خواب کیا ہے؟''

انہوں نے بتایا کہ ''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ چاند میری گود میں اتر آیا ہے'' پھر انہوں نے اپنے شوہر سے خواب کی تعبیر دریافت کی تو اس نے بتایا کہ ''میں تھوڑے عرصے کے بعد انتقال کر جاؤں گا اور پھر تمہارا نکاح محمد ﷺ سے ہوگا کیونکہ دنیا کا چاند تو محبوب خدا، احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں''۔

رب کائنات اپنے ہر کام کی حقیقت سے خود ہی بخوبی واقف ہے۔ اسکی ذات علیم بھی ہے اور بصیر بھی، اس نیک خاتون کے سچے خواب کی تعبیر بھی سچ ثابت ہوئی اور رب قدیر کا کرنا ایسا ہوا کہ کچھ عرصہ بعد ان کا شوہر اچانک بیمار ہوا اور چند ہی دنوں میں داعئ اجل کو لبیک کہتا ہوا اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون یوں وہ خاتون بیوہ ہو گئیں۔

اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ کچھ عرصہ بعد واقعتاً انکی شادی ہادی کون و مکاں حضرت محمد ﷺ سے ہو گئی جس سے انکی زندگی میں نہ صرف حسین و جمیل انقلاب آیا بلکہ ام المومنینؓ کی حیثیت سے ان کا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ و تابندہ ہو گیا۔ یہ نیک سیرت اور مجسمہ شرافت

خاتون حضرت سودہؓ بنت زمعہ تھیں (طبقات ابن سعد)

قریش کے ایک معزز قبیلے عامر بن لوی سے تعلق رکھنے والے ایک شخص زمعہ نے عرب کے مشہور خاندان بنی نجار کی ایک خاتون شموس بنت قیس سے نکاح کیا جس سے ایک بیٹی تولد ہوئی۔ والدین نے اسکا نام سودہ رکھا۔ اس بچی کے نانا قیس کی بہن سلمیٰ ہادی کونین ﷺ کے پردادا ہاشم کی زوجہ محترمہ تھیں اور یوں حضرت سودہؓ کا نسبی تعلق آنحضور ﷺ کے خاندان سے پہلے ہی تھا۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ بچپن ہی سے نیک سیرت اور باکردار تھیں۔ جب سن شعور کو پہنچیں تو آپؓ کے والد زمعہ نے اپنی رفیقہ حیات شموس کی رضامندی سے آپؓ کی شادی اپنے چچا کے بیٹے سکران بن عمرو بن عبدشمس سے کر دی۔ حضرت سودہؓ اور حضرت سکرانؓ کو رب رحمٰن و رحیم نے ایک خوبصورت بیٹا عطا کیا جس کا نام انہوں نے عبدالرحمٰن رکھا جو مشرف بہ اسلام ہوا اور اس نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جنگ جلولا میں شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ (عیون الاثر)

سرور کائنات ﷺ اپنی اعلیٰ اور برتر صفات کی بدولت بعثت سے پہلے ہی صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے۔ ہر کوئی آپ ﷺ کی دیانت، شرافت، صداقت اور پاکیزگی کے گن گاتا تھا۔ آنحضور ﷺ کے مداحوں اور عقیدت مندوں میں حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور آپؓ کے شوہر سکرانؓ بن عمرو بھی شامل تھے۔ جب رہبر کائنات کو چالیس برس کی عمر میں منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا گیا اور آپ ﷺ نے دین اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کیا تو قبیلہ عامر بن لوی کی سب سے پہلی خاتون جو مشرف بہ اسلام ہوئیں وہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ تھیں۔ اگرچہ مکہ مکرمہ کے لوگ حضرت محمد ﷺ کے قول و فعل کے معترف تھے مگر جیسے ہی آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو سب نے آنکھیں پھیر لیں تاہم چند افراد ایسے تھے۔ جنہوں نے آنحضور ﷺ کی آواز پر لبیک کیا۔ ان چند افراد میں حضرت سودہؓ بھی شامل تھیں

حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے نہ صرف خود دین اسلام قبول کیا بلکہ اس کی اشاعت و تبلیغ میں بھی پورا کردار ادا کیا آپؓ نے سب سے پہلے اپنے شوہر حضرت سکرانؓ بن عمرو کو دعوت اسلام

دی اور آپؓ ہی کی تحریک وترغیب پر وہ مسلمان ہوئے۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے دن رات پورے خلوص اور لگن کے ساتھ اشاعت اسلام کے لیے کام کیا۔ اور آپؓ ہی کی کوششوں سے آپؓ کے میکے اور سسرال والوں نے دین اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ ان میں آپؓ کے دو دیور حاطبؓ بن عمرو اور سلیطؓ بن عمرو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جبکہ تیسرے دیور سہیل بن عمرو کے بیٹے عبداللہؓ بن سہیل اور بیٹی ام کلثومؓ بھی ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئیں۔ اسی طرح حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے بھائی مالکؓ بن زمعہ، بھابھی عمیرہؓ اور آنحضورﷺ کی پھوپھی برہ کے بیٹے ابو ہرہ بن ابی ادہمؓ بھی مسلمان ہو گئے۔ اور یہ سب کچھ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی کاوشوں سے ہوا۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپؓ ان ایک سو تینتیس افراد میں سے تھیں جنہوں نے دعوت اسلام کے ابتدائی تین سالوں میں دل و جان اور کامل یقین وایقان کے ساتھ اس بات کا اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمدﷺ آخری نبی ہیں۔

دعوت اسلامی کے ابتدائی ایام میں اہل مکہ سختیوں اور مسائل ومشکلات کے ذریعے دین اسلام کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ کوئی ایسی پریشانی نہیں تھی جو انہوں نے مسلمانوں کے لیے پیدا نہ کی ہو۔ اور کوئی ایسا ظلم نہیں تھا جو انہوں نے نومسلم اہل مکہ پر نہ توڑا ہو۔ ان مصائب وآلام کی زد میں حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور آپؓ کے اہل خاندان بھی تھے۔ مگر حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے پائے استقلال میں ہلکی سی بھی جنبش نہ ہوئی بلکہ آپؓ نے نہ صرف خود کو عزم واستقامت کا پہاڑ ثابت کیا بلکہ خاندان کے دوسرے افراد کا بھی ان کے ارادوں اور افعال واعمال کی پختگی کے لیے حوصلہ بڑھایا۔

جب اہل مکہ کے ظلم وستم کی داستان کے اوراق سیاہ سے سیاہ ہونے لگے تو رحمتہ للعالمینﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں کیونکہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک انصاف پسند، نیک دل، اور صلح جو شخص تھا۔ ہجرت کرنے والے اس پہل قافلے میں

مسلمانوں کی تعداد پندرہ تھی جن میں چار خواتین تھیں۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور آپؓ کی تبلیغ سے مسلمان ہونیوالے آپؓ کے خاندان کے افراد اس قافلے میں شامل ہونے سے قاصر رہے تھے اس لئے وہ مشرکین مکہ کے ظلم وستم اور نفرت وحقارت کا نشانہ بنے رہے تاہم حضرت سودہؓ بنت زمعہ اس کوشش میں رہیں کہ رہبر کون ومکاں ﷺ کے فرمان کے مطابق جتنا جلد ممکن ہو سکے حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔

آخر وہ وقت آگیا جب حبشہ کی طرف مسلمانوں کا دوسرا قافلہ کفار مکہ سے چھپتا چھپاتا ہوا حبشہ کی جانب روانہ ہوا۔ اگرچہ کفار مکہ نے اس قافلے کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی مگر رب تعالیٰ کی مدد سے یہ قافلہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ مزید یہ کہ انہوں نے پہلے قافلے کے حبشہ پہنچنے پر بھی حبشہ کے بادشاہ کو ورغلانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام ونامراد رہے۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی حوصلہ افزائی ہی کی وجہ سے سرور کائنات ﷺ نے دوسرے قافلے کو وہاں پہنچنے کا حکم دیا۔

اس دوسرے قافلے میں حضرت سودہؓ بنت زمعہ، آپؓ کے شوہر حضرت سکرانؓ بن عمرو کے علاوہ آپؓ کے میکے اور سسرال کے وہ تمام لوگ شامل تھے جو آپکی کاوشوں سے اسلام لائے تھے۔ اس قافلے میں ایک سو تین لوگ تھے جن میں بیس عورتیں تھیں۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ سرور کائنات ﷺ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے حبشہ پہنچ تو گئی تھیں مگر آپؓ کو اس بات کا پوری شدت کیساتھ احساس تھا کہ وہ اس نازک، سخت اور کٹھن دور میں محبوب رب العالمین ﷺ کو مکہ میں تنہا چھوڑ آئے ہیں۔ جہاں پر بے دین لوگ آپ ﷺ کی جان کے درپے ہیں حبشہ میں اگرچہ امن وامان قائم تھا لیکن اپنے وطن کی محبت، اپنے گھر بار کی یاد اور سب سے بڑھ کر رسول خدا ﷺ سے عشق انہیں لمحہ لمحہ بے چین کئے رکھتا تھا اور قافلے کا کوئی فرد ایسا نہیں تھا جو اس کرب سے نہ گزرا ہو۔

کچھ عرصہ بعد مسلمانوں نے واپس جانا شروع کر دیا تو حضرت سودہؓ بنت زمعہ اپنے

اہل خاندان کے ہمرکاب فوری طور پر مکہ مکرمہ پہنچیں۔

اہل مکہ کی ستم ظریفیاں مسلمانوں پر جاری وساری تھیں حضرت سودہؓ بنت زمعہ جب مسلمانوں پر اور خاص طور پر رحمتہ للعالمین ﷺ کے ساتھ اہل مکہ کا ناروا سلوک دیکھتیں تو بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں بہت پریشان اور غمزدہ ہوتیں مگر کر بھی کیا سکتی تھیں۔

اہل مکہ کے ظلم وستم جاری وساری تھے کہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے شوہر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ادھر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے غم خوار چچا اور آپ ﷺ کی غم خوار بیوی حضرت خدیجتہ الکبریٰؓ بھی یکے بعد دیگرے داغ مفارقت دے گئے۔ان دونوں مشفق ومکرم ہستیوں کے انتقال کر جانے کی وجہ سے اس سال کو عام الحزن یعنی غم کا سال کہا گیا۔ہمدرد چچا اور شریک غم حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے انتقال کے بعد سرور کائنات ﷺ تنہا تنہا محسوس کرنے لگے۔مزید یہ کہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے اللہ کو پیارا ہونے کے بعد سرور کائنات ﷺ کے گھر مبارک میں کوئی بڑی عورت نہیں تھی جو آپ ﷺ کے گھر کی دیکھ بھال کرتی اور آنحضور ﷺ کی صاحبزادیوں کی سرپرستی کرتی۔گھر کی فکر کی فراغت کے ساتھ رہبر کائنات ﷺ کو دین کے کاموں میں بھی پوری یکسوئی اور ہم آہنگی درکار تھی۔

اہل مکہ نے جب یہ دیکھا کہ آپ ﷺ کے چچا اور رفیقہ حیات انتقال فرما گئے ہیں تو انہوں نے آنحضور ﷺ پر ظلم وستم میں اضافہ کر دیا۔جب رہبر کائنات کسی کام کیلیے باہر نکلتے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر خاک پھینک دی جاتی۔

آپ ﷺ گھر تشریف لاتے تو آپ ﷺ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمتہ الزہرہؓ اپنے والد محترم کا سر مبارک رو رو کر دھوتیں۔اب تو آپ ﷺ کے قریبی رشتہ دار بھی اہل مکہ کی ستم ظریفیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے تھے۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیمؓ دونوں آنحضور ﷺ کے مددگار اور خدمت گزار تھے جب انہوں نے محسوس کیا کہ آنحضور ﷺ کی دونوں

صاحبزادیاں بالکل ہی تنہا رہ گئی ہیں تو ان دونوں میاں بیوی نے آپس میں مشورہ کیا کہ سرور کائناتﷺ کے گھر کوئی بڑی عورت کا متبادل انتظام ضرور ہونا چاہیے تاکہ ہادی کون و مکاںﷺ گھر کی فکر سے مکمل آزاد ہو کر دین اسلام کی آبیاری کے لیے کام کر سکیں اس خیال کو دل میں جاگزیں کئے ایک دن حضرت عثمانؓ بن مظعون کی زوجہ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے آنحضورﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور آپﷺ کے سامنے دوسری شادی کی تجویز پیش کی ۔اگرچہ رحمتہ للعالمینﷺ اپنی غمگسار مرحومہ بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے گہری وابستگی اور عمیق تعلق رکھتے تھے مگر حضرت خولہ بنت حکیمؓ کے جاندار اور وزنی دلائل سے آپﷺ متفق ہو گئے تاہم آپﷺ نے فرمایا۔ "خولہؓ! واقعی خدیجہؓ بہت عظیم انسان تھیں ۔اس نے میری بہت مدد کی ۔وہ مجھے بہت یاد آتی ہیں ۔"

حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے عرض کی: "حضرت سودہؓ بنت زمعہ میری نظر میں بہت مناسب رہیں گی ۔ان کا خاوند فوت ہو چکا ہے"۔

آپﷺ نے فرمایا: "ٹھیک ہے بات کرو۔اگر وہ رضامند ہو تو یہ رشتہ مجھے منظور ہے"۔

حضرت خولہ بنت حکیمؓ کو جیسے ہی آنحضورﷺ کی طرف سے اجازت ملی، وہ فوراً ہی حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے گھر پہنچیں ۔سلام دعا اور حال احوال دریافت کرنے کے بعد حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے کہا" میں آپؓ کے لیے ایک بہت بڑی خوشخبری لے کر آئی ہوں ۔" حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے پوچھا" کیا خوش خبری ہے؟ اگر خوشخبری لائی ہو تو بتاؤ تو سہی تاکہ میں مسرت کا اظہار کر سکوں"۔

حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے کہا" میں نے شافع محشر حضرت محمدﷺ سے تمہارے متعلق عندیہ لیا ہے ۔آپﷺ نے مثبت انداز میں پسندیدگی کا اظہار کیا ہے ۔اب آپؓ بتائیے کہ آپؓ کیا جواب دیتی ہیں؟"

حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے جیسے ہی یہ خبر سنی تو خوشی سے آپؓ مسکرا اٹھیں اور کہنے لگیں "میری یہ خوش قسمتی! میرا یہ نصیب! مجھے اور کیا چاہیے! اس سے تو مجھے دنیا اور آخرت دونوں کی سر خروئی مل جائیگی۔ لیکن پہلے میرے ابا جان سے بات کر لو۔ وہ اگر راضی ہوں تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں"

حضرت خولہ بنت حکیمؓ ان کے والد کے کمرے میں گئیں۔ وہ بوڑھے اور ضعیف تھے۔ حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے پوچھا "خولہؓ! کہو کیسے آئی ہو؟" حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے جواب دیا "حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب کا آپکی بیٹی حضرت سودہؓ کے لیے شادی کا پیغام لائی ہوں۔"

انہوں نے کہا "ہاں لیکن تیری سہیلی سودہؓ کیا کہتی ہے؟"

حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے کہا "اگر آپ کی اجازت ہو تو وہ اس رشتے پر خوش ہیں۔"

حضرت سودہؓ کے والد زمعہ نے کہا "ٹھیک ہے۔ اگر بیٹی راضی ہے تو میں بہت خوش ہوں۔"

حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے رسول اللہ ﷺ کو تمام روئیداد سنائی اور بتایا کہ اس رشتے پر حضرت سودہؓ اور ان کے والد زمعہ دونوں راضی ہیں۔ اس پر سرکار دو عالم ﷺ خود حضرت سودہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت سودہؓ کے والد زمعہ نے نکاح پڑھایا اور چار سو درہم زر مہر مقرر ہوا۔ اس کے بعد سرور کائنات ﷺ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو اپنے گھر لے آئے اور یوں حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو ام المومنین ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ (مسند احمد، مجمع الزوائد، المعجم الکبیر)

ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ شادی کے بعد کاشانہ نبوت ﷺ میں منتقل ہوئیں تو آپ ﷺ کی دختران ذی وقار حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمۃ الزہرہؓ نے بڑھ کر آپؓ کا استقبال کیا۔ حضرت سودہؓ نے بھی انہیں ماں جیسا پیار، محبت اور شفقت دی حضرت سودہؓ اپنی قسمت پر شاکر اپنے مستقبل پہ مطمئن اور اپنے دل میں پر سکون تھیں۔ دو جہاں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ

ﷺ کے حبالہ عقد میں آنا بہت بڑی سعادت اور شرف عظیم تھا۔ جب رسول مکرم ﷺ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے پاس آ بیٹھتے تو یہ اکثر اوقات آپ ﷺ کو حبشہ میں بیتے ہوئے لمحات کی روئیداد سناتیں۔ آپ ﷺ یہ باتیں بڑی دلچسپی سے سنتے اور جب حضرت سودہؓ بنت زمعہ آپ ﷺ کے سامنے حضرت رقیہؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کا تذکرہ کرتیں تو آپ ﷺ انتہائی محبت اور اشتیاق سے وہ باتیں سنتے۔ ان دنوں حضرت محمد ﷺ، حضرت سودہؓ بنت زمعہ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ تمام لوگ اسی گھر میں رہتے تھے۔ جو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی ملکیت تھا۔ شادی کے وقت حضرت محمد ﷺ اور حضرت سودہؓ بنت زمعہ دونوں کی عمر مبارک ۵۰ برس تھی۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ پہلی خاتون تھیں جو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے انتقال کے بعد زوجہ مطہر بنیں۔ آنحضور ﷺ نے ان کے خاندان کی شرافت اور نیکیوں کو دیکھتے ہوئے نکاح کی حامی بھری تھی۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے اپنے حسن عمل اور حسن اخلاق سے آپ ﷺ کی توقعات پر پورا اترنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی حضرت سودہؓ نے گھر کا سارا انتظام اس خوش اسلوبی سے چلایا کہ آنحضور ﷺ گھر کی طرف سے مطمئن ہو گئے اور دین اسلام کی ترویج و اشاعت کی طرف مکمل دھیان دیا۔ اب آپ ﷺ پوری دلجمعی، یکسوئی اور گھریلو بے فکری کے ساتھ تبلیغ اسلام کرنے لگے مگر دشمنان اسلام نے آپ ﷺ پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا اور مسلمانوں کو طرح طرح کی تکالیف دینا اپنا مشغلہ اور وطیرہ بنالیا۔

جب کفار مکہ کی ایذا رسانیوں کی حد نہ رہی اور انکی عداوت اس انتہا کو پہنچی کہ انہوں نے ہادی کون و مکاں ﷺ کو شہید کرنے کے ناپاک منصوبے بنائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفی ﷺ کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دیرینہ رفیق نبوت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ ہجرت فرمائی تو اپنا گھر اور اپنی صاحبزادیاں ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے حوالے کیں۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے اپنے آپؓ کو اس

متبرک گھر کی خدمت کے لیے مکمل طور پر دل و جان سے وقف کر دیا تھا۔ آپؓ نہایت خوش اسلوبی اور حسن انصرام سے اپنے شوہر نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد مکہ معظمہ میں تقریباً سات ماہ تک صاحبزادیوں کی سرپرستی اور دیکھ بھال کرتی رہیں اور کسی بھی لمحے انہیں کسی چیز کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ آپ محبت و شفقت کا ایسا شیریں چشمہ تھیں کہ جس نے ہر قسم کے حالات میں صاحبزادیوںؓ کے دلوں میں کسی قسم کا ملال نہ آنے دیا۔

سرور کائنات ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں مصروف رہے۔ اس دوران آپ ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کے قریب ہی حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے لیے ایک حجرہ بنوایا۔ اس حجرے کی دیواریں کچی تھیں۔ جب کہ چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی۔ اس حجرے کی لمبائی پندرہ فٹ اور چوڑائی دس فٹ تھی۔ دروازے کی جگہ کپڑے کا پردہ لٹکا دیا گیا تھا۔ جب حجرہ کی تعمیر مکمل ہو چکی تو ختم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابورافعؓ کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ آپ ﷺ کے اہلخانہ کو مدینہ منورہ لے آئیں۔

حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابورافعؓ دونوں آنحضور ﷺ کے گھر مبارک مکہ معظمہ پہنچے تو انہوں نے سرور کائنات ﷺ کے اہلخانہ کو منتظر پایا۔ وہ تو کئی مہینوں سے مدینہ منورہ جانے کی راہ دیکھ رہے تھے اس لیے نبی مکرم ﷺ کے فرستادہ حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابورافعؓ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بصد مسرت و انبساط مدینہ منورہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔ حضرت رقیہؓ اپنے شوہر حضرت عثمان غنیؓ کے ہمراہ پہلے ہی مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کر چکی تھیں۔ اب گھر میں ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ تھیں حضرت سودہؓ بنت زمعہ صاحبزادیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچیں تو سرور کائنات ﷺ نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور آنحضور ﷺ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت ام کلثومؓ اور

حضرت فاطمۃ الزہراؓ حجرے میں چلی گئیں۔اس وقت آنحضور ﷺ تنگ دستی کی زندگی گزار رہے تھے مگر اس تنگ دستی میں بھی ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور آپ ﷺ کی صاحبزادیوں نے جس کمال صبر وشکر کا مظاہرہ کیا اور جس سلیقہ مندی اور کفایت شعاری سے گھر کا خرچہ چلایا وہ مثالی تھا۔اس سے ماحول بھی خوشگوار رہا اور کسی کو گلہ یا شکایت بھی پیدا نہ ہوئی۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے نکاح کے بعد آنحضور ﷺ نے جتنی بھی شادیاں کیں حضرت سودہؓ کی موجودگی میں کیں لیکن کبھی حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے ماتھے پر ایک بھی شکن نہ آئی بلکہ آپؓ نے ہر زوجہ مطہرہؓ کا خوشدلی اور وسعت قلبی کے ساتھ استقبال کیا۔آپؓ کا رویہ تمام ام المومنین کے ساتھ انتہائی مشفقانہ اور تعلقات انتہائی رحمدلانہ رہے آپؓ نے کبھی کسی کے لیے جذبہ رقابت کو دل میں جگہ نہ دی اور ہر ایک کے لیے احترام کے جذبات کا مظاہرہ کیا۔

جب سرور کائنات ﷺ نے دو صحابہ کرامؓ کے ذریعے اپنے اہلخانہ کو مدینہ منورہ بلوایا تھا تو اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی حضرت عبداللہؓ کو دو اونٹ دے کر اپنے گھر والوں کو لانے کے لیے بھیج دیا تھا۔مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت عبداللہؓ نے اپنے گھر جا کر اپنی والدہ محترمہ حضرت ام رومانؓ دو بہنوں حضرت اسماؓ اور حضرت عائشہؓ کو ساتھ لیا اور یہ قافلہ بھی مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کا نکاح سرور کائنات ﷺ سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ کے بعد رخصتی بھی ہوگئی تو حریم نبوت ﷺ میں حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور حضرت عائشہ بنت ابو بکرؓ اکٹھے رہنے لگیں۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے کبھی بھی حضرت عائشہ بنت ابو بکرؓ کو سوکن کی نظروں سے نہیں دیکھا بلکہ ایسی زندگی گزاری کہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دونوں جنم جنم کی دوست ہوں۔حضرت عائشہ بنت ابو بکرؓ کے بعد مختلف اوقات میں حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ حضرت زینب بنت جحشؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت جویریہؓ حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان اور دیگر ازواج مطہرات کو حرم نبوی ﷺ کی زینت بننے کا شرف حاصل ہوا مگر حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے تمام

ازواج مطہراتؓ کے ساتھ مثالی حسن سلوک اور خوش معاملت کا مظاہرہ کیا۔ خاص طور پر حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ سے بعض اوقات مزاح کا سلسلہ بھی چل نکلتا تھا حالانکہ دونوں ازواج مطہراتؓ کی عمروں میں کافی تفاوت تھا مگر پھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ خوش مزاجی کی فضایوں قائم ہو چکی تھی کہ جیسے دونوں ہم عمر ہوں۔

نسائی، تحفۃ الاشراف، المواہب اللدنیہ اور مجمع الزوائد میں منقول ہے کہ ایک روز حضرت سودہؓ بنت زمعہ ملنے کے لیے حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف لے گئیں۔ حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ نے انتہائی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور انہیں اپنے ساتھ بٹھایا۔ سرور کائنات ﷺ اس وقت گھر پر موجود تھے۔ آپ ﷺ حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور حضرت عائشہؓ بنت حضرت ابوبکرؓ کے درمیان آکر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ نے حریرہ تیار کیا ہوا تھا وہ انہوں نے کھانے کے لیے پیش کیا تو حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے کہا کہ اس وقت کچھ کھانے کو انکی طلب نہیں ہے۔ اس پر حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ نے ازراہ مزاح حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے کہا "آپ حریرہ نوش فرمائیں گی یا میں آپؓ کے منہ پر مل دوں"۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ خاموش بیٹھی رہیں اور کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ رسول اکرم ﷺ یہ منظر دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے۔ اتنے میں حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ نے پیالے سے تھوڑا سا حریرہ لیا اور ہلکا سا حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے منہ پر مل دیا۔ اس پر حضرت سودہؓ بنت زمعہ مسکرا دیں اور انہوں نے بھی تھوڑا سا حریرہ لے کر ہلکا سا حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ کے منہ پر جواباً مل دیا۔ رسول مکرم ﷺ یہ صورتحال دیکھ کر ہنسے اور فرمایا "یہ رہا نہ بدلہ" آپس میں اس قسم کا ہلکا پھلکا مزاح ہوتا رہتا تھا جس سے گھر کی فضا خوشگوار اور ماحول میں چاشنی برقرار رہتی تھی اور یہ کہ محبوب خدا ﷺ اسے پسند بھی فرماتے تھے۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی طبیعت میں ظرافت اور مزاح کا عنصر وافر تھا۔ آپؓ بعض اوقات جان بوجھ کر اس انداز سے چلتیں کہ آنحضور ﷺ ہنس پڑتے تھے۔ طبقات ابن سعد اور

الاصابہ میں ہے کہ ایک روز حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے اپنے شوہر نامدار حضرت محمد ﷺ سے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! کل رات میں نے آپ ﷺ کے پیچھے نفلی نماز کی نیت باندھ لی تھی۔ آپ ﷺ دیر تک رکوع میں رہے۔ مجھے زیادہ دیر رکوع میں جھکے ہوئے یوں محسوس ہوا کہ جیسے ابھی ناک سے نکسیر پھوٹ نکلے گی۔ میں نے اس اندیشہ سے کہ کہیں خون کے قطرے نیچے گرنا نہ شروع ہو جائیں اپنی ناک کو مضبوطی سے پکڑ لیا'' ختم الانبیا ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ کی یہ بات سنی تو آپ ﷺ مسکرا دیئے۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ اپنی حسن ظرافت، خوش مزاجی اور حسن معاشرت کے باعث گھریلو ماحول کو خوشگوار اور راحت فزا بنائے رکھتی تھیں سرور کائنات ﷺ اکثر حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی باتوں اور کاموں میں دلچسپی کا اظہار فرماتے تھے جبکہ دوسری امہات المومنینؓ بھی بعض اوقات حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے لیے ایسی صورت حال پیدا کر دیتی تھیں کہ فضا خوش کن اور حیرت آفریں مسکراہٹوں سے معطر ہو جاتی تھی۔

ایک روز حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ اور حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ نے مل کر حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے سامنے دجال کی آمد کا تذکرہ کر دیا۔ دراصل جب سے حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے رسول خدا ﷺ کی زبان مبارک سے فتنہ دجال کے بارے سنا تھا تو آپؓ دجال کے تذکرے سے خوف کا اظہار کرتی تھیں۔ تمام ازواج مطہراتؓ کو حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی اس عادت کا علم تھا کہ دجال کے تذکرے سے ان کی طبیعت غیر ہو جاتی ہے۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی اس عادت کے پیش نظر جب حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے سامنے دجال کی آمد کا تذکرہ کیا تو حضرت سودہؓ بنت زمعہ یہ سنتے ہی دوڑ کر ایک تنہا کمرے میں چھپ گئیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ اس صورت حال پر مسکرا رہی تھیں کہ رسول مکرم ﷺ تشریف لے آئے آپ ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کو مسکراتے دیکھا تو دریافت فرمایا۔ ''آپؓ کیوں مسکرا رہی ہیں؟''

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے بتایا کہ دجال کی آمد کے تذکرے پر حضرت سودہؓ بنت زمعہ خوف کے مارے کمرے میں چھپی ہوئی ہیں تو رسول ﷺ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو آواز دی۔

''سودہؓ! باہر آ جاؤ اور تسلی رکھو کہ دجال کی آمد کا زمانہ ابھی دور ہے۔''

حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے جیسے ہی محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفی ﷺ کی آواز سنی تو فوراً کمرے سے باہر آ گئیں اور خود بھی صورتحال معلوم ہوتے ہی مسکرانے لگیں۔ یہ واقعہ اس حقیقت کا غماز ہے کہ ازواج مطہراتؓ باہمی طور پر کس اخوت، محبت، رواداری، اور خوش مزاجی کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں اور یہ سب کچھ رحمۃ للعالمین ﷺ کی پاکیزہ رفاقت، ارفع طبیعت اور اعلیٰ معاشرتی نظامت کا ثمر تھا۔ (الاصابہ)

حضرت سودہؓ بنت زمعہ جود و سخا اور فیاضی میں بھی ایک خاص اور نمایاں مقام کی حامل تھیں۔ آپ حتی المقدور غربا کی مدد کرتی تھیں اور حاجت مندوں کے کام آنے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ درہم و دینار سے آپؓ کو قطعاً کوئی سروکار نہیں تھا جو کچھ ہاتھ آتا راہ خدا میں تقسیم کر دیتیں تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں درہم و دینار سے بھری ایک تھیلی اپنے ایک خادم کے ہاتھ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی خدمت میں بھیجی تاکہ آپؓ اسے اپنے کام میں لے آئیں حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے تھیلی لانے والے خادم سے پوچھا ''اس تھیلی میں کیا ہے؟'' خادم نے بتایا ''اس میں درہم و دینار ہیں جو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے آپؓ کی ضرورت کے وقت کام آنے کے لیے بھیجے ہیں''۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے خادم کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو فرمایا ''کیا درہم و دینار بھی کبھی کھجوروں کی طرح تھیلیوں میں ڈالے جاتے ہیں''۔ پھر حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے اس تھیلی میں سے ایک درہم یا ایک دینار بھی نہیں لیا بلکہ تمام نقدی غربا، مساکین اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ (طبقات ابن سعد، الاصابہ) سخاوت اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ حضرت

سودہؓ بنت زمعہ نے اپنی باری بھی ام المومنین حضرت عائشہؓ بنت ابو بکر صدیقؓ کے نام کر دی (ترمذی، طبرانی، ابن کثیر)۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ اپنے شوہر نامدار آقائے دو جہاں ﷺ کو دل و جان سے چاہتی تھیں۔ وہ آپ ﷺ کی رفاقت اور ام المومنینؓ ہونے کو باعث فخر و اعزاز سمجھتی تھیں۔ محبت و عقیدت کی فراوانی کی وجہ سے آپؓ کو یوں ہی دھڑ کا لگا رہتا تھا کہ کہیں سرور کائنات ﷺ سے جدائی کے لمحات نہ آ جائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں نبی رحمت ﷺ اسے طلاق نہ دے دیں۔ چنانچہ ایک روز اپنے شوہر نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے عرض کی:

''یارسول اللہ ﷺ! مجھے اپنے پاس رہنے دیں۔ مجھے طلاق نہ دینا میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے روز مجھے ازواج مطہراتؓ کے زمرہ میں اٹھایا جائے''۔ حالانکہ سرور کائنات ﷺ طلاق کو انتہائی ناپسندیدہ فعل تصور کرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کا کسی قسم کا کوئی ارادہ ایسا نہیں تھا کہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو طلاق دی جائے مگر یہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کا محض اندیشہ تھا جو گہری محبت اور بے پناہ عقیدت کا مظہر تھا۔ تاہم یہ اندیشہ سرور کائنات ﷺ کے خلوص اور یقین دہانی سے دور ہو گیا۔ (المستدرک حاکم)۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی خواہش تھی کہ ان کا تمام خاندان دین اسلام کی دولت بے بہا سے مالا مال ہو۔ اگرچہ آپؓ کی کوششوں سے آپؓ کے اکثر رشتہ دار مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے مگر آپؓ کے پہلے خاوند سکرانؓ بن عمرو کا بھائی سہیل بن عمرو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس کے لیے آپؓ فکر مند رہتی تھیں کہ کسی طرح وہ بھی مسلمان ہو جائے مگر اس نے دشمنان اسلام کے ساتھ مل کر جنگ بدر میں حصہ لیا۔

تاریخ طبری، کامل ابن کثیر اور سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے کہ غزوہ بدر حق و باطل کے مابین پہلا معرکہ تھا جو سرور کائنات ﷺ کی سرکردگی اور سپہ سالاری میں لڑا گیا۔ اس غزوہ میں

مسلمانوں کو خدائے بزرگ و برتر نے فتح نصیب فرمائی تو جہاں بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا وہاں بہت سے مشرکین بھی قیدی بنا لیے گئے۔ان قیدیوں میں حضرت سودہؓ بنت زمعہ کا دیور سہیل بن عمرو بھی تھا جسے مالک بن دخشم کی تحویل میں دیا گیا تھا۔

غزوہ بدر میں مسلمان فتح حاصل کرنے کے بعد سپہ سالار اعظم حضرت محمد ﷺ کی سر براہی میں مدینہ منورہ کی جانب محو سفر تھے کہ راستے میں جنگی قیدی سہیل بن عمرو نے مالک بن دخشم سے کہا:

''مجھے حاجت محسوس ہو رہی ہے۔ذرا ٹھہر جائیں''۔

''مالک بن دخشم نے سہیل بن عمرو کی درخواست پر اسے قضائے حاجت کی اجازت دی اور خود تھوڑی دور جا کر کھڑے ہو گئے تا کہ سہیل بن عمرو فارغ ہو تو سفر پھر سے شروع کیا جائے۔مگر سہیل بن عمرو نے مالک بن دخشم کو دھوکہ دیا اور موقع پاتے ہی وہاں سے بھاگ نکلا۔

مالک بن دخشم نے سہیل بن عمرو کے بھاگ جانے کی اطلاع سرور کائنات ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے لشکر کو رک جانے کا حکم دیا اور آدمی دوڑائے کہ سہیل بن عمرو جہاں بھی ملے اسے یا تو گرفتار کر کے لایا جائے یا وہیں قتل کر دیا جائے۔مجاہدین اسلام چاروں جانب سہیل بن عمرو کی تلاش میں نکل پڑے۔سہیل بن عمرو نے مجاہدین کو اپنے قریب آتے دیکھا تو درخت کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا مگر آخر کب تک نظروں سے اوجھل رہتا۔بالآخر مجاہدین کی نظر پڑی تو انہوں نے اسے گرفتار کر لیا اور اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر گردن کے ساتھ جکڑ دیے۔اسی حالت میں اسے مدینہ منورہ لایا گیا۔

جب لشکر اسلام مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو خبر ہوئی کہ اس کے دیور سہیل بن عمرو کو قیدی بنا کر لایا گیا ہے۔حضرت سودہؓ بنت زمعہ وہاں پہنچیں اور اپنے دیور سہیل بن عمرو سے مخاطب ہو کر کہا:

''اس ذلت آمیز زندگی سے تمہیں مر جانا چاہیے تھا''۔بعد میں سہیل بن عمرو نے اسلام

قبول کرلیا اور اپنے سابقہ رویے پر افسوس کا اظہار کیا۔

کچھ ایسی ہی صورت حال حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کے ساتھ پیش آئی۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے آنحضور ﷺ کے ساتھ نکاح کے وقت حضرت سودہؓ بنت زمعہ کا بھائی عبداللہ بن زمعہ موجود نہیں تھا۔ بعد میں جب اسے پتہ چلا کہ اس کے والد نے اس کی بہن حضرت سودہؓ بنت زمعہ کا نکاح سرور کائنات ﷺ سے کر دیا ہے تو اس نے اس وقت مسلمان نہ ہونے کی بنا پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا حتیٰ کہ اپنے سر میں خاک ڈال لی۔ جب اسے اسلام کی سعادت نصیب ہوئی تو اسے اپنی سابقہ غلطی کا ازحد احساس ہوا۔ اس کی طبیعت پر یہ تاثر زندگی بھر رہا کہ اس نے ایسا کر کے سخت غلطی کی تھی۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ یہ تو اس کے لیے اعزاز کی بات تھی کہ اس کی بہن حضرت سودہؓ بنت زمعہ ام المومنین جیسی عظمت سے سرفراز ہوئیں تھیں۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ اگرچہ عمر رسیدہ تھیں مگر اپنے قد اور جسامت کی وجہ سے منفرد تھیں۔ آپؓ دراز قد اور قدرے جسیم تھیں۔ اس لیے دور سے ہی پہچانی جاتی تھیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس نے بھی حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو دیکھا وہ اس سے پھر چھپ نہیں سکتی تھیں۔ (بخاری، زرقانی)

ایک اور روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے علاوہ کسی اور عورت کو دیکھ کر مجھے کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی" (مسلم)

حضرت سودہؓ بنت زمعہ ایک مرتبہ باہر کسی کام سے جا رہی تھیں۔ راستے میں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو دراز قد ہونے کے باعث پہچان لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ اس سے پہلے نبی رحمت ﷺ کی خدمت اقدس میں امہات المومنینؓ کے لیے پردہ کی تحریک بھی کر چکے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس موقع پر سورت حجاب نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے نبی مکرم ﷺ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو، اپنی صاحبزادیوں کو اور جملہ اہل ایمان کی

عورتوں کو فرمائیے کہ (جب وہ باہر نکلیں تو)وہ اپنے اوپر چادروں کے پلو ڈال لیا کریں"۔(الاحزاب)

حضرت سودہؓ بنت زمعہ اخلاق نبوت ﷺ کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھیں۔آپ اپنے شوہر نامدار حضرت محمد ﷺ کی از حد اطاعت گزار اور فرمانبردار تھیں۔ایک دفعہ آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے کوئی بات سن لیتی تھیں تو اس پر سختی کے ساتھ کاربند ہو جاتی تھیں۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہراتؓ سے فرمایا"میرے بعد گھر میں بیٹھنا"

حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے آنحضور ﷺ کے اس فرمان پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی گھر سے نہ نکلیں حتیٰ کہ پھر حج کے لیے بھی نہ گئیں۔آپ مستقل مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہیں۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ فرمایا کرتی تھیں"میں نے حج بھی کرلیا ہے اور عمرہ کی سعادت بھی حاصل کرلی ہے۔اب میں اپنے گھر میں ہی رہوں گی جیسا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ "اے نبی کی ازواج مطہراتؓ!اپنے گھروں میں ٹھہری رہا کرو"۔(الاحزاب)

امام احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد کوئی حج نہیں کیا بلکہ برابر گھر میں بیٹھی رہیں اور فرمایا کرتی تھیں"بخدا!رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے بعد میں اپنی جگہ سے نہیں ہلوں گی"۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو فربہ اندام ہونے کی بنا پر چلنے میں قدرے دشواری پیش آتی تھی۔۱۰ ہجری میں سرکار دو عالم ﷺ نے حج فرمایا تو اس موقع پر حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے تیز چلنے میں دشواری کے باعث سرور کائنات ﷺ سے اجازت چاہی کہ لوگوں کے مزدلفہ روانہ ہونے سے قبل انہیں روانہ ہونے کی اجازت دے دی جائے۔

صحیح بخاری،صحیح مسلم اور نسائی میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور ﷺ نے

حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو لوگوں کے اژدھام سے پہلے مزدلفہ جانے کی اجازت دے دی تھی اور یوں حضرت سودہؓ بنت زمعہ لوگوں کی بھیڑ سے پہلے روانہ ہوگئیں لیکن ہم صبح تک وہاں قیام پذیر رہے۔ جب رسول اکرم ﷺ روانہ ہوئے تو ہم بھی آپ ﷺ کے ہمراہ چلے۔ (بخاری)

حجتہ الوداع کے بعد مدینہ منورہ واپس پہنچنے پر ختم المرسلین ﷺ بیمار ہو گئے کیونکہ میدان عرفات میں جبل رحمت پر آخری خطبہ دیتے ہوئے آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو فرمادیا تھا کہ اب دین مکمل ہو گیا ہے اور اشاروں میں بتادیا تھا کہ آپ ﷺ کا آخری وقت قریب آپہنچا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں جب آپ ﷺ کو تیز بخار ہوا تو آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہراتؓ سے فرمایا کہ وہ سات کنوؤں سے ایک ایک مشکیزہ پانی کا لائیں اور آپ ﷺ پر ڈالیں۔ ان ازواج مطہراتؓ میں حضرت سودہؓ بنت زمعہ بھی شامل تھیں۔ آپ بھی پانی کا مشکیزہ بھر کر لائیں اور اپنے شوہر نامدار خاتم النبیین ﷺ پر ڈالا جس سے آپ ﷺ کے بخار کی شدت کچھ کم ہوئی۔

ہجری کا گیارھواں سال تھا اور ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی جب نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی عمر چونسٹھ برس تھی۔ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے ہادیٔ کون ومکاں ﷺ کے ساتھ اپنی زندگی کے ۲۵ سال گزارے۔ اس کے بعد سب سے زیادہ وقت حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے آنحضور کے ساتھ گزارہ آپؓ کی ازدواجی زندگی کی مدت ۱۴ برس رہی۔

ایک مرتبہ یوں ہوا کہ ازدواج مطہراتؓ بارگاہ رسالت میں بیٹھی ہوئی تھیں اور باہم گفتگو ہو رہی تھی۔ باتوں باتوں میں ازواج مطہراتؓ نے سرور کائنات ﷺ سے دریافت کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ یہ بتائیے کہ ہم میں سب سے پہلے کون اللہ کو پیارا ہوگا؟''۔

رہبر کائنات ﷺ نے فرمایا ''تم میں سب پہلے وہ اللہ کے پاس پہنچے گا جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے''۔

ازواج مطہراتؓ نے آنحضور ﷺ کے اس فرمان کے ظاہری معانی سمجھے اور آپس میں

ایک دوسرے کے ہاتھ ماپنے شروع کر دیے۔ جب سب کے ہاتھ ماپے گئے تو حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے ہاتھ باقی تمام ازواج مطہراتؓ کے ہاتھوں سے بڑے اور لمبے تھے۔ اس وقت سب نے یہی سمجھا کہ سب سے پہلے حضرت سودہ بنت زمعہ اس جہان فانی کو خیر باد کہیں گی، مگر ایسا نہ ہوا بلکہ سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو پھر ازواج مطہراتؓ کو معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ کی ہاتھ کی لمبائی سے مراد سخاوت اور فیاضی تھی جس میں حضرت زینبؓ سب سے آگے تھیں۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ کا ایک بھائی کنیز زادہ تھا۔ آنحضور ﷺ کو جب اس کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو اس سے پردہ کرنے کو کہا کیونکہ اس کا بھائی ہونا مشکوک تھا۔ چنانچہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے اپنے شوہر نامدار ختم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اس حکم کو دل و جان سے قبول بھی کیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ (تفہیم القرآن) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ میں اطاعت و فرمانبرداری بدرجہ اتم موجود تھی۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے بطن مبارک سے آنحضور ﷺ کی زوجیت میں کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن آپؓ نے سرور کائنات ﷺ کی بیٹیوں کی اپنی حقیقی اولاد کی طرح پرورش کی جس پر آنحضور ﷺ آپؓ سے بہت خوش تھے۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی وفات کب ہوئی اس بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ واقدی نے آپ کا سن وفات خلافت معاویہؓ میں شوال ۵۴ ہجری بتایا ہے۔ جبکہ الاستیعاب، الاصابہ، اور النساب الاشراف کے مطابق حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی وفات حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت کے اخیر میں ہوئی۔ چونکہ حضرت عمر فاروقؓ نے ۲۳ ہجری میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اس لیے خیال ہے کہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ ۲۲ ہجری میں اللہ کو پیاری ہوئیں زرقانی کا بھی یہی خیال ہے اور اکثر مورخین اسی پر اتفاق کرتے ہیں۔ اسی طرح وفات کے وقت آپؓ کی عمر مبارک کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آپؓ نے ۷۲ برس کی عمر پائی جبکہ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور حضرت عمر فاروقؓ نے حکم دیا کہ ام

المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ کا جنازہ رات کے وقت اٹھایا جائے جس وقت ان کا جنازہ تیار ہو گیا تو جنت البقیع میں لے جایا گیا اور انہیں نہایت عزت واحترام کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ نے وصیت کی تھی کہ ان کا حجرہ بعد از وفات حضرت عائشہؓ بنت ابو بکرؓ کو دے دیا جائے چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔

حریم نبوت ﷺ میں رہنے کی وجہ سے حضرت سودہؓ بنت زمعہ شب و روز ارشادات ختم الرسل ﷺ سے فیض یاب ہوتی تھیں لیکن کتب احادیث میں ان سے محض پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے صحیح بخاری میں صرف ایک ہے۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت یحییٰؒ بن عبدالرحمن بن اسعد نے ان سے روایت کی ہے اور یہ احادیث سنن اربعہ میں ہیں اور وہاں سے دوسرے محدثین نے بھی نقل کی ہیں۔

بخاری شریف میں عکرمہؒ بن عباس کے حوالے سے حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے روایت ہے کہ:

''ہماری ایک بکری مر گئی تو ہم نے اس کا چمڑا رنگ لیا اور اسے استعمال میں لایا کرتے تھے یہاں تک کہ چمڑہ بوسیدہ ہو گیا''۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرے ہوئے جانور کا چمڑا استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

مسند امام احمد حنبل میں حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے حوالے سے یہ روایت ہے کہ:

''آپؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرا باپ بوڑھا ہو چکا ہے۔ وہ حج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تمہارے باپ پر قرض ہو اور تم اسے ادا کرو تو یہ تمہاری جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا؟'' اس نے جواب دیا ''جی ہاں قبول کر لیا جائے گا''۔

آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو''۔

حضرت سودہؓ بنت زمعہ کی اس روایت سے حج بدل کا جواب ثابت ہوتا ہے۔

ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ کا فرمان ذیشان ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف جنتی خاتون سے شادی کرنے کا حکم دیا ہے"۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ بلاشک وشبہ جنتی خاتون تھیں جسے ابتدائی مراحل میں ہی اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جس نے حبشہ اور مدینہ کی طرف دو ہجرتوں کا اعزاز حاصل کیا جسے خواب میں حرم نبوی ﷺ میں داخل ہونے کی بشارت مل گئی جو اطاعت وفرمانبرداری، سخاوت وفیاضی اور ایثار وقربانی میں ممتاز مقام رکھتی تھیں جنہیں راہ خدا میں خرچ کرنے کا اتنا شوق تھا کہ حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ دستکار تھیں اور طائف کی کھالیں بنایا کرتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اسے راہ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔ آپؓ کی خدمات دین اسلام کے لیے اور ذات سرور کائنات ﷺ کے لیے رہتی دنیا تک تاریخ کا حصہ رہیں گی اور یاد رکھی جاتی رہیں گی۔

حضرت
عائشہ صدیقہ رض

حضرت عائشہ صدیقہؓ

مکہ مکرمہ کے محلہ مسفلہ میں واقع ایک مکان میں ایک گھرانہ آباد تھا۔ اس گھرانے کے سربراہ کا نام عبد اللہؓ اور کنیت ابو بکر تھی جبکہ مالکن کا نام زینبؓ اور کنیت ام رومانؓ تھی۔ ان دونوں خوش قسمت میاں بیوی کے ہاں رب کائنات کی عنایت سے ایک خوبصورت اور خوب سیرت بچی تولد ہوئی جس کا نام عائشہؓ رکھا گیا۔ عائشہؓ کے معنی ہیں خوشحال اور صاحب اقبال۔ چونکہ عائشہؓ ایک کھاتے پیتے اور خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے والد ماجد حضرت عبد اللہ ابو بکرؓ قریش کے سرداروں میں سے تھے اور قبیلہ تیم بن مرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ علم الانساب میں ماہر تھے اور ان کا کاروبار بھی دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ لہذا اس خاندانی شرف اور مالی خوشحالی کی بناء پر ان کے والدین نے ان کا نام عائشہؓ رکھا۔ اور چشم فلک نے دیکھا کہ ابو بکرؓ اور ام رومانؓ کی یہ بیٹی عائشہؓ اسم بامسمیٰ یعنی بہت بلند اقبال ٹھہریں اور ام المومنینؓ کے عظیم مرتبے پر فائز ہوئیں۔

حضرت عائشہؓ کا والد کی طرف سے نسب نامہ عائشہؓ بنت عبد اللہؓ بن ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ جبکہ والدہ کی طرف سے نسب نامہ عائشہؓ بنت زینبؓ بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ ہے۔ آپؓ والد کی طرف سے قریشیہ تیمیہ اور والدہ کی طرف سے قریشیہ کنانیہ تھیں۔ سلسلہ نسب والد کی جانب سے آٹھ اور والدہ کی جانب سے بارہ واسطوں سے سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے دو اڑھائی سال تک شرفائے عرب کے دستور کے مطابق وائل کی بیوی سے دودھ پیا اور یہ عرصہ انہی کے پاس گزارا۔ رضاعت کا زمانہ ختم ہونے کے بعد وائل کی بیوی یعنی حضرت عائشہؓ کی رضاعی ماں نے ان کو حقیقی والدہ ام رومانؓ کے پاس بھیج دیا۔ وائل کے بھائی افلح یعنی عائشہؓ کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔ اسی طرح رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا۔ اور آپؓ ہادی کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ان کے سامنے آتی تھیں۔ (بخاری)

صدیقہؓ آپؓ کا لقب، ام المومنینؓ آپ کا خطاب جبکہ ام عبداللہ آپؓ کی کنیت تھی۔ عرب میں کنیت چونکہ شرافت کا نشان سمجھا جاتا تھا اس وجہ سے ہر مرد اور عورت اپنی کنیت ضرور رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ میری بھی کوئی کنیت مقرر فرما دیں کیونکہ میری تمام سہیلیوں کی کنیتیں ہیں۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو اپنی بہن حضرت اسماءؓ زوجہ حضرت زبیر بن العوامؓ کے نومولود بیٹے اور اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے نام پر اپنی کنیت ام عبداللہؓ رکھ لے"

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنی کنیت ام عبداللہؓ رکھ لی جو آپ ﷺ کی وفات تک رہی۔ (مسند احمد، ابوداؤد، مستدرک حاکم)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نجیب الطرفین تھیں۔ جس گھر میں آنکھ کھولی، ہوش سنبھالا اور پرورش پائی وہاں آپؓ کی ولادت سے پہلے ہی اسلام اپنی تمام تر رحمتوں اور برکتوں کے ہمرکاب پہنچ چکا تھا۔ باپ ایسی عظیم المرتبت ہستی کہ جسے زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے صدیقؓ کا لقب عطا ہوا۔ اور وہ یار غار بھی ٹھہرے اور یار مزار بھی۔ اسی طرح آپؓ کی والدہ ام رومانؓ بنت عامرؓ وہ قابل فخر خاتون تھیں کہ جن کے بارے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں دفناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"جسے کسی ایسی خاتون کو دیکھنا پسند ہے جو جنت کی حور ہو وہ ام رومانؓ کو دیکھ لے"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے چونکہ اسلام ہی کی پاکیزہ فضا میں پہلا سانس لیا اس لیے خدا کے دین کے ساتھ محبت کا جذبہ ان کو بچپن ہی میں قدرتی اور فطرتی طور پر عطا ہوا تھا۔ قادر مطلق نے چونکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو سردار دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں دینا تھا لہذا اس ذات پاک نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ولادت کے ساتھ ہی روشن دماغی، اعلیٰ ظرفی اور روشن ضمیری عطا فرما دی۔ ان کے عقل و ادارک کو صیقل کر دیا۔ ان کے فہم وشعور کو قابل رشک جلا بخشی اور ان کی روح میں ایک تقدس، لطافت اور ذکاوت ودیعت فرما دی۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بچپن میں ہی خداداد ملکہ کی بدولت ہر بات اور ہر معاملہ کو سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت اور قابلیت پیدا کر لی۔ ان خصوصیات کے ساتھ رب تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ میں چھوٹی عمر میں ہی بھیج دیا۔ جہاں دنیا کے عظیم ترین معلم نے ان کی بہترین تعلیم و تربیت فرمائی۔ اور دین و دنیا میں ان کو ایسا ماہر بنا دیا کہ جس کی مثال دنیائے اسلام کی خواتین میں نہ ملی ہے نہ ملے گی۔

خود حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرامؒ کو اپنے زمانہ تربیت کے جو واقعات سنائے ہیں ان سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایام طفلی ہی میں بے حد ذہین وفطین، باشعور اور دانشور تھیں۔ آپؓ نے چھوٹی عمر میں ہی احکام دین اسلام کی پابندی شروع کر دی تھی۔ اور صغر سنی ہی میں نماز روزہ کی پابند ہو گئیں۔ ضروری شرعی مسائل انہیں بخوبی حفظ ہو گئے تھے یہاں تک کہ وہ نو مسلم عورتوں اور مسلمان بچیوں کی رہنمائی فرمایا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اپنے لڑکپن کی ایک ایک بات یاد تھی۔ آپؓ ان کی روایت کرتی تھیں اور ان سے احکام مستنبط کرتی تھیں۔ لڑکپن کے جزئی واقعات کی مصلحتوں کو بتاتی تھیں۔ ہجرت مدینہ کے وقت اگرچہ آپؓ کمسن تھیں مگر اس کمسنی اور کم عمری میں ہوش مندی،

خیال وخرد اور قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام واقعات بلکہ تمام جزئی باتیں آپؓ کو یاد تھیں۔ آپؓ کی انہیں خداداد صلاحیتوں نے آپؓ کو اسلام کی بہترین محدثہ، مبلغہ، عالمہ اور فقیہہ بنا دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو تمام ازواج مطہراتؓ میں یہ شرف حاصل ہے کہ آپؓ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی واحد کنواری بیوی تھیں۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غمگسار شریک حیات سے محروم ہو گئے اور آپؐ کی صاحبزادیاں بھی ماں کی شفقت سے محروم ہو گئیں تو اس عالم میں حضرت عثمان بن مظعون کی اہلیہ محترمہ خولہ بنت حکیمؓ نے ہادی کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت عبداللہ ابوبکرؓ کے گھر جا کر ان کی زوجہ محترمہ حضرت زینب ام رومانؓ سے کہا:

"اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے کس قدر بھلائی اور بہتری کا سامان کیا ہے۔"

حضرت زینب ام رومانؓ نے یہ سن کر پوچھا "وہ کیا؟"

حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے جواب دیا "سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کا رشتہ اپنے لئے طلب کیا ہے"۔

اس وقت حضرت ابوبکرؓ گھر پر موجود نہیں تھے۔ حضرت ام رومانؓ نے کہا۔

"خولہؓ! تھوڑی دیر انتظار کرو۔ ابوبکرؓ آتے ہی ہوں گے"

چنانچہ تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکرؓ آ گئے۔ حضرت خولہ بنت حکیمؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے وہی کچھ کہا جو حضرت ام رومانؓ سے کہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب خولہ بنت حکیمؓ کی زبان سے یہ بات سنی تو انہیں نہایت تعجب ہوا اور انہوں نے حیرانی کے عالم میں سوال کیا۔

"کیا عائشہؓ کا نکاح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ وہ تو میرے بھائی ہیں اور عائشہؓ ان کی بھتیجی ہے۔ کیا چچا بھتیجی سے شادی کر سکتا ہے؟"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے منہ سے یہ بات سن کر حضرت خولہ بنت حکیمؓ رحمۃ للعالمین

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جواب کے بارے میں بتایا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دیا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ابو بکرؓ سے کہو کہ نسبتی بھائی کی بیٹی حرام ہے دینی بھائی کی بیٹی حرام نہیں ہے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ تو میرے دینی بھائی ہیں لہذا عائشہؓ کا نکاح میرے ساتھ ہو سکتا ہے۔"

حضرت خولہ بنت حکیمؓ واپس حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئیں اور انہیں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے مطلع فرمایا۔ یہ جواب سن کر حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔

"خولہؓ! ٹھہرو میں ابھی آ رہا ہوں" یہ کہہ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ باہر تشریف لے گئے اور سیدھے مطعم بن عدی کے گھر گئے جو مکہ کا ایک رئیس اور شریف آدمی تھا۔ اس نے کافر ہوتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف سے واپسی پر مکہ مکرمہ میں اپنے ہاں پناہ دی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس حسن سلوک کو کبھی فراموش نہیں فرمایا۔ اس شریف النفس شخص کے بیٹے جبیر بن مطعم سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے نکاح کا وعدہ کیا ہوا تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسے باعزت اور صاحب کردار کے لیے وعدہ خلافی ایک جرم کے مترادف تھی۔ البتہ مطعم بن عدی ابھی تک کفر کے اندھیرے کی لپیٹ میں تھا۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ دلی طور پر مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر بن مطعم سے حضرت عائشہؓ جیسی منزہ و مطہر بیٹی کا نکاح نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ مطعم بن عدی کے گھر گئے۔ اس وقت مطعم بن عدی اور اس کی بیوی دونوں گھر پر موجود تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مطعم بن عدی سے اس کے بیٹے کے ساتھ حضرت عائشہؓ کے رشتہ کا ذکر چھیڑا اور ان کا آئندہ کا عندیہ لینا چاہا تو مطعم بن عدی خاموش ہو گئے البتہ اس کی بیوی نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا۔

"ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ اگر آپؓ کی لڑکی عائشہؓ ہمارے گھر میں آ گئی تو ہمارا لڑکا بے دین ہو جائے گا اور اسلام قبول کر لے گا۔ اس وجہ سے ہم اس رشتہ کی تکمیل سے ڈر رہے

ہیں۔"

مطعم بن عدی کی بیوی کا یہ جواب سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مطعم بن عدی کو مخاطب کر کے کہا۔ "تمہاری بیوی نے جو کچھ کہا تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟"۔

مطعم بن عدی نے جواب دیا۔

"ابو بکرؓ جو میری بیوی کہہ رہی ہے میرا بھی وہی خیال ہے"

اس طرح مطعم بن عدی اور اس کی بیوی کی طرف سے یہ جواب سننے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو رشتہ کی تکمیل سے انکار کا یقین ہو گیا۔

مطعم بن عدی اور اس کی بیوی کا یہ جواب سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ واپس اپنے گھر تشریف لے آئے جہاں حضرت خولہ بنت حکیمؓ آپؓ کی منتظر تھیں۔ آپؓ نے آتے ہی حضرت خولہ بنت حکیمؓ سے کہا! اے خولہؓ! سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ میں اس رشتہ سے بہت خوش اور از حد راضی ہوں" (بخاری، مسند احمد)

ختم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح نہایت سادگی سے ہوا۔ زر مہر پانچ صد درہم مقرر ہوا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ یہ عقد حکم الٰہی کے ماتحت عمل میں آیا چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ:

"میں تین رات تجھے خواب میں اس طرح دیکھتا رہا کہ جبریل فرشتہ ریشمی کپڑے میں تمہاری تصویر میرے سامنے لاتا اور کہتا کہ یہ آپ ﷺ کی زوجہ ہیں۔ میں تصویر کا پردہ اٹھا کر دیکھتا تو بالکل تمہارا ہی چہرہ ہوتا۔ میں یہ دیکھ کر کہہ دیتا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس کو وہ خود پورا کرے گا۔"

ابن عساکر اور ترمذی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تک مجھ سے نکاح نہیں فرمایا جب تک جبریل میری

تصویر آپ ﷺ کے پاس نہ لائے اور کہا کہ یہ دنیا و آخرت میں آپ ﷺ کی بیوی ہے"۔

امام سہیلی نے لکھا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے گویا بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نکاح کے بارے میں بتایا گیا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح شوال کے مہینے میں ہوا۔ عرب کے جاہل لوگ شوال کے مہینے کو منحوس سمجھتے تھے اور اس میں بیاہ وشادی نہیں کرتے تھے مگر رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیح رسم کو توڑا اور فرمایا کہ اسلام کسی تقریب کے لیے وقت کا پابند نہیں اور بے ہودہ رسم و رواج کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ پس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے ماہ شوال میں نکاح کر کے یہ سبق دیا کہ ہر مسلمان کو جاہلانہ رسوم سے بچنا چاہیے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور امام مسلمؒ نے خود حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ " سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شوال کے مہینہ میں نکاح فرمایا اور شوال ہی میں میری رخصتی ہوئی۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نکاح کے بعد تقریباً تین برس تک اپنے میکے میں رہیں۔ دو برس تین ماہ مکہ مکرمہ میں اور سات آٹھ ماہ مدینہ طیبہ میں۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ کی آب وہوا اکثر مہاجرین کو راس نہ آئی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی علیل ہو گئے۔ وہ تندرست ہوئے تو حضرت عائشہؓ بیمار ہو گئیں۔ جب صحت یاب ہوئیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک روز بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

"یارسول اللہ! آپ ﷺ اپنی اہلیہ کو اپنے گھر لے جایئے"۔

چنانچہ انصار کی عورتیں دلہن لانے کے لیے دار ابو بکرؓ پر گئیں۔ اور یوں حضرت عائشہؓ کی رخصتی کا عمل شروع ہوا۔ تھوڑی دیر بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور رخصتی ہوئی۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، نسائی)

اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ضیافت کے لیے دودھ کے ایک پیالہ کے سوا کچھ نہیں تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تھوڑا سا دودھ پی کر پیالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف بڑھایا۔ چنانچہ انہوں نے انتہائی شرم وحیا کے ساتھ پیالہ پکڑ کر دودھ پیا۔
(مسند احمد، مسند حمیدی، مجمع الزوائد)

اس سادگی کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی ہوئی جس میں کسی شان وشوکت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اپنا بیان صحیح بخاری اور مسند احمد میں نقل ہے کہ
"اللہ کی قسم! میری رخصتی میں نہ کوئی اونٹ ذبح کیا گیا اور نہ کوئی بکری" تحقیق کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی شوال 1 ہجری میں ہوئی۔

سردار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لیے مسجد نبوی ﷺ کے ساتھ ہی علیحدہ حجرہ بنوایا تھا اور وہ رخصتی کے بعد اسی حجرے میں تشریف لے آئیں۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ پہلے ہی الگ حجرے میں رہتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ کا دروازہ مسجد نبوی ﷺ کی طرف کھلتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے گھر میں آتے ہی حالات کا جائزہ لیا۔ اگرچہ آپؓ کمسن تھیں مگر آپؓ نے اپنی ان ذمہ داریوں کو حسن عمل اور بہترین معاملہ فہمی کے ذریعے نبھایا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو رخصتی کے بعد جس حجرے میں لایا گیا اس کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی بنی ہوئی تھیں اور چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنائی گئی تھی۔ بارش سے محفوظ رکھنے کے لیے اوپر کمبل ڈال دیا گیا تھا۔ بلند اتنا کہ کوئی کھڑا ہو کر ہاتھ اونچا کرے تو چھت کو لگ جائے۔ دروازہ صرف ایک کواڑ تھا۔ پردے کے لیے ایک کمبل لٹکا دیا گیا تھا۔ ایک چٹائی، ایک بستر، ایک چھال بھرا تکیہ، کھجوروں کا برتن، پانی کا ایک مشکیزہ اور ایک پیالہ تھا۔ یہ گھر اگرچہ روحانی دولت سے مالا مال تھا لیکن دنیاوی مال ومتاع سے اکثر خالی رہتا۔

دراصل مالی وسائل کی کمی خود ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دلی طور پر مرغوب تھی اور آپ ﷺ کے لبوں پر اکثر و بیشتر یہ دعا بھی ہوتی تھی:

"الٰہی! مجھے مسکین زندہ رکھ اور حالت مسکینی ہی میں اپنے پاس بلا لینا اور مسکینوں کے ساتھ ہی قیامت کو اٹھانا"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اگرچہ ناز و نعم اور دولت و ثروت کے ماحول میں آنکھ کھولی تھی مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آنے کے بعد آپؓ نے اپنے آپ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے رنگ میں مکمل طور پر ڈھال لیا اور تمام زندگی مسکینی کی حالت میں گزار دی۔ آسودگی کے ایام میں بے شمار مال آیا لیکن شام سے پہلے فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دیا جاتا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سیرت کا ایک تابناک پہلو آپؓ کی طبعی فیاضی اور کشادہ دستی تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کاشانہ نبوت میں آئیں تو وہاں یہ حال تھا کہ دو دو ماہ تک چولہا نہ جلتا تھا اور زندگی فقر و فاقہ میں بسر ہوتی تھی۔ کبھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی کچھ کھجوریں بھیج دیتے کبھی کہیں سے تھوڑا سا دودھ آ جاتا تو انہیں چیزوں سے گزر ہو جاتی۔ تاہم آپؓ نے اپنی خداداد قابلیت اور فطری ذہانت سے گھر کو اس طور چلایا کہ ہمیشہ آپؓ کی تعریف ہی کی جاتی۔ آپؓ کھانا پکانے کے علاوہ کپڑے خود دھوتیں۔ گھر کو صاف ستھرا رکھتیں۔ اس میں جھاڑو دیتیں۔ کبھی مرمت اور لپائی کی ضرورت پڑتی تو اپنے ہاتھ سے کرتیں۔ آپؓ کپڑوں کو رفو کرنا، پیوند لگانا اور سینا خوب جانتی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوشاک مبارک میں پیوند لگانے اور اسے رفو کرنے کی ذمہ داری عام طور پر آپؓ ہی کے سپرد تھی۔

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ ایک صحابیؓ نے دیکھا تو عرض کی۔ "یا رسول اللہ! کمبل پر داغ دھبے دکھائی دیتے ہیں۔"

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً کمبل اتار کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس

بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ وہ اسے دھو کر اور سکھا کر بھجوا دیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اسے دھویا، دھوپ میں سکھایا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیج دیا۔

کوئی مہمان آ جاتا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ فوراً کھانا تیار کرنے لگ جاتیں۔ ایک دفعہ بہت سے مہمان مسجد میں آ کر ٹھہر گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سنا تو جلدی سے سامان خوراک اکٹھا کیا اور کھانا پکا کر مہمانوں کو بھیج دیا۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مہمانوں سے کھانے کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کھانا بھیج دیا تھا جس سے ہم شکم سیر ہو گئے۔

دراصل یہ رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور تعلیم و تربیت کی برکت تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کسی کام کو عار نہیں سمجھتی تھیں۔ بے شک حضرت عائشہ صدیقہؓ کمسن تھیں لیکن انہوں نے سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا سلیقہ بدرجہ اتم پایا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فقید المثال صلاحیتوں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اپنا گرویدہ اور فریفتہ بنا لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے شوہر نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جان چھڑکنے لگیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے بغیر ان کو کھانا پینا نہیں سوجھتا تھا۔ آپؓ کھانا تیار کرتیں اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لانے میں دیر ہو جاتی تو انتظار میں بیٹھی رہتیں۔ پہروں بھوک برداشت کرتیں جب آنحضورﷺ آتے تب کھاتیں۔

ایک دفعہ کسی نے کھانے کی کوئی چیز تحفتاً کاشانہ نبوتﷺ میں بھیجی۔ اس وقت سرور کائناتﷺ مدینہ سے کہیں باہر تشریف لے گئے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے وہ چیز محفوظ رکھی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے وہ تحفہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

"عائشہؓ! تم نے بھی کچھ کھایا؟"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جواب دیا "نہیں حضرتﷺ! تین روز سے کوئی چیز

کھانے کو نہیں ملی"

آپ ﷺ نے فرمایا "تم نے جو کچھ سامنے رکھا ہے، یہی کھا لینا تھا۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! میں آپ ﷺ کے بغیر کیسے کھا سکتی تھی!!!"

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو آنحضور ﷺ سے بے پناہ محبت تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرتے تو دھونے کے لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دے دیتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کہیں سے عمدہ خوشبو دستیاب ہوتی تو اسے خود استعمال کرنے کی بجائے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں، سر اور داڑھی مبارک میں لگا دیتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کی محبت والفت کا عالم دیدنی تھا۔ آپؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ جاتیں اور ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں مانگ نکالتیں۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی والہانہ محبت و عقیدت کا نتیجہ تھا کہ آپ ہر بات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتیں اور ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں مصروف رہنا سعادت دارین سمجھتیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جو حکم دیتے آپؓ فوراً اس کی تکمیل کے لیے تیار ہو جاتیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت و عقیدت تھی وہ محض رسمی اور دنیاوی نہیں تھی بلکہ دینی اور روحانی تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند ترین مقام کو بچپن ہی میں پہچان لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دین و دنیا کے تمام رموز ہادی کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سیکھے تھے۔ اس حیثیت سے آپؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلمیذہ تھیں۔

اسی محبت والفت کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جنت میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ ایک روز آنحضور ﷺ سے عرض کی۔

"یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ رب رحمٰن و رحیم بہشت میں بھی مجھے آپ ﷺ کی

زوجہ بنائے"۔

آنحضور ﷺ نے جواب دیا۔ "اگر تم جنت میں میری زوجیت میں آنے کی طلبگار ہو تو بے حد و حساب توکل اور زہد اختیار کرو۔ زائد خوراک کو خیرات کر دیا کرو اور کل کے لیے سامان غذا جمع نہ کرو"۔

صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ تھی بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بہت چاہتے تھے۔ اور یہ تمام تر محبت ان کے حسن و جمال، نوعمری یا ظاہری وصورتی خوبصورتی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے حسن کردار، نیک ترین خصائل اور افکار نبوت ﷺ کی امین ہونے کی وجہ سے تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کوئی کام کرنے لگتیں تو آنحضور ﷺ بھی ان کے ہمراہ کام میں مشغول ہو جاتے اور ان کی مدد فرماتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک روز کپڑے سی رہی تھیں کہ سوئی زمین پر گر گئی اور تلاش کرنے پر بھی انہیں نہ مل سکی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے سوئی ڈھونڈنے میں مدد فرمائی اور بالآخر وہ مل گئی۔

رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نہ صرف دنیاوی کاموں میں مدد فرماتے تھے بلکہ دینی کاموں کی تعلیم بھی لمحہ دیتے رہتے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی بے دھڑک آپ ﷺ سے ہر اس مسئلے کا حل اور جواب پوچھ لیتی تھیں جو آپؓ کے لیے تشریح طلب ہوتا تھا۔ علوم دینیہ کی تعلیم کا کوئی وقت مخصوص نہ تھا۔ معلم شریعت خود گھر میں تھا اور شب و روز اس کی رفاقت میسر تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدریسی مجالس روزانہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھیں جو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بالکل ملحق تھی۔ اس بناء پر حضرت عائشہ صدیقہؓ اس درس میں بھی شریک رہتی تھیں جو آپ ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں دیتے تھے۔ (بخاری)
اگر کبھی کوئی بات جواب طلب ہوتی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب زنان خانہ میں تشریف لاتے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ دوبارہ پوچھ کر تسلی کر لیتیں یا کبھی اٹھ کر مسجد کے قریب چلی جاتیں۔

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے عورتوں کی درخواست پر ہفتہ میں ایک دن ان کی تعلیم و تلقین کے لیے مقرر فرمادیا تھا اور یوں شب و روز علوم اور معارف کے بیسیوں مسئلے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو سننے کو ملتے تھے اس کے باوجود آپؓ نئے نئے مسائل سوچ کر ان کے جوابات معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرتی تھیں اور جب تک تشفی نہ ہوتی صبر نہ کرتیں۔ (صحیح بخاری ، کتاب العلم)

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک دن معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "یارسول اللہ! کیا جہاد بھی عورتوں پر واجب ہے کیونکہ دیگر فرائض اور احکامات اسلام کے حوالے سے تو عورت اور مرد میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا؟"

رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ "عورتوں کے لیے حج ہی جہاد ہے"۔ (صحیح بخاری باب حج النساء)

اسی طرح ایک دن حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی یارسول اللہ! نکاح میں رضا مندی شرط ہے لیکن اکثر کنواری لڑکیاں شرم کی وجہ سے خاموش رہتی ہیں اور اپنی زبان سے بول کر رضا مندی کا اظہار نہیں کرتیں۔ کیا اس طرح نکاح ہو جاتا ہے؟"

مدرس کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لڑکیوں کی خاموشی ہی ان کی رضا مندی ہے۔" (صحیح بخاری باب النکاح)

ایک بار حضرت عائشہ صدیقہؓ نے محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "یارسول اللہ! کیا قیامت کے روز ایک دوسرے کو کوئی یاد بھی کرے گا؟"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "تین موقعہ پر ایسا ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے کو یاد کریں گے۔ ایک اس وقت جب اعمال تولے جارہے ہوں گے۔ دوسرے جب اعمال نامے تقسیم ہو رہے ہوں گے تیسرے جب جہنم گرج گرج کر اپنے آدمیوں کو پکار رہی ہوگی"۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے شوہر نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ سے دریافت کیا۔ " کیا قیامت کے روز کفار اور مشرکین کو بھی ان کی رحم دلی، نیک مزاجی اور بندہ نوازی کے باعث ثواب ملے گا؟"

آپ ﷺ نے فرمایا "جب تک وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے اور اپنی خطاؤں کی رب رحمٰن ورحیم سے معافی طلب نہیں کریں گے انہیں ثواب نہیں مل سکتا۔"

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سرور کائنات ﷺ سے دریافت کیا "یا رسول اللہ ﷺ! اسلام میں ہمسایوں کے بہت حقوق ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتائیے کہ دو ہمسائے ہوں اور کسی وجہ سے ترجیح دینا پڑے تو کس کو ترجیح دی جائے؟"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس ہمسائے کو ترجیح دی جائے جس کا دروازہ تمہارے گھر سے زیادہ قریب ہو"۔

ایک دفعہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی جو اپنے خاندان میں برا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ملاقات کا شرف عطا فرمایا اور نہایت توجہ، خندہ پیشانی اور محبت و شفقت سے اس سے گفتگو فرمائی۔ جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حیرانی کے عالم میں پوچھا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ تو اس شخص کو اچھا نہیں سمجھتے تھے لیکن آپ ﷺ نے اس سے انتہائی لطف وکرم کے ساتھ گفتگو فرمائی"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے عائشہؓ! بدترین آدمی وہ ہے جس کی بد اخلاقی سے ڈر کر لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں"۔

مختلف اوقات میں مختلف قسم کے سوالات حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سردار الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے اور ان کے تسلی بخش اور معلومات افزا جوابات پائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے جوابات رہتی دنیا تک عاشقان رسول ﷺ اور فدایان اسلام کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اگر حضرت عائشہ صدیقہؓ قدم قدم پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی اور مشاورت نہ فرماتیں تو دین اسلام کے بے شمار گوشے تشنہ رہ جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سوالات کر کے دنیائے اسلام پر احسان کیا ہے کیونکہ جوابات دینے والی وہ ہستی تھی جو رہبر کائنات بھی ہے اور معلم و مدرس کائنات بھی۔ دراصل قدرت نے اور کئی طریقوں کے ساتھ ساتھ دین اسلام کے مختلف پہلوؤں کی تشریح و توضیح کے لیے ایک ذریعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سوالات کا بھی اختیار کیا تا کہ مسلمانان عالم کسی بھی مسئلہ پر اپنے آپ کو تشنہ محسوس نہ کریں۔ بقول شاعر

شریعت کے جو تھے راز نہاں پردہ میں پوشیدہ
تو ان کے منکشف کرنے کو یہ پردہ نشیں آئیں

اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جب حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مواقع پر سوالات کر کے رہنمائی حاصل کی۔ اس سوال و جواب کے ساتھ ساتھ آنحضور ﷺ خود بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک ایک بات پر توجہ فرماتے اور ہدایت و تعلیم حسب موقع فرماتے رہتے۔ ایک دفعہ چند یہودی سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کو تلفظ بگاڑ کر سلام کیا جس سے سلام کا مفہوم سلامتی کی بجائے موت ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ی سب حرکت سن رہی تھیں۔ فرط عقیدت و محبت میں آپؓ ضبط نہ کر سکیں اور یہودیوں کو ویسا ہی جواب دیا۔ آپ ﷺ نے یہ دیکھا تو فرمایا۔

" اے عائشہ صدیقہؓ! نرمی سے کام لینا چاہیے کیونکہ رب ذوالجلال نرمی کو زیادہ پسند کرتا ہے۔"

اسی طرح آپ ﷺ وقتاً فوقتاً حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حسن معاشرت کی حسین ترین باتیں بتاتے رہتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ فرمایا "اے عائشہؓ! معمولی گناہوں سے بھی بچا کرو۔ اللہ کے ہاں ان کی بھی پرسش ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر گن گن کر نہ دیا کرو ورنہ رب رحمٰن و

رحیم بھی تمہیں گن گن کر دے گا۔"

ایک دوسرے موقع پر فرمایا "اے عائشہؓ! چھوہارے کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو وہی سائل کو دے دو اور جہنم کی آگ سے بچو"۔ ان خوبصورت باتوں اور نصیحتوں کو حضرت عائشہ صدیقہؓ انتہائی غور سے سنتی تھیں۔ جو امور سیکھنے والے ہوتے تھے وہ آپؓ اپنے شوہر نامدار سرور کائنات ﷺ سے بصد شوق و رغبت سیکھتی تھیں۔ مثلاً نماز، دعا اور عبادت کے بارے میں اکثر باتیں آپؓ رہبر کائنات ﷺ سے سیکھتی رہتی تھیں اور پھر انتہائی خشوع و خضوع، صداقت دل اور خلوص نیت کے ساتھ ان پر عمل کرتی تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ لمحہ لمحہ سامان آخرت کی فکر میں رہتی تھیں، انہیں دنیا سے مطلقاً رغبت نہیں تھی۔ حضرت عروہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک ہی مجلس میں ستر ہزار درہم اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیئے اور اپنا وہ کپڑا سب کے سامنے جھاڑ دیا جس میں درہم بندھے ہوئے تھے۔ اسی طرح ایک دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کا روزہ تھا۔ ایک مانگنے والی نے کھانے کے لیے کچھ مانگا۔ آپؓ نے خادمہ کو حکم دیا کہ گھر میں جتنی روٹی پڑی ہے وہ اس کو دے دو۔ خادمہ نے عرض کی "شام کی افطاری کے لیے اس کے سوا گھر میں کچھ بھی نہیں"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا "تم اس چیز کی پروا نہ کرو۔ جو کچھ پڑا ہے اس عورت کو دے دو۔ شام آئی تو دیکھا جائے گا"۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ شام ہونے سے پہلے کسی نے پکا ہوا گوشت بطور تحفہ بھیجا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خادمہ سے فرمایا "دیکھا یہ تمہاری روٹی سے بہتر رب العالمین نے انتظام کر دیا ہے۔

ایک دفعہ حضرت امیر معاویہؓ نے شام سے ایک لاکھ درہم حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بھیجے۔ آپؓ نے فوراً کوئی وقت ضائع کیے بغیر تمام کے تمام اللہ کی راہ میں خرچ کر دیئے۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک لاکھ درہم حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بھیجے۔ آپؓ نے وہ بھی اللہ کی راہ میں تقسیم فرما دیئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنا

ایک رہائشی مکان بھی حضرت امیر معاویہؓ کو فروخت کر دیا۔ اس کی جو قیمت ملی تمام کی تمام اللہ کی راہ میں خرچ کر دی۔ الغرض سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے دوران اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس جو کچھ بھی آتا تھا وہ رب کریم وعظیم کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں۔ حتی کہ روزہ والے دن شام کی افطاری کے لیے بھی کچھ نہ رکھتی تھیں۔ توکل علی اللہ اور قناعت کا ایسا جیتا جاگتا نمونہ تھیں کہ جس کی مثالیں اقوام عالم کی خواتین میں ڈھونڈے سے نہیں ملیں گی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت میں تمام ازواج مطہراتؓ کو بدستور خیبر کی پیداوار سے مقررہ غلہ ملتا رہا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں سب ازواج مطہراتؓ کے نقد وظائف مقرر فرما دیئے۔ دیگر ازواجؓ کو دس ہزار درہم سالانہ جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بارہ ہزار ملتا تھا (مستدرک حاکم) مگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فیاضی اور خدا ترسی کا یہ عالم تھا کہ جس دن بیت المال سے وظیفہ آتا، شام ہونے سے پہلے پہلے آپؓ غرباء و مساکین میں تقسیم فرما دیتیں اور شام کو گھر میں فاقہ ہوتا۔ (بخاری)

آنحضور ﷺ نے اپنی زندگی میں فتح خیبر کے بعد ازواج مطہراتؓ کے سالانہ مصارف کے لیے وضائف مقرر فرما دیئے تھے۔ اسی (80) وسق چھوہارے اور بیس (20) وثق جو، مگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فیاضی اور جود وسخا کی وجہ سے سال بھر کے لیے یہ سامان کبھی کافی نہ ہوا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وصال فرمایا تو سارا عرب مسخر ہو چکا تھا۔ تمام صوبوں سے دولت کے انبار بیت المال میں چلے آ رہے تھے مگر صورتحال یہ تھی کہ جس روز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اس روز حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں ایک دن کے گزارے کا بھی سامان نہیں تھا۔ (ترمذی)

غرباء و مساکین کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ اپنے دل میں اتنا نرم گوشہ رکھتی تھیں کہ ان کی حالت دیکھ کر آپؓ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک مانگنے

والی عورت آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے اپنی گود میں دو ننھے منے بچے اٹھائے ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس کھجور کے صرف تین دانے تھے۔ آپ ﷺ نے وہ تینوں اس عورت کو دے دیئے۔ اس عورت نے ایک ایک دانہ اپنے دونوں بچوں کو دے دیا اور ایک دانہ اپنے منہ میں ڈالا ہی تھا کہ ایک بچے نے اپنے حصے کا دانہ جلدی سے کھا کر حسرت بھری نگاہوں سے اپنی ماں کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ ماں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس نے اپنے منہ سے کھجور کا دانہ نکالا۔ اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور دونوں بچوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا۔ ماں کی محبت اور غربت کا یہ دل سوز منظر دیکھ کر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فیاضی، دریا دلی اور غریب پروری میں معلم کائنات ﷺ کی تربیت کا عکس جھلکتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرہ نبوت ﷺ کا خلوت کدہ تھا۔ دولت سے اس گھر کو کوئی سروکار نہ تھا کیونکہ ختم المرسلین ﷺ اسے پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ ہادی کون ومکاں ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو اکثر اونچی آواز میں فرماتے۔

"آدم کے بیٹے کی ملکیت میں اگر مال ودولت سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوں پھر بھی تیسری کی ہوس کرے گا۔ اس کے حرص کے منہ کو صرف قبر کی مٹی بھر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے مال تو اپنی یاد دلانے اور مسکینوں کی مدد کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو خدا کی طرف لوٹے تو اللہ بھی اس کی طرف لوٹے گا"۔ (مسند احمد)

ایک دفعہ ایک صحابی رسولؐ کو ولیمہ کی دعوت کرنا تھا لیکن اس کے گھر میں ولیمہ کی دعوت کے لیے کوئی سامان نہیں تھا۔ سرور کائنات ﷺ کو جب اس صحابی کی غربت اور تنگدستی کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا "جاؤ عائشہؓ سے جا کر کہو کہ غلہ کی ٹوکری بھیج دے۔" حضرت عائشہ صدیقہؓ فیاض ہونے کے ساتھ ساتھ شوہر نامدار ﷺ کی خوشی اور حکم کو اپنے لیے باعث فخر اور وجہ اعزاز سمجھتی تھیں اس لیے آپؓ نے فوراً پوری ٹوکری غلہ کی اٹھوا دی اور گھر میں شام کے کھانے کے

لیے کچھ نہ رہا۔ (مسند احمد)

سردار دو جہاں ﷺ کی حکم برداری اور خوشنودی ہی تھی کہ آپؓ لحظہ لحظہ رہبر کائنات ﷺ کی ہر بات اور ہر فعل کو یاد رکھتی تھیں اور اس پر سختی سے عمل کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرفہ کے دن روزہ رکھا۔ اس روز اس شدت کی گرمی تھی کہ لوگ سروں پر پانی ڈال رہے تھے تاکہ گرمی کی حدت کم ہو۔ کسی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کہا کہ ہم بغیر روزہ کے اس قدر بے حال ہوئے جا رہے ہیں اور آپؓ ہیں کہ روزہ رکھا ہوا ہے۔ بہتر ہوگا کہ اس سخت گرمی میں روزہ توڑ دیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا:

"جب میں معلم کائنات ﷺ سے سن چکی ہوں کہ عرفہ کے دن (9 ذوالحجہ) روزہ رکھنے سے سال بھر کے گناہ معاف ہوتے ہیں تو پھر میں روزہ کیسے توڑ سکتی ہوں؟" (مسند احمد) اسی طرح آپؓ نے رسول مکرم ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا تو آپؓ برابر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں۔

سرور کائنات ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ پچھلے پہر رات کو بیدار ہوتے اور تہجد کی نماز ادا فرماتے۔ آنحضور ﷺ کی باری جس دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر ہوتی تو آپؓ بھی آنحضور ﷺ کے ساتھ نماز تہجد پڑھتیں۔ کبھی رات بھر سرور کائنات ﷺ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ دونوں عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ محبوب رب العالمین ﷺ امام ہوتے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ مقتدی ہوتیں۔ امام کائنات ﷺ سورۃ بقرہ، آل عمران اور نساء جیسی لمبی لمبی سورتیں تلاوت فرماتے اور یہ روح پرور منظر تمام رات قائم رہتا۔ غیر معمولی اوقات مثلاً کسوف (سورج گرہن) وغیرہ کی حالت میں جب آپ آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو حضرت عائشہ صدیقہ بھی ساتھ کھڑی ہو جاتیں۔ سردار الانبیا ﷺ مسجد میں جماعت کی امامت کراتے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے حجرے میں اقتدا کر لیتیں اور جماعت کے ساتھ ہی نماز پڑھتیں۔

نماز پنجگانہ، تہجد اور چاشت کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ اکثر روزے رکھا

کرتیں۔ کبھی آپؓ اور رسول پاک ﷺ دونوں مل کر ایک ساتھ روزے رکھتے۔ آپؓ فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے بہت کثرت سے رکھتیں۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ کبھی حضرت عائشہ صدیقہ بھی اس عبادت میں شریک ہو جایا کرتی تھیں۔ آپؓ مسجد کے صحن میں خیمہ نصب کرالیتیں اور وہاں ہمہ وقت رب رحمٰن ورحیم کی عبادت میں مصروف رہتیں۔ صبح کی نماز پڑھ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھوڑی دیر کے لیے وہاں آپؓ کے خیمہ میں آجاتے۔ (مسند احمد)

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حج کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے وصال کے بعد کئی حج کیے۔ آپؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج (حجۃ الوداع) میں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ صحیح بخاری اور موطا امام مالک میں ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں آپؓ حج ادا نہ کرتی ہوں۔ پہلے آپؓ کا معمول یہ تھا کہ حج کے بعد ذی الحجہ ہی میں عمرہ ادا فرماتی تھیں۔ بعد میں آپؓ نے اس میں ترمیم کی اور محرم سے پہلے ہی جحفہ جا کر ٹھہر جاتی تھیں یوں محرم کا چاند دیکھ کر عمرہ کی نیت فرماتیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو غلاموں کی آزادی کا بہت شوق تھا۔ آپؓ نے ایک دفعہ چالیس غلام آزاد کیے۔ آپؓ کے کل آزاد کردہ غلاموں کی تعداد 67 ہے۔ (شرح بلوغ المرام) مدینہ منورہ میں بریرہ نامی ایک کنیز تھی۔ اس کے مالکان نے اس سے مقررہ رقم کی ادائیگی کے عوض آزادی کا وعدہ کیا تو اس نے رقم کی فراہمی کے لیے لوگوں سے چندہ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علم میں یہ بات آئی تو آپؓ نے یک مشت پوری رقم اپنی طرف سے مالکان کو ادا کر کے اس کنیز کو آزاد کرا لیا۔

پردہ کے معاملہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ انتہائی سنجیدہ تھیں اور جب سے آیت حجاب نازل ہوئی آپؓ پردہ کی سختی سے پابندی کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حج کے موقع پر چند بیبیوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کی۔ "ام المومنینؓ! آیئے حجر اسود کو بوسہ دینے چلیں"۔

آپؓ نے فرمایا "میں مردوں کے ہجوم میں حجر اسود کے قریب نہیں جا سکتی" (بخاری)

کبھی آپؓ دن کو طواف کا ارادہ کرتیں تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کروا لیا جاتا اور آپؓ خانہ کعبہ کا طواف پھر بھی چہرہ نقاب ڈال کر فرماتیں (مسند احمد)

حضرت اسحاق تابعی نابینا تھے۔ وہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس سے پردہ فرمایا۔ اور پردہ کے پیچھے سے ان سے گفتگو فرمائی۔ انہوں نے عرض کی "اے ام المومنینؓ! آپؓ کا مجھ سے کیا پردہ! میں تو نابینا ہوں"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا "اگرچہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن میں تو تمہیں دیکھ سکتی ہوں"۔ (ابن سعد) حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پردہ کا یہ عالم تھا کہ جب آپؓ کے حجرہ میں حضرت عمر فاروقؓ دفن ہوئے تو آپؓ وہاں بغیر پردہ کے نہیں جاتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کاشانہ نبوت ﷺ میں بطور زوجہ مطہرہ قریباً دس برس گزارے اور کم وبیش نصف قرآن اس عرصہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپؓ کے وہاں رہتے ہوئے نازل ہوا۔ جو حصہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حریم نبوت ﷺ میں داخل ہونے سے پہلے اتر چکا تھا اس سے بھی آپؓ بخوبی باخبر تھیں۔ مزید یہ کہ رب کائنات نے آپؓ کو ایسے اسباب اور مواقع عطا فرمائے کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے آپؓ قرآن پاک کی ایک ایک آیت کی طرز قرأت، موقع استدلال اور طریقہ استنباط پر کامل عبور رکھتی تھیں۔ آپؓ ہر مسئلہ کے حل کے لیے اکثر قرآن پاک سے رجوع فرماتیں۔ ایک دفعہ چند حضرات آپؓ کے پاس آئے اور عرض کی۔

"ام المومنینؓ! آپؓ رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اخلاق بیان فرمائیں"

آپؓ نے فرمایا "کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ امام کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق سرتاپا قرآن تھا"۔

انہوں نے پھر دریافت فرمایا "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی عبادت کا کیا

طریقہ تھا؟

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جواب دیا۔ ''کیا آپ لوگوں نے سورۃ مزمل نہیں پڑھی؟'' (ابوداؤد، مسند احمد)

قرآن کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حدیث پر بھی عبور حاصل تھا۔ حدیث کا منبع و مآخذ چونکہ ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اسی ذات سے سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ آپؓ نے محبوب خدا ﷺ کو جلوت و خلوت میں دیکھا تھا۔ آپ ﷺ کی ایک ایک ادا اور قول و فعل کا بنظر غائر مشاہدہ و مطالعہ کیا تھا۔ اس لیے آپؓ سے بہتر مصدقہ روایت حدیث اور کس کی ہو سکتی ہے۔ آپؓ کو خداداد قوت حافظہ اور فطری ذہانت و فطانت بھی حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے 2210 احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ یہ فضیلت کسی بھی ام المومنینؓ کو حاصل نہیں حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک پردہ نشین خاتون اور ام المومنینؓ ہونے کے باعث مرد معاصرین صحابہ کرامؓ کی طرح ہر مجلس میں نہ جا سکتی تھیں جس میں رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود آپؓ سے مروی احادیث کا ہزاروں کی تعداد میں ہونا اس امر کی شہادت ہے کہ آپؓ نے اپنے شوہر نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ جو آپؓ کی نظر سے گزرا اسے ذہن میں بحسن و خوبی محفوظ کر لیا۔

اکثر روایات احادیث صحابہ کرامؓ نے صرف بیان کرنے کی حد تک رکھی ہیں مگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہ شرف حاصل تھا کہ آپؓ نے جن احکام اور واقعات کو روایت کیا ہے ان میں سے اکثر کے اسباب و علل بھی بیان کیے ہیں اور وہ خاص حکم کن مصلحتوں کی بنا پر صادر کیا گیا اس کی تشریح بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتیں، گویا آپؓ کے ذہن میں احادیث کا مکمل سیاق و سباق اور حوالہ موجود ہوتا تھا۔ بعض اوقات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو احکامات دیتے تھے ان کی مصلحتیں خود بتا دیتے تھے اور کبھی حضرت عائشہ صدیقہؓ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے خود پو

چھ لیتی تھیں۔ اس ضمن میں آپ کوئی خوف یا ڈر محسوس نہیں کرتی تھیں بلکہ سوال کر کے اور تسلی بخش جواب پا کر مطمئن ہو جایا کرتی تھیں۔ بے شمار ایسے واقعات ہیں جن کے اسباب اور مصلحتوں کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے مثلاً جمعہ کے روز غسل کرنا واجب ہے لیکن اس کے سبب کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ:

" لوگ اپنے گھروں سے اور مدینہ کی باہر کی آبادی سے جمعہ کی نماز میں آ کر شامل ہوتے تھے۔ وہ گرد و غبار اور پسینے سے بھرے ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ ﷺ اس وقت میرے ہاں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ تم آج جمعہ کی نماز کے لیے نہا لیتے تو اچھا ہوتا" (بخاری کتاب الغسل)

اسی طرح عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ چار رکعت والی نمازیں سفر کی حالت میں سہولت کی خاطر دو رکعت میں بدل دی گئی ہیں جبکہ اس بارے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ " مکہ میں دو دو رکعت نماز فرض تھی۔ جب سردار دو جہاں ﷺ نے ہجرت فرمائی تو چار رکعت فرض کی گئیں اور سفر کی نماز اپنی حالت پر چھوڑ دی گئی اور وہ دو رکعت ہی رہیں"۔ (بخاری باب الہجرۃ)

ہجرت کے بعد نمازوں میں جب دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں ہو گئیں تو پھر مغرب میں تین رکعتیں کیوں ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس ضمن میں فرماتی ہیں کہ "مغرب کی رکعتوں میں اضافہ اس لیے نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی نماز وتر ہے"۔ (مسند احمد بن حنبلؒ)

صبح کی نماز میں دو رکعتیں کیوں برقرار ہیں۔ وہ چار کیوں نہ ہوئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے:

" نماز فجر میں رکعتوں کا اضافہ اس لیے نہ ہوا کیونکہ صبح کی دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں" (مسند احمد)

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی عبادت، نماز، نوافل کے بارے حضرت عائشہ

صدیقہؓ سے زیادہ کوئی واقف نہ تھا۔ آپؓ نماز تراویح کے بارے میں فرماتی ہیں۔

"ماہ رمضان میں ایک روز سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح پڑھی۔ آپ ﷺ کو نماز میں مشغول دیکھ کر کچھ صحابہ کرامؓ بھی شریک ہو گئے۔ دوسرے روز پہلے سے زیادہ اجتماع ہو گیا۔ تیسرے روز اس سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے جبکہ چوتھے روز اتنا مجمع ہوا کہ مسجد نمازیوں سے بھر گئی اور تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ لیکن اس روز رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف نہ لے گئے البتہ صبح کو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

" گزشتہ رات کو تمہاری حالت مجھ سے مخفی نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تمہارے شوق کی وجہ سے تراویح کی نماز فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو" (بخاری باب قیام رمضان) لیکن سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب کہ فرضیت کا گمان جاتا رہا تو صحابہ کرامؓ نماز تراویح کو رغبت کے ساتھ ادا کرتے رہے۔

حجۃ الوداع میں شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ سنت بالالتزام ہے جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اس ضمن میں فرمان ہے "سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے لیے سواری اس لیے استعمال کی تھی کہ لوگوں کا ایک جم غفیر تھا اور اس بے انتہا بھیڑ میں ہر شخص کی یہ کوشش تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ جائے۔ اس ہجوم میں آپ ﷺ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ لوگوں کو زبردستی ہٹایا جائے لہذا آپ ﷺ نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا تاکہ ہر شخص کی نگاہ آپ ﷺ پر پڑ سکے اور کوئی اس سعادت سے محروم نہ رہے" (مسلم کتاب الحج، ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہؓ نہ صرف قرآن وحدیث میں مہارت رکھتی تھیں بلکہ آپؓ کو تاریخ، ادب، خطابت اور شاعری میں بھی خاص ملکہ حاصل تھا۔ علم طب میں بھی انہیں اچھی خاصی واقفیت حاصل تھی۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی میں ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ:

"میں نے قرآن، فرائض، فقہ، شاعری، عرب کی تاریخ اور علم الانساب میں حضرت

عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ عالم اور واقف کسی کو نہیں دیکھا۔" حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھانجے عروہ بن زبیرؓ کا اسی قسم کا فرمان زرقانی نے بھی نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک شخص نے پوچھا "آپؓ شاعری کرتی ہیں اس لیے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیٹی ہیں۔ اسی طرح عرب کی تاریخ اور علم الانساب میں بھی آپؓ کے والد ماجد خاصی مہارت رکھتے تھے۔ ان علوم کی آشنائی آپؓ کی وراثت ہے مگر آپؓ کو علم طب سے کیسے واقفیت ہوئی"؟

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا "آنحضور ﷺ آخری عمر میں بیمار رہا کرتے تھے۔ عرب کے طبیب آکر جو آپ ﷺ کو بتاتے وہ میں یاد کر لیتی تھی"۔ (مستدرک حاکم، مسند احمد)

صحیح ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے۔۔۔

"ہم اصحاب محمد ﷺ کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی کہ جس کو ہم نے حضرت عائشہ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں"۔

امام زہری جو تابعین کے پیشوا تھے اور جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ کرامؓ سے تربیت پائی تھی کہتے ہیں۔ "حضرت عائشہ صدیقہؓ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے صحابہؓ اُن سے پوچھا کرتے تھے"۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے صاحبزادے حضرت ابو سلمہؒ ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ آپؒ کا فرمان ہے کہ:

"میں نے سرور کائنات ﷺ کی سنتوں کا جاننے والا اور رائے میں اگر اس کی ضرورت پڑے، ان سے زیادہ فقہ اور آیتوں کے شان نزول اور فرائض کے مسائل کا واقف کار حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔"

قرآن پاک کی سورۃ الاحزاب میں امہات المومنینؓ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم

ہے۔" تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیتیں اور حکمت کی جو باتیں پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں ان کو یاد کیا کرو"

حضرت عائشہؓ نے رب کریم کے اس حکم پر حرف بہ حرف عمل کیا اور آنحضور ﷺ کی حیات مبارکہ کے لمحہ لمحہ کو اپنے دل و دماغ میں نقش کر لیا اور پھر ان نقوش کو تشنگان علم تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ قرآن پاک کے حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تفسیری روایتیں تاریخ اسلام اور تفہیم دین کا ایک بے بہا سرمایہ ہیں۔ آپؓ نے مختلف اوقات میں لوگوں کے سوالات کے جوابات دے کر نہ صرف ابہام کو دور فرمایا بلکہ غور و فکر کی روشن تر راہیں بھی متعین فرما دیں۔ مثلاً

اعمال حج میں کوہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے۔ قرآن مجید میں رب کائنات کا ارشاد پاک ہے "صفا اور مروہ کی پہاڑیاں شعائر الٰہی میں سے ہیں۔ پس جو خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ نہیں اگر ان کا بھی وہ طواف کرے"۔ (سورۃ البقرہ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھانجے حضرت عروہ نے پوچھا "خالہ جان! اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو بھی کچھ حرج نہیں"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا "بھانجے! ایسی بات نہیں۔ اگر اس آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھے ہو تو رب ذوالجلال یوں فرماتا "اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ حرج نہیں" دراصل یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اوس و خزرج اسلام سے پہلے منات کی پکار کرتے تھے اس لیے صفا اور مروہ کا طواف برا جانتے تھے۔ اسلام لائے تو آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کرتے تھے اب کیا حکم ہے؟ اس پر رب رحمٰن و رحیم نے ارشاد فرمایا کہ صفا اور مروہ کا طواف کرو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ مزید یہ کہ معلم کائنات ﷺ نے خود صفا اور مروہ کا طواف فرمایا ہے تو اب کسی کو اس کے ترک کرنے کا حق نہیں"۔

اسی طرح قرآن مجید کی سورۃ النساء میں حکم خداوندی ہے کہ "اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں

کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو عورتوں میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو۔ اگر عدل نہ ہوسکے تو ایک "بظاہر آیت کے پہلے اور بعد کے حصے میں باہم ربط تلاش کرنا مشکل نظر آتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ یتیموں کے حقوق میں عدل وانصاف اور نکاح کی اجازت میں کیا ربط اور تعلق ہے؟

ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی توجہ اس طرف دلائی تو آپؓ نے فرمایا "اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی بن جاتے ہیں ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی ہے۔ وہ اپنے ولی ہونے کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ ان سے نکاح کر کے ان کی جائیداد پر قبضہ کرلیں اور چونکہ ان کی طرف سے بولنے والا یا پوچھنے والا کوئی نہیں ہوتا اس لیے انہیں مجبور پا کر انہیں ہر طرح سے بے بس کر دیتے ہیں۔ چنانچہ رب ذوالجلال ایسے مردوں سے مخاطب ہو کر انہیں حکم دیتا ہے کہ اگر تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف نہ کرسکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو تین چار نکاح کرلو تاہم پھر بھی انصاف سے کام لو مگر ان یتیم لڑکیوں کو اپنے نکاح میں لے کر انہیں بے بس نہ کرو"۔

قرآن پاک کی سورۃ النساء میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ناراضامندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کرلیں۔ اور صلح تو ہر حال میں بہتر ہے"۔

ناراضی دور کرنے کے لیے صلح کرلیں تو بالکل واضح بات ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کو اس کے لیے ایک خاص حکم کے نزول کی کیا حاجت تھی؟ اس کی توضیح کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

"یہ آیت اس عورت کے لیے ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں یا بیوی سن رسیدہ ہوگئی ہے اور شوہر کی خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی ہے۔ اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور بیوی رہ کر اپنے حق سے سبکدوشی اختیار کرلے تو یہ باہمی مصالحت

بری نہیں بلکہ قطعی علیحدگی سے یہ صلح بہتر ہے"۔

خدائے بزرگ و برتر کا قرآن پاک کی سورۃ البقرہ میں نماز کے متعلق حکم ہے۔

"نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً بیچ کی نماز کی"

بیچ یعنی درمیان کی نماز سے کیا مراد ہے؟

مسند احمد بن حنبل میں حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ اس سے ظہر کی نماز مراد ہے جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

"درمیان کی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اپنی اس تفسیر کی صحت پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مصحف کے حاشیہ پر انہوں نے اس کو لکھوا دیا تھا۔ اس تفسیر کی صحت حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری، جامع ترمذی)

سورۃ النساء کی آیت نمبر 18 میں رب ذوالجلال کا ارشاد ہے کہ "جو کوئی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور بولا "اگر یہ سچ ہے تو مغفرت اور رحمت الٰہی کی شان کہاں ہے اور نجات کی امید کیونکر کی جا سکتی ہے؟"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا " میں نے جب سے سردار الانبیاء حضرت محمد ﷺ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی ہے تم ہی پہلے شخص ہو جس نے اس بارے میں مجھ سے دریافت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچ ہے لیکن رب رحمٰن و رحیم اپنے بندے کے چھوٹے چھوٹے گناہ ذرا سی مصیبت اور ابتلا کے بدلے بخش دیتا ہے۔ مومن جب بیمار ہوتا ہے یا اس پر کوئی مصیبت آتی ہے یہاں تک کہ جیب میں کوئی چیز رکھ کر بھول جاتا ہے اور اس کی تلاش میں اس کو پریشانی لاحق ہوتی ہے تو رب غفور الرحیم کی مغفرت اور رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور مومن بہت سے چھوٹے چھوٹے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔"

احکامات الٰہی کی تفسیر کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے شوہر نامدار رہبر کائنات ﷺ کے فرامین، ارشادات اور افعال کا بھی گہرے مشاہدہ اور عمیق نظری کے ساتھ تجزیہ فرماتی تھیں۔ ایک سال ختم المرسلین ﷺ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن کے اندر اندر کھالیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ کے ساتھ ساتھ دوسرے صحابہ عظامؓ نے اس حکم کو دائمی سمجھا (بخاری ترمذی) لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس حکم کی تشریح اس طرح کرتے ہوئے فرمایا کہ

"قربانی کے گوشت کو نمک لگا کر ہم رکھ چھوڑتے تھے اور پھر آپ ﷺ کے سامنے پیش کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تین دن کے بعد نہ کھایا کریں" یہ حکم قطعی نہ تھا بلکہ آنحضور ﷺ یہ چاہتے تھے کہ لوگ دوسروں کو اس میں سے کچھ کھلا دیا کریں۔" اسی حوالے سے ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا "ام المومنینؓ! کیا قربانی کا گوشت کھانا منع ہے؟"

آپؓ نے فرمایا "نہیں ایسا نہیں، دراصل ان دنوں قربانی کرنے والے کم تھے اس لیے آنحضور ﷺ نے چاہا کہ جو قربانی نہیں کر سکتے ان کو کھلائیں"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جس حکم، قول یا فعل کو ہادی کون و مکاں ﷺ سے بلاواسطہ نہ سنا نہ دیکھا ہوتا تھا بلکہ دوسروں سے حاصل کیا ہوتا تھا۔ اس میں سخت احتیاط کرتی تھیں۔ آپؓ اگر کوئی روایت کسی سے لیتی تھیں اور کوئی شخص اس روایت کو آپؓ سے دریافت کرنے آتا تو بجائے خود روایت کو بیان کرنے کے آپ سائل کو اصل راوی کے پاس بھیج دیتی تھیں تاکہ دوسروں تک بات بلاواسطہ اور زیادہ مستند پہنچ سکے۔ کچھ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا۔

"کیا سرور کائنات ﷺ نماز عصر کے بعد گھر آ کر سنت ادا فرماتے تھے"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا۔

"حضرت ام سلمہؓ سے جا کر پوچھو اصل راوی وہی ہیں" اسی طرح ایک شخص نے

موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ دریافت کیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا۔

"حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس جاؤ وہ رحمتہ للعالمین ﷺ کے سفروں میں ساتھ رہتے تھے۔ وہی بہتر طور پر بتا سکیں گے"۔ (صحیح بخاری) البتہ جو اقوال و افعال بلا واسطہ آپؓ تک پہنچے تھے وہ آپؓ دلائل و براہین کے ساتھ بلا تردد بیان فرما دیتی تھیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کا انتقال ہونے لگا تو انہوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور سبب یہ بیان کیا کہ مسلمان جس لباس میں فوت ہوتا ہے اسی میں اٹھایا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپؓ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ حضرت ابو سعید خدریؓ پر رحمت نازل فرمائے۔ لباس سے آنحضور ﷺ کا مقصود اور مراد انسان کے اعمال ہیں۔ ورنہ آنحضور ﷺ کا تو یہ صاف ارشاد ہے۔ کہ لوگ قیامت کے روز برہنہ تن اٹھائے جائیں گے۔" (ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے کردار کی سب سے اہم خوبی یہ تھی کہ آپؓ مغز سخن تک پہنچنے میں کمال رکھتی تھیں۔ کسی ہنگامی صورتحال کے پیش نظر آنحضور ﷺ کے دیئے گئے احکامات کو عمومی صورتحال پر منطبق نہیں ہونے دیتی تھیں۔ پس منظر کا یہی ادراک ہی تھا جو آپؓ کو دانشوران حدیث سے ممتاز و ممیز کرتا تھا۔ ایک دفعہ فاطمہؓ نامی صحابیہؓ نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ اسے ہادی کونین ﷺ نے عدت کے دوران شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت دے دی تھی حالانکہ عورت کو عدت کے دن شوہر کے گھر ہی میں گزارنا چاہیں۔ صحابیہ فاطمہؓ نے مختلف اوقات میں متعدد صحابہ کرامؓ کے سامنے اپنے واقعہ کو بطور استدلال پیش کیا۔ اس بات کا علم حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ہوا تو آپؓ نے فرمایا "فاطمہؓ کے لیے بھلائی نہیں ہے کہ وہ اپنے اس واقعہ کو بیان کرے۔ سرور کائنات ﷺ نے عدت کی حالت میں ان کو شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کی اجازت بے شک دی مگر وہ ہنگامی صورتحال تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ان کے شوہر کا گھر ایک غیر محفوظ اور خوفناک مقام پر تھا" (صحیح بخاری، جامع ترمذی)

عورت کی عدت سے بعض فقہا نے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر وہ شوہر کے ساتھ ہے تو شوہر کی

وفات جہاں ہوا گر ساتھ نہیں ہے تو جہاں اس کو خبر معلوم ہو اس کو وہیں ٹھہر کر عدت کے دن گزارنا چاہیں۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک بہن کا نام ام کلثومؓ تھا اور وہ عشرہ مبشرہ کے مشہور صحابی حضرت طلحہؓ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ جنگ جمل میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھیں حضرت طلحہؓ نے وہاں شہادت پائی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ انہیں اپنے ساتھ مدینہ منورہ لے آئیں۔ دراصل یہ گھر سے نکلنا نہیں تھا بلکہ گھر کے اندر آنا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مسافرت سے ان کو وطن منتقل کر دیا۔ اگر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے عمل سے اس مسئلہ کو واضح نہ کرتیں تو اس حالت میں بہت سی عورتوں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

ایک دفعہ ایک مجلس میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ تشریف فرما تھے۔ مسئلہ یہ چل نکلا کہ اگر کوئی حاملہ عورت بیوہ ہوگئی اور چند روز کے بعد اس کو وضع حمل ہوا تو اس کی عدت کا زمانہ کس قدر ہوگا۔ دونوں حضرات میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آدمی بھیجا تاکہ ان کی رائے معلوم کی جاسکے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عدت کا زمانہ وضع حمل تک بتایا اور دلیل میں سبیعہ کا واقعہ پیش کیا جن کو بیوگی کے تیسرے روز ہی ولادت ہوئی اور اسی وقت ان کو دوسرے نکاح کی اجازت مل گئی۔ (مسند احمد بن حنبلؒ)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود میں افطار کے وقتؒ کے بارے میں قدرے اختلاف تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ افطار کرتے تھے اور پھر فوراً ہی نماز مغرب کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ دونوں میں تاخیر کرتے تھے۔ لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے فیصلہ چاہا تو انہوں نے دریافت کیا کہ ان دونوں میں تعجیل کون صاحب کرتے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تعجیل سے کام لیتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا " سرکار دو عالم ﷺ کی یہی عادت مبارکہ تھی" (مسند احمد)

نبی آخر الزماں ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا۔ " جو حاضر ہے وہ غائب

تک پہنچائے"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور اکرم ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کی اور علم کو دوسروں تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مدینہ منورہ میں آپؓ نے اپنی تمام تر زندگی علم دین کی اشاعت وترویج میں گزاری۔ مزید یہ کہ آپؓ ہر سال حج کو تشریف لے جاتیں۔ کوہ حرا کے قریب حضرت عائشہ صدیقہؓ کا خیمہ نصب ہوتا تھا۔ لوگ جوق در جوق دور دراز کے ممالک سے آکر حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مختلف مسائل کے حل طلب فرماتے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ ان کو تسلی بخش جواب دیتی تھیں۔ مزید یہ کہ اس موقع پر عورتیں حضرت عائشہ صدیقہؓ کو چاروں طرف سے گھیر لیتیں۔ اس وقت آپؓ نہ صرف درس وہدایت کی محفل منعقد فرماتیں۔ بلکہ عورتوں کو نسوانی مسائل کے حل بتانے کے ساتھ ساتھ وہ باتیں بھی نصیحت کرتیں جو انہوں نے اپنے شوہروں تک پہنچانا ہوتی تھیں تاکہ عورتوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ مردوں کی بھی فلاح ہو سکے۔ (موطا امام مالک)

ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک گھر میں مہمان اتریں۔ دیکھا کہ ایک صاحب خانہ کی دو نوجوان لڑکیاں چادر اوڑھے بغیر نماز ادا کر رہی ہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے انہیں تاکید فرمائی کہ آئندہ کوئی لڑکی چادر کے بغیر نماز نہ پڑھے کیونکہ سرکار دو جہاں ﷺ کا یہی فرمان ذی شان ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

جو لوگ عوروں کو حقیر اور ادنیٰ سمجھتے ہیں حضرت عائشہؓ ان سے سخت ناراض ہوتی تھیں۔ ایک صحابیہؓ کو ان کے شوہر نے اتنا مارا پیٹا کہ ان کے بدن پر جگہ جگہ نیل پڑ گئے۔ وہ صحابیہؓ سیدھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس پہنچیں اور انہیں شوہر کی مار پیٹ کے بارے بتایا۔ اس نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اپنا بدن بھی دکھایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کو یہ صورت حال سن کر اور دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ جب حضور اکرم ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ! مسلمان بیویاں جو تکلیف اٹھاتی ہیں میں نے اس کی مثال نہیں

دیکھی اس بیچاری کا بدن اس کے کپڑے سے زیادہ سبز ہو رہا ہے"

اس کے شوہر کو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی بارگاہ نبوت ﷺ میں پہنچ چکی ہے۔ تو وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں دوڑے ہوئے آئے اور مارنے کی وجہ بیان کی۔ چنانچہ اظہار سے دونوں کا قصور ثابت ہوا تاہم اس سے یہ ضرور ظاہر ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ خواتین کے لیے دل میں کس قدر نرم گوشہ رکھتی تھیں۔ (بخاری)

ایک دن حضرت عثمان بن مظعونؓ کی اہلیہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ وہ ہر قسم کی زنانہ آرائش وزیبائش سے خالی ہیں۔ آپؓ نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو وہ بولیں۔

"میرے شوہر نہایت پارسا اور زاہد و عابد ہیں۔ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر قیام وسجود میں رہتے ہیں سردار دو جہاں ﷺ جب تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ سے حضرت عثمان بن مظعونؓ کا تذکرہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جیسے ہی یہ بات سنی تو آپ ﷺ بذات خود حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پاس گئے اور فرمایا۔

"عثمانؓ! ہمیں رہبانیت کا حکم نہیں ہوا ہے۔ تم مجھے دیکھو کہ میں تم سے زیادہ اللہ پاک کی ذات سے ڈرتا ہوں اور اس کے احکام کی پاسداری کرتا ہوں مگر میں نے کبھی رہبانیت تو اختیار نہیں کی کیا میرا طرز زندگی تمہارے لیے نمونہ نہیں؟" (مسند احمد)

حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی حقیقی اولاد نہ ہونے کے باعث دوسرے مسلمان بچوں کو لے کر پرورش کیا کرتی تھیں۔ اور ان کی تعلیم وتربیت ہر ممکن طریقے سے بہتر کرنے کی کوشش فرماتی تھیں۔ آپؓ نے حضرت عبدالرحمان بن سعدؓ انصاری کی لڑکی عمرہ کو اپنی حقیقی بیٹی سمجھ کر پالا پوسا تھا۔ جب وہ بڑی ہوگئی تو اس کی شادی بھی حضرت عائشہؓ نے ہی کی۔ اور یہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ حضرت عمرہؒ ایک بلند پایہ راویہ احادیث بن گئیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور خلافت میں حدیثیں جمع کرنے والوں کو حکم دیا تھا کہ وہ مدینہ منورہ

جائیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پروردہ حضرت عمرہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث تحریر میں لائیں۔

اسی طرح اسما بنت عبدالرحمان بن ابوبکرؓ، عروہ بن زبیرؓ، قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ اور ان کے بھائی بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کے پروردہ تھے۔ محمد بن ابی بکرؓ کی لڑکیوں کی پرورش بھی حضرت عائشہ صدیقہ نے ہی کی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپؓ نے اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کی پرورش کی جس کو آپؓ نے متبنیٰ بنایا تھا اور یوں ام عبداللہ کی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ ان کے علاوہ مسروق بن اجدع تابعیؒ بھی آپؓ کے پروردہ تھے۔ حضرت عائشہ نے عائشہ بن طلحہؓ جو کہ آپؓ کی بھانجی تھیں کو بھی اپنی گود میں پالا۔ صفیہ بنت شیبہؒ، کلثم بن عمرو القرشیہؒ اور معاذہ بنت عبداللہ العدویہؒ ایسی خواتین تھیں جن کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی براہ راست صحبت اور تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جن افراد کی پرورش کی یا وہ آپؓ کی قربت میں رہے وہ آپؓ کی اعلیٰ وارفع تربیت کے باعث مستند راویان احادیث ٹھہرے اور اکثر اوقات لوگ ان سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سنی ہوئی احادیث مبارکہ پوچھا کرتے تھے اور وہ فراخ دلی سے بتایا کرتے تھے۔ محدثین ان کا نام عظمت سے لیتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے مجسم حدیث حضرت عائشہؓ سے براہ راست تربیت پائی تھی۔

عائشہ بنت طلحہؒ اکثر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت گزاری میں رہتی تھیں ان کا فرمان ہے کہ "لوگ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس ہر شہر سے آتے تھے۔ عمر رسید افراد حضرت عائشہ صدیقہؓ سے میرے قریبی رابطے کی بنا پر مجھ سے ملنے آتے تھے۔ جوان آدمی مجھ سے برادرانہ خواہرانہ رشتے قائم کر لیتے تھے لوگ مختلف شہروں سے خط لکھتے تھے۔ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کرتی کہ خالہ جان! فلاں شخص کا خط آیا ہے آپؓ فرماتیں اس کا جواب لکھ دو"
(بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا شمار مجتہدین صحابہ کرامؓ میں کیا جاتا ہے اور اس حیثیت سے

آپؓ کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ بلاشک وشبہ آپؓ کا نام حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی المرتضیٰ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ لیا جا سکتا ہے آپؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں فتوے دیا کرتی تھیں۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ "حضرت عائشہ صدیقہؓ آخر زندگی میں برابر فتوے دیتی رہیں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ اکثر مجسم قرآن حضرت محمد ﷺ کی عزیز ترین زوجہ مطہرہ مجسم حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ سے استفتا فرماتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کو جب کبھی کسی مسئلہ میں رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپؓ نے فوراً شام سے قاصد روانہ کیا جو باب عائشہ صدیقہؓ کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے مسائل دریافت کرتا اور پند و موعظت کا طلب گار ہوتا۔ (ترمذی) بڑے بڑے صحابہ کرامؓ مختلف زیر بحث امور میں حضرت عائشہؓ سے رجوع کرتے اور حضرت عائشہؓ انتہائی تحمل کے ساتھ ان کی بات سنتیں اور انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ ان کو تسلی بخش جواب سے نوازتیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علم وفضل سے بڑے جید اور نامور صحابہ کرامؓ اور تابعین نے بھرپور استفادہ کیا آپؓ کے فیض یافتگان کی تعداد کم نہ تھی۔ مسند احمد بن حنبل میں لگ بھگ دو سو حضرات کی روایات موجود ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت ربیعہ بن عمرو الجرشیؓ اور حضرت زید بن خالدؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام کائنات حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"میں تمہارے درمیان دو عظیم الشان چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن، دوسرے اہل بیت" (مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اہل بیت رسول ﷺ میں ایک خاص مقام ومرتبہ حاصل ہے۔

عام لوگ سرور کائنات ﷺ کو صرف جلوت میں دیکھتے تھے اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کا مشاہدہ کر کے اس پر عمل پیرا ہوتے تھے مگر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رہبر کائنات ﷺ کو جلوت وخلوت دونوں میں دیکھا تھا اسی بنا پر علمی حیثیت سے آپؓ کا درجہ بہت بلند تھا۔ امام زہری نے مستدرک حاکم میں یہاں تک کہہ دیا ہے۔ "اگر مردوں کا اور امہات المومنینؓ کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کا علم ان سب سے گہرائی اور گیرائی والا ہوتا"

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو فقہ وقیاس میں بھی مکمل عبور حاصل تھا۔ آپؓ کے استنباط کا اصول یہ تھا کہ آپؓ سب سے پہلے قرآن مجید سے مدد لیتی تھیں پھر احادیث کی طرف رجوع کرتیں اور آخر میں آپؓ کے نزدیک قیاس عقلی کا درجہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو علم اسرار دین میں بھی حد درجہ کمال حاصل تھا۔ چنانچہ کئی مواقع پر آپؓ نے ان مصلحتوں کو بیان بھی فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علم اور مشاہدہ وتجربہ میں تھا کہ ختم المرسلین ﷺ کے عہد رسالت میں عورتیں بلا تکلف مسجد نبوی ﷺ میں آتی تھیں اور جماعت کی نماز میں پہلے مردوں کی صفیں ہوتی تھیں پھر بچوں کی اور سب سے آخر میں عورتیں صفیں بناتی تھیں اور نماز ادا کرتی تھیں سردار کونین ﷺ بھی عورتوں کو مسجد میں نماز کی ادائیگی سے نہیں روکتے تھے۔ لیکن عہد نبوت ﷺ کے اختتام کے بعد مال ودولت کی کثرت اور غیر اقوام کے اختلاط نے عورتوں کی سادگی اور پاکیزہ نفسی کو متاثر کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ صورت حال دیکھی تو فرمایا۔

"آج اگر نبی آخر الزماں ﷺ زندہ ہوتے اور عورتوں کی نئی پیدا شدہ باتوں اور جدتوں کو دیکھتے تو ان کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے" (بخاری)

غیر اقوام کے اختلاط نے خاص طور پر عہد عثمانی میں عرب کی آب وہوا کو گرد آلود کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ کبوتر بازی، شطرنج، نرد بازی، اور تضیع اوقات کے مختلف کھیل اور طریقے اس دور میں رواج پانے لگے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ایک مکان میں کرایہ دار رہتے تھے۔ آپؓ کو ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ نرد بازی میں مشغول رہتے ہیں۔ آپؓ سخت برہم ہوئیں اور انہیں

سخت الفاظ میں کہلا بھیجا کہ نرد کی گوٹیوں کو میرے مکان سے باہر نہ پھینک دیا گیا تو میں تمہیں اپنے گھر سے نکلوا دوں گی" (الادب المفرد)

حضرت عائشہ صدیقہؓ دنیا کی واحد خاتون ہیں جنہوں نے اخلاقیات، مذہب، سیاست، معاشرت اور اسوہ حسنہ کی تعلیم بھی دی اور عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ آپؓ نے خاص طور پر مسلمان عورتوں کے لیے عملی زندگی کا بہترین نمونہ چھوڑا۔ مسلمان عورتوں کی تاریخ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ازواج مطہراتؓ اور بنات طاہراتؓ کے سوا کسی اور خاتون کی زندگی سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ زرقانی کے مطابق نسبی شرافت میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ، ایمان کی مسابقت اور سرکار دو عالم ﷺ کی اعانت میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جبکہ علمی کمالات، دینی خدمات اور سرور کونین ﷺ کی تعلیمات وارشادات کی نشر واشاعت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا کوئی ثانی نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جہاں اور اصناف سخن میں کمال حاصل تھا وہاں قصہ گوئی میں بھی آپؓ خاص ملکہ رکھتی تھیں۔ آپؓ بعض اوقات اپنے شوہر نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو انتہائی سبق آموز اور دلچسپ معاشرتی کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ جبکہ سرور کائنات ﷺ ان کہانیوں میں انتہائی انہماک کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

ایک روز حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ختم المرسلین ﷺ کو گیارہ سہیلیوں کی تفصیلی کہانی سنائی جسے آنحضور ﷺ نے بہت دلچسپی کے ساتھ سنا۔ اس کہانی میں عربی نثر کے جو محاسن ہیں وہ اگرچہ اردو میں منتقل نہیں ہو سکتے تاہم اس کے نفس مضمون میں پنہاں سبق آفریں کرنیں ذہن و دل کے نہاں خانوں کے در وا کرنے کے لیے کافی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ ایک روز گیارہ سہیلیاں آپس میں محو گفتگو تھیں۔ سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ اپنے اپنے شوہر کا حال اس طور پر بیان کرے گی کہ کوئی بات مخفی نہ رہے۔ پہلی عورت نے کہا کہ میرا خاوند اونٹ کا وہ گوشت ہے جو کسی پہاڑ پر رکھا ہو، نہ میدان

ہے کہ کوئی وہاں پہنچ سکے اور نہ گوشت اچھا ہے کہ کوئی اس کو اٹھا کر لے جائے۔ مطلب یہ کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

دوسری سہیلی بولی کہ میں اپنے خاوند کا حال بیان نہیں کروں گی، اس لیے کہ اس کے حالات واسرار اس قدر طویل ہیں کہ ان کا بیان شروع کروں تو پورا نہ کر سکوں گی۔ اگر میں ان کو بیان کروں گی تو پھر میں اس کو چھوڑنے پر مجبور کر دی جاؤں گی یعنی وہ مجھے طلاق دے دے گا۔

تیسری نے کہا کہ میرا خاوند بڑا غصیلا ہے اس کے بارے میں کچھ کہوں تو وہ فوراً مجھے طلاق دے دے۔

چوتھی بولی کہ میرا شوہر حجاز کی رات کی مانند ہے نہ سرد اور نہ گرم یعنی معتدل مزاج ہے۔

پانچویں عورت نے بیان دیا کہ اس کا شوہر جب گھر آتا ہے تو چیتے کی مانند غفلت کی نیند سوتا ہے اور جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو شیر کی طرح شجاع ہوتا ہے۔

چھٹی سہیلی نے کہا کہ میرا شوہر کھاتا ہے تو سب کچھ چٹ کر جاتا ہے اور جب پیتا ہے تو سب کچھ پی جاتا ہے کچھ باقی نہیں چھوڑتا۔ لیٹتا ہے تو ساری چادر اوڑھ لیتا ہے۔

ساتویں بولی کہ میرا خاوند انتہا درجے کا شریر ہے کبھی غصے میں آ کر سر پھوڑ دیتا ہے اور کبھی طیش میں آ کر ہڈی پسلی ایک کر دیتا ہے۔

آٹھویں نے کہا کہ میرا شوہر چھونے میں خرگوش کی طرح ملائم اور نرم و نازک اور سونگھنے میں چنبیلی کی طرح خوشبودار ہے۔

نویں نے چہکتے ہوئے کہا کہ میرا شوہر دراز قامت اور مہمان نواز ہے۔

دسویں سہیلی مسکراتے ہوئے بولی کہ میرا شوہر بہت سے اونٹوں کا مالک ہے۔ جب کوئی تقریب ہو تو اس میں ضیافت کے لیے اپنے اونٹوں کو ذبح کرتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کرتا ہے۔

گیارہویں سہیلی نے اپنے شوہر کا تذکرہ بڑے دلپذیر انداز میں کیا کہنے لگی کہ میرے

خاوند کا نام ابوزرع ہے۔ ہمہ وقت اس کی مسکراہٹوں نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ بولتی ہوں تو برا نہیں مناتا بلکہ میرا منہ تکتا رہتا ہے۔ ہر طرف خوشحالی ہی خوشحالی، مسکراہٹیں ہی مسکراہٹیں۔ سوتی ہوں تو جگاتا نہیں کہ کہیں بے آرام نہ ہو جاؤں۔ وہ مجھے ہر وقت خوش رکھتا ہے اور میں ہر وقت خوشی محسوس کرتی ہوں۔ وہ میری بات کو مانتا ہے رد نہیں کرتا۔

رسول رحمت ﷺ بڑے تحمل اور محویت کے ساتھ دیر تک یہ کہانی سنتے رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد نبی آخر الزمان ﷺ نے فرمایا ''اے عائشہ! میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسا کہ ابوزرع، ام زرع کے لیے تھا۔'' لیکن عین اس وقت جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کوئی کہانی سنا رہی ہوتیں اور دفعتاً اذان کی آواز آتی تو آپ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ پھر یوں معلوم ہوتا جیسے آپ ﷺ ہمیں پہچانتے ہی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت تمام محبتوں پر غالب آ جاتی۔ (بخاری، مسلم، غزالی)

قصہ گوئی کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ دوسرے فنون میں بھی مہارت رکھتی تھیں۔ مثلاً حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علم وراثت کے بارے مشہور تابعی امام مسروقؒ سے کسی نے پوچھا ''کیا حضرت عائشہ صدیقہؓ وراثت کا علم بھی جانتی تھیں؟''

انہوں نے فرمایا ''مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کبار صحابہ کرامؓ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے وراثت کے مسائل پوچھتے میں نے بچشم خود دیکھا۔''

علم و فضل، باطنی خوبیوں اور اوصاف حمیدہ کی وجہ سے رسول کریم ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بے پناہ محبت تھی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول رحمت ﷺ کا پڑوسی ایک ایرانی تھا جو شوربہ کا عمدہ سالن پکاتا تھا۔ ایک روز اس نے کھانا تیار کیا اور آنحضور ﷺ کو بلانے حاضر ہوا۔ اس نے درخواست کی:

''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں! آپ ﷺ میرے

غریب خانہ پر کھانے کے لیے تشریف لے آیئے اور میرا مان بڑھایئے۔"

آنحضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"یہ بھی میرے ساتھ ہوں گی۔"

ایرانی نے خاموشی اختیار کی تو آنحضور ﷺ نے فرمایا "اگر یہ نہیں جائیں گی تو میں بھی نہیں جاؤں گا۔" ایرانی چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر بلانے آیا۔ سرور کائنات ﷺ نے پھر وہی جواب دیا وہ چلا گیا۔ تیسری مرتبہ ایرانی پھر آیا اور کھانے کے لیے تشریف لانے کی درخواست کی۔ سردار الانبیاء ﷺ نے پھر وہی جواب دیا تو اس مرتبہ ایرانی نے کہا۔ "یا رسول اللہ! بہتر ہے آپ دونوں میرے گھر تشریف لے آیئے۔ میرے لیے اس سے بڑی اعزاز و افتخار کی بات کیا ہوگی!"

محدثین بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے تنہا دعوت میں نہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس روز خانہ نبوی ﷺ میں فاقہ تھا۔ آپ ﷺ نے مروت اور لطف و اخلاق سے بعید سمجھا کہ گھر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھوکا چھوڑ کر خود دعوت قبول کر لیں۔ جبکہ ایرانی پڑوسی نے اس لیے دو دفعہ تامل سے کام لیا کہ اس کے ہاں کھانا صرف ایک آدمی کے لیے ہی تیار تھا۔ جب اس نے کھانا مناسب مقدار میں تیار کرا لیا تو پھر تیسری دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی ساتھ ہی بلانے کا عندیہ ظاہر کیا۔ (مسلم)

بعض غزوات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کے ساتھ نہیں جا سکتی تھیں اس لیے آنحضور ﷺ سفر کے وقت قرعہ ڈالتے تھے جس کا نام نکلتا تھا وہی سفر کی ہمراہی کا شرف حاصل کرتی تھیں ایک غزوہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ رفیق سفر تھیں۔ رسول مکرم ﷺ نے تمام صحابہ کرامؓ کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا۔

"آؤ دوڑیں، دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے!"

حضرت عائشہ صدیقہؓ تیز دوڑیں اور سرور کائنات ﷺ سے آگے نکل گئیں۔ کچھ سال بعد اسی قسم کا پھر ایک موقع آیا۔ ختم المرسلین ﷺ آگے نکل گئے جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پیچھے رہ گئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''عائشہؓ! یہ اس دن کا جواب ہے۔'' (ابوداؤد)

غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر شعبان 5 ہجری میں جب سپہ سالار اعظم حضرت محمد ﷺ نے روانگی سے پہلے امہات المومنینؓ کے مابین قرعہ ڈالا تو حضرت عائشہؓ کا نام نامی نکلا اور یوں آپؓ سفر میں سرور کائنات ﷺ کے ہمرکاب تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سفر پر روانہ ہوتے وقت اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے ایک ہار عاریتاً پہننے کے لیے لیا تھا۔ وہ آپؓ کے گلے میں تھا ہار کی لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ جاتی تھیں۔ اس وقت پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے محمل میں سوار ہوتیں اور جب اتاری جاتیں تو محمل سمیت ہی اتاری جاتیں جبکہ محمل پر پردے لٹکے رہتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس زمانہ میں دبلی پتلی تھیں چنانچہ محمل اٹھانے میں ساربانوں کو یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس میں سوار بھی ہیں یا نہیں کیونکہ آپؓ کا وزن بہت کم تھا۔

غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام پر سردار دو عالم حضرت محمد ﷺ نے قیام فرمایا۔ رات کے پچھلے پہر قافلہ کو روانگی کا حکم دیا گیا لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اس کا علم نہیں تھا۔ قافلہ کے کوچ سے کچھ دیر پیشتر حضرت عائشہ صدیقہ محمل سے نکل کر قضاء حاجت کے لیے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں۔ جب واپس لوٹیں تو اتفاق سے گلے پر ہاتھ پڑ گیا۔ دیکھا تو ہار نہیں تھا۔ آپؓ کو بہت فکر ہوئی کیونکہ یہ ہار آپؓ نے بہن کو اصل حالت میں واپس بھی کرنا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ خود روایت کرتی ہیں کہ ''میں واپس وہیں جا کر ڈھونڈنے لگی۔ مجھے اس کی تلاش میں کافی دیر ہو گئی۔ ہار تو مل گیا لیکن جب واپس آئی تو لشکر وہاں سے کوچ کر چکا تھا۔ جن لوگوں کے سپرد مجھے سوار کروانے کا کام تھا وہ آگے بڑھے اور انہوں نے میرے ہو

درج یعنی محمل کو حسب عادت اٹھایا اور اونٹ پر کس دیا۔ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ میں محمل میں نہیں ہوں کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں۔ اس لیے کہ ان کی غذا سادہ اور غیر مرغن ہوتی تھی۔ مزید یہ کہ میں کم عمر اور کم وزن بھی تھی اس لیے ساربانوں کو میرے محمل میں نہ ہونے کا احساس تک نہ ہوا۔ پس انہوں نے اونٹ کو اٹھایا اور چل دیئے۔

یہ خیال کر کے کہ جب وہ مجھے نہیں پائیں گے تو میری تلاش میں یہاں آئیں گے میں وہیں ٹھہر گئی۔ اسی اثناء میں میں وہاں بیٹھی ہوئی تھی میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور میں وہاں سو گئی۔ حضرت صفوان بن معطل سلمیؓ کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے۔ اگر کسی کی کوئی چیز پڑی ہوئی ملتی تو اسے اٹھا کر اس کے مالک تک پہنچا دیتے۔ ابھی صبح کا اندھیرا تھا کہ حضرت صفوان بن معطل سلمیؓ وہاں پہنچے۔ انہوں نے کسی کو دور سے سویا ہوا دیکھا تو قریب آئے۔ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا اس لیے مجھے پہچان گئے اور بلند آواز میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ ان کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ اللہ کی قسم! نہ ہم نے کوئی گفتگو کی اور نہ میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون کے سوا ان کے منہ سے ایک لفظ بھی سنا۔ وہ اپنی سواری سے اترے۔ انہوں نے اپنا اونٹ میرے قریب لا کر بٹھایا اور میں اس پر سوار ہو گئی۔ وہ آگے آگے پیدل چلتے ہوئے مجھے لے چلے۔

ہم عین دوپہر کے وقت لشکر سے آملے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر ایک ماہ تک میں بیمار رہی اور لوگوں میں بہتان کے متعلق چرچا ہوتا رہا۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے ایک طوفان برپا کیا ہوا تھا لیکن مجھے مطلقاً اس بات کا کوئی علم نہیں تھا البتہ ایک بات میری تکلیف میں اضافہ کرتی رہی کہ میری علالت کے وقت رسول رحمت ﷺ جو لطف وعنایت پہلے مجھ پر فرمایا کرتے تھے وہ دیکھنے میں نہیں آرہا تھا۔ میری بیماری کے دوران رسول مکرم ﷺ میرے پاس تشریف لاتے، سلام کرتے اور صرف اتنا دریافت فرماتے کہ تمہارا کیا حال ہے۔ اس کے بعد واپس تشریف لے جاتے۔ اس سے اگرچہ مجھے کچھ شک سا گزرتا تاہم مجھے اس شرانگیز پروپیگنڈے کی خبر تک نہ تھی۔

یہاں تک کہ میں کچھ صحت یاب ہوئی تاہم بیماری کے بعد بہت نقاہت اور کمزوری محسوس کرنے لگی۔

[illegible] ے ساتھ قضائے حاجت کے لیے مدینہ منورہ سے قریب جنگل میں گئی۔ام مسطح میرے والد مکرم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خالہ زاد بہن تھیں۔ہم دونوں جب واپس آرہی تھیں تو ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھا اور وہ گر پڑیں۔ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا ''مسطح ہلاک ہو۔''

حالانکہ مسطح بن اثاثہ ان کا بیٹا تھا۔میں نے ام مسطح سے کہا ''آپ نے بری بات کہی ہے کیا آپ ایسے شخص کو برا بھلا کہہ رہی ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہوا تھا۔''

ام مسطح نے کہا ''کیا تم نے نہیں سنا کہ اس نے کیا طوفان برپا کر رکھا ہے؟''

میں نے پوچھا ''کون سا طوفان؟ مسطح بن اثاثہ نے کیا کہا ہے؟''

میرے استفسار پر ام مسطح نے سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔یہ سن کر میرا مرض پھر عود کر آیا۔جب میں گھر پہنچی تو رسول مکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور سلام کر کے فرمایا ''تمہارا حال کیسا ہے؟''

میں عرض گزار ہوئی ''یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ مجھے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں؟'' مقصد یہ تھا کہ میں اپنے والدین سے اس خبر کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کرنا چاہتی تھی۔آنحضور ﷺ نے اجازت دے دی اور میں میکے چلی آئی۔

میکے میں آکر میں نے اپنی والدہ محترمہ حضرت ام رومانؓ سے کہا ''اے ماں! کیا آپؓ کو معلوم ہے کہ لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

ماں نے کہا ''بیٹی زیادہ غمگین نہ ہو۔جب کوئی بیوی پاکیزہ صورت ہو اور اس کا شوہر اسے محبوب رکھے تو اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔''

میں نے کہا ''سبحان اللہ! کیا لوگوں میں اس کا چرچا ہے؟'' پھر میں نے پوچھا

''کیا والد محترم کو اس بات کا علم ہے؟''

والد نے جواب دیا ''ہاں بیٹی'' میں نے دریافت کیا ''کیا رسول کریم ﷺ کو بھی اس کا علم ہے؟'' والدہ نے اثبات میں میں جواب دیا۔

میں نے کہا ''اے ماں! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے۔ لوگوں میں تو اس کا چرچا ہے لیکن آپؓ نے مجھ سے اس بات کا ذکر تک نہیں کیا۔'' (ابن ہشام، ابن اسحٰق) یہ کہہ کر میری آنکھوں سے آنسو اُمڈ پڑے اور شدت غم سے میری چیخیں نکل گئیں۔ میرے والد محترم حضرت ابوبکر صدیقؓ بالا خانہ میں قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میری چیخ سن کر نیچے آئے اور میری ماں سے دریافت کیا۔ ماں نے والد کو بتایا کہ عائشہؓ کو اس قصہ کی خبر ہوگئی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے۔

مجھے اس قدر تیز بخار ہوا کہ میری والدہ حضرت ام رومانؓ نے گھر کے تمام کپڑے مجھ پر ڈال دیئے۔ تمام رات آنسو بہاتے گزری۔ ایک لمحہ کے لیے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔ اسی طرح صبح ہوگئی۔

سرور کائنات ﷺ بھی اسی صورت حال سے از حد مضطرب تھے۔ ادھر نزول وحی میں بھی تاخیر ہوئی تو رسول مکرم ﷺ نے حضرت اسامہؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا ''وہ آپ ﷺ کے اہل ہیں جو آپ ﷺ کے شایان شان اور منصب نبوت و رسالت کے مناسب ہیں۔ ان کی عفت و عصمت کا پوچھنا ہی کیا! آپ ﷺ کی حرم محترم کی طہارت سورج سے زیادہ واضح اور شبنم سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اس میں رائے اور مشورہ کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر آپ ﷺ کو ہماری ہی رائے معلوم کرنا ہے تو جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔

آپ ﷺ کے اہل اور ازواج مطہرات میں ہم نے کبھی سوائے خیر و خوبی اور نیکی و بھلائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔''

اس صورتحال میں ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خادمہ بریرہؓ کو بلوایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں تجھ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اسے چھپانا نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ مجھے بذریعہ وحی بتادے گا''۔

بریرہؓ نے کہا ''میں ہرگز کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ آپ ﷺ دریافت فرمائیں۔''

آنحضور ﷺ نے پوچھا ''اے بُریرہ! اگر تو نے عائشہؓ میں ذرہ برابر بھی کوئی شے ایسی دیکھی ہو جس سے مجھ کو شبہ اور تردد ہو تو مجھے بتاؤ'' (بخاری)

بریرہؓ نے جواب دیا ''یارسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی کوئی بات معیوب اور قابل گرفت کبھی نہیں دیکھی۔ وہ دنیا کی چالاکیوں کو بالکل نہیں جانتیں۔ اللہ کی قسم! میں حضرت عائشہؓ کے متعلق اس کے بغیر اور کچھ نہیں جانتی جس طرح ایک زرگر خالص سونے کے متعلق جانتا ہے۔''

پھر سردار دو جہاں ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

''مسلمانو! کون ہے جو میری اس شخص کے مقابلہ میں مدد کرے جس نے مجھ کو میرے اہل بیت کے بارے میں ایذاء پہنچائی ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے اپنے اہل سے سوائے نیکی اور پاکدامنی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ نیز یہ کہ جس شخص کا یہ ذکر کرتے ہیں اس کے اندر بھی سوائے خیر اور بھلائی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔''

سردار الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا ''یارسول اللہ! میں آپ ﷺ کی اعانت اور امداد کے لیے حاضر ہوں۔ اگر یہ شخص ہمارے قبیلہ اوس کا ہوا تو ہم خود ہی اس کی گردن اڑادیں گے اور اگر قبیلہ خزرج سے ہوا اور آپ ﷺ نے حکم دیا تو ہم تعمیل کریں گے۔''

حضرت سعد بن معاذؓ کے چچازاد بھائی حضرت اسید بن حضیرؓ کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو مخاطب کر کے کہا۔

''رسول اللہ ﷺ جب ہمیں قتل کا حکم دیں تو ہم ضرور قتل کریں گے چاہے وہ شخص قبیلہ اوس کا ہو یا خزرج کا۔ کوئی ہم کو روک نہیں سکتا۔'' اس طرح سے گفتگو میں کچھ تیزی سی آ گئی۔ سرکار دو عالم ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور لوگوں کو خاموش کیا۔ یوں معاملہ رفع ہو گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ''یہ دن بھی میرا روتے ہوئے گزرا۔ ایک لمحہ کے لیے آنسوؤں کی بارش نہیں تھمتی تھی۔ رات بھی اسی طرح گزری۔ لمحہ بھر کے لیے بھی نیند نہ آتی تھی۔ میرے والدین کو اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اس طرح رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ایک دن نبی مکرم ﷺ نے حضرت زینبؓ بنت جحش سے میرے بارے میں پوچھا ''اے زینبؓ! تیری کیا رائے ہے؟ تیری معلومات کیا ہیں؟''

حضرت زینب بنت جحشؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم! میں تو عائشہ کے بارے میں خیر ہی خیر جانتی ہوں۔'' (تاریخ خمیس)

نبی رحمت ﷺ اس واقعہ کے بارے اپنے مقرب صحابہ کرامؓ سے بھی استفسار فرماتے رہتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ در اقدس پر حاضر ہوئے اور دربار رسالت مآب ﷺ میں شرف باریابی چاہا۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اسی دوران رحمۃ للعالمین ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ سے اس واقعہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کی:

''یارسول اللہ ﷺ میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتا ہوں جو میرے کان سنیں اور جو میری آنکھیں دیکھیں وہی بیان کرتا ہوں۔ اس میں کوئی ملاوٹ نہیں کرتا۔ واللہ! مجھے یقین ہے کہ منافقین جھوٹ بکتے ہیں کیونکہ خدائے بزرگ و برتر نے آپ ﷺ کو اس سے

بھی محفوظ رکھا ہے کہ مکھی آپ ﷺ کے جسد مطہر پر بیٹھے کیونکہ وہ نجاستوں پر گرتی ہے اور ان سے آلودہ ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی آلائش سے محفوظ رکھا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی زوجہ اطہرؓ ایسی حرکت میں ملوث ہو۔"

ایک روز یہی استفسار آنحضور ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ سے کیا تو انہوں نے عرض کی:

"اے محبوب رب العالمین! اللہ تعالیٰ یہ برداشت نہیں کرتا کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر پڑے مبادا کوئی شخص اس پر اپنا پاؤں رکھ دے یا وہ کسی ناپاک زمین پر پڑے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ برداشت نہیں کرتا کہ آپ کے سائے پر کسی کا پاؤں پڑے تو اس کی غیرت یہ کب گوارا کر سکتی ہے کہ کوئی شخص اس کے محبوب ﷺ کے ردائے عصمت کو آلودہ کرے۔" (تاریخ خمیس)

ایک روز نبی مکرم ﷺ نے یہی سوال حضرت علی المرتضیٰؓ سے پوچھا آپؓ نے عرض کی:

"یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے ایک دن آپ ﷺ کے اتباع میں اپنی جوتیاں اتار دی تھیں۔ آپ ﷺ نے ہم سے پوچھا تھا کہ "تم نے اپنے جوتے کیوں اتارے؟"

ہم نے عرض کی "آپ کی پیروی کی۔"

آپ ﷺ نے فرمایا تھا "مجھے تو جبرئیلؑ نے جوتے اتارنے کے لیے کہا تھا کیونکہ وہ پاک نہیں تھے۔" جب اللہ تعالیٰ نے اس ناپاکی سے آپ ﷺ کو مطلع کیا جو آپ ﷺ کے نعلین مبارک پر تھی تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ایسی بیوی سے آپ کو قطع تعلق کا حکم نہ دے جو اس حرکت میں ملوث ہو۔" (تاریخ خمیس)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "ایک دن میں رو رہی تھی۔ میرے والدین کریمین پاس ہی تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں ایک انصاری عورت نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ اسے اجازت دے دی گئی تو وہ میرے پاس بیٹھ کر رونے لگی۔ اس دوران

رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لے آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ جب سے یہ بہتان لگا تھا اس وقت سے سرور کائنات ﷺ میرے پاس بیٹھے نہ تھے اور کئی ہفتوں سے وحی کا نزول بھی بند تھا۔ رسول رحمت ﷺ نے کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''اے عائشہؓ! مجھے تمہارے متعلق یہ افواہ پہنچی ہے اگر تم پاک دامن ہو تو عنقریب رب رحمٰن تمہیں بری فرما دے گا اور اگر تم سے غلطی سرزد ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کر لو کیونکہ جب بندہ غلطی کا اقرار کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔''

جب میرے شوہر نامدار امام کائنات ﷺ ارشاد فرما چکے تو میں نے اپنے والد محترم حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو کوئی جواب دیں۔ والد ماجد نے فرمایا کہ ''اللہ کی قسم! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سرور کائنات ﷺ کو کیا جواب دوں''

پھر میں نے اپنی والدہ محترمہ حضرت ام رومانؓ سے گزارش کی کہ آپؓ رسول مکرم ﷺ کے ارشادات کا جواب دیں۔

میری والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ ''اللہ کی قسم! میرے ذہن میں نہیں آتا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں کیا عرض کروں!''

جب میں نے یہ صورتحال دیکھی تو خود عرض گزار ہوئی۔ ''اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس بہتان سے بری ہوں۔ اگر میں اس ناکردہ گناہ کا انکار کروں تو لوگ اسے سچ نہیں مانیں گے اور میری بات کی تصدیق نہیں کریں گے۔ میں اس موقع پر جب کہ یہ بات زبان زد عام ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد محترم کا جواب دینا ہی پسند کروں گی جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ ''صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا، جو بات تم بتا رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔'' (سورۃ یوسف)

میں یہ کہہ کر بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ مجھے اس وقت یقین کامل تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری بریت فرمائیں گے لیکن مجھے یہ خیال نہ تھا کہ میرے بارے میں آیات قرآنی نازل ہوں گی۔ میں

اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتی تھی۔ میں سوچتی تھی کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ میری پاکدامنی کی بشارت دیں گے۔ پس اللہ کی قسم! اسی دوران جبکہ رسول رحمت ﷺ ہمارے درمیان جلوہ افروز تھے اور ہمارے گھر کا کوئی فرد بھی باہر نہیں گیا تھا کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہونے لگا اور وہی حالت سرور کائنات ﷺ پر طاری ہوگئی جو وحی کے وقت ہوا کرتی تھی۔ وحی اترنے کی کیفیت جاری رہی۔ جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو ختم المرسلین ﷺ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔ اس وقت آپ ﷺ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

پہلی بات آپ ﷺ کی زبان مبارک سے وحی کے اختتام پر نکلی کہ "اے عائشہؓ! تجھے خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تیری برات فرمادی ہے"۔ پھر نبی آخرالزمان ﷺ نے سورۃ النور کی یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ جن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ۔

"جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہے۔ اس واقعہ کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے۔ جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے تو عذاب عظیم ہے۔ جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریحاً بہتان ہے۔ وہ لوگ اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے۔ جب کہ وہ گواہ نہیں لائے ہیں اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ اگر تم لوگوں پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور رحم نہ ہوتا تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی پاداش میں بڑا عذاب تمہیں آلیتا۔ جب کہ تمہاری ایک زبان سے دوسری زبان جھوٹ کو لیتی چلی جارہی تھی اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جارہے تھے جس کے متعلق تمہیں کوئی علم نہیں تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی۔ کیوں نہ تم نے سنتے ہی کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا۔ سبحان اللہ یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کررہا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو اللہ تمہیں صاف صاف

ہدایات دیتا ہے۔ وہ علیم وحکیم ہے۔ جولوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں فحاشی پھیلے وہ دنیا و آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اگر اللہ کا فضل اور رحم و کرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق الرحیم ہے (تو یہ بات جو تمہارے اندر پھیلائی گئی بدترین نتائج دکھادیتی) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اس کی پیروی جو کوئی کرے گا وہ تو اسے فحش اور بدی کا ہی حکم دے گا۔ اگر اللہ کا فضل اور رحم وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں کوئی شخص پاک نہ ہوسکتا مگر اللہ ہی ہے جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے۔ اللہ سننے والا جاننے والا ہے''۔

ان آیات کو سن کر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے برجستہ کہا ''میں تو اپنے اللہ کا شکر ادا کروں گی جس نے میری شان میں قرآنی آیات نازل کیں جو قیامت تک تلاوت کی جاتی رہیں گی'' حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت ام رومانؓ نے اپنی لخت جگر، نور چشم حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شان میں قرآنی آیات سنیں تو مسرت وشادمانی کا اظہار کیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کی زبان سے آپ علیہ السلام کی برات کی۔ جب حضرت مریم پر الزام لگایا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ابھی چند دنوں کے بچے تھے انہوں نے آپ کی برات میں زبان کھولی۔ لیکن جب محبوب رب العالمین ﷺ کی پیاری زوجہ مطہرہ پر بد باطن منافقین نے ہرزہ سرائی کی جسارت کی تو خود رب عظیم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پاکیزگی اور طہارت کی شہادت دی تاکہ جب تک یہ عالم رنگ و بو آباد رہے اس کے محبوب ﷺ کی رفیقہ حیات کی شان رفیع اور درجات عالیہ کا ذکر خیر ہوتا رہے۔

سرور کائنات ﷺ جب آیات برات کی تلاوت سے فارغ ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی عفت مآب بیٹی کی عصمت وطہارت پر رب کریم کی شہادت کو سن لیا تو آپؓ نے اسی وقت اٹھ کر اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ

نے کہا ''ابا جان! آپ نے پہلے کیوں خاموشی اختیار کی!''

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جواب دیا ''کون سا آسمان مجھ پر سایہ ڈالے اور کون سی زمین مجھ کو اٹھائے اور تھامے جبکہ میں اپنی زبان سے وہ بات کہوں جس کا مجھے علم نہ ہو'' (فتح الباری، روح المعانی، طبری)

حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت ام رومانؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو وحی کے ذریعے نازل شدہ آیات سنانے کے بعد نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور مجمع عام میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برات میں نازل شدہ آیات کی تلاوت فرمائی۔

یہ فتنہ منافقین کی شر انگیزی کی بدترین مثال تھا۔ منافقین نے اس فتنہ انگیزی سے جو مقاصد پیش نظر رکھے تھے ان میں دو قریبی دوستوں حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی جدائی اور نعوذ باللہ اہانت، خاندان نبوی ﷺ میں تفریق اور اسلام کے برادرانہ اتحاد اور اجتماعی قوت میں رخنہ ڈالنا تھا۔ لیکن قرآنی آیات کے نزول سے رب کائنات کی گواہی پر ان کے تمام منصوبے دھرے رہ گئے۔ اس فتنہ انگیزی میں تین مسلمان بھی اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے منافقین کے دھوکہ میں آ گئے۔ ان میں مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش شامل ہیں۔ ان پر حد قذف جاری کی گئی اور وہ اپنی غلطی سے تائب ہوئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سب سے زیادہ رنج مسطح بن اثاثہ سے پہنچا کیونکہ وہ آپؓ کے زیر کفالت تھا اور قرابت داری کی وجہ سے آپ اسے گھر کے ایک فرد کی طرح سمجھتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ ''میں قرابت کے باعث مسطح بن اثاثہ کے ساتھ مالی معاونت کیا کرتا تھا کیونکہ وہ غریب تھا پس میں نے اس واقعہ میں اس کے طرز عمل کے باعث یہ ارادہ کر لیا تھا کہ مسطح کے ساتھ کبھی بھی مالی تعاون نہیں کروں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ ''تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب ثروت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ کی مدد نہ کریں گے۔ انہیں معاف کر دینا چاہیے اور

درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور الرحیم ہے"۔ (سورۃ النور) پس جب میں نے رب تعالیٰ کا یہ حکم سنا تو میں نے کہا کہ "اللہ کی قسم میں مسطح بن اثاثہ کی مالی معاونت کبھی بند نہیں کروں گا"۔

اس واقعہ کے بعد سرکار دو عالم ﷺ کے دل میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مقام و مرتبہ اور بلند ہو گیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک دفعہ شافع محشر ﷺ سے پوچھا "یارسول اللہ ﷺ! آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟"

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "عورتوں میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور مردوں میں اس کا والد حضرت ابوبکرؓ"

ایک موقع پر ساقی کوثر ﷺ نے ارشاد فرمایا "مردوں میں بہت کامل گزرے لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل نہ ہوئی جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر" (بخاری)

ایک اور سفر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے شوہر نامدار امام کائنات حضرت محمد ﷺ کے ہمرکاب تھیں۔ آپ کے گلے میں ہار تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ اور دیگر بہت سے صحابہ کرامؓ بھی شریک سفر تھے صحراء میں ایک جگہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گلے کا ہار اس سفر میں بھی ٹوٹ کر گر گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فوراً سرکار دو عالم ﷺ کو ہار کے گرنے کی اطلاع دی۔ صبح قریب تھی۔ سردار عالم ﷺ نے قافلے کو پڑاؤ کا حکم ارشاد فرمایا اور بعض صحابہ کرامؓ کو ہار کی تلاش پر مامور کیا۔ ہار کا کہیں سراغ نہ ملا۔

اتفاق یہ کہ جہاں فوج نے پڑاؤ ڈالا وہاں مطلق پانی نہ تھا۔ اتنے میں نماز صبح کا وقت ہو گیا۔ وضو کے لیے پانی موجود نہیں تھا۔ صحابہ کرامؓ کے دلوں میں تشویش کی لہر دوڑنے لگی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ صورتحال دیکھی تو اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کہا۔

"بیٹی آپ کی وجہ سے قافلے والے پریشان ہیں۔ نماز کا وقت گزرتا جا رہا ہے۔ یہاں

وضو کے لیے پانی میسر نہیں اور یہ سب کچھ تمہارے ہار گم ہونے کے باعث قافلے کے یہاں پڑاؤ کی وجہ سے ہوا ہے''۔

عین اس موقع پر تیمم کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں رب تعالیٰ نے فرمایا ''اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا آئے کوئی تم میں سے قضائے حاجت سے یا ہاتھ لگایا ہو تم نے اپنی عورتوں کو۔ پھر نہ پاؤ پانی تو تیمم کرلو پاک مٹی سے اور ہاتھ پھیرو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے''۔ (سورۃ النساء)

قرآن حکیم کا یہ حکم سنتے ہی صحابہ کرامؓ کی پریشانی دور ہو گئی اور وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تعریف وتوصیف کرنے لگے کہ جن کی بدولت انہیں یہ سہولت میسر آئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تیمم کی سہولت نازل ہونے سے خاص مسرت حاصل ہوئی اور آپؓ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مخاطب ہو کر تین بار کہا۔

''بیٹی! بے شک تو بڑی مبارک ہے تو بڑی عظیم اور بابرکت ہے۔ تیری وجہ سے آسمان سے ایسا حکم نازل کیا گیا ہے جو قیامت تک امت کے لیے باعث رحمت بن گیا۔ تیرے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کتنی آسانی اور سہولت بخش دی۔'' بعد ازاں روانگی کے لیے اونٹ کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے سے گرا ہوا ہار بھی مل گیا۔ (بخاری)

9 ہجری تک لشکر اسلام کا سرزمین عرب کے بیشتر صوبوں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ مرکز اسلام مدینہ منورہ میں مال و دولت کی فراوانی ہو چکی تھی۔ قومی خزانہ بھرتا جا رہا تھا۔ ازواج مطہرات میں بیشتر سرداران قبائل کی شہزادیاں تھیں۔ جنہوں نے اپنے گھروں میں ناز و نعم میں زندگی بسر کی تھی مگر سرور کائنات ﷺ کی زندگی ایک درویشانہ زندگی تھی۔ فتح خیبر کے بعد غلہ اور کھجوروں کی جو مقدار ازواج مطہرات کے لیے مقرر تھی ایک تو وہ خود کم تھی، پھر فیاضی اور کشادہ دستی کے سبب سال بھر تک بمشکل کفایت کرسکتی تھیں آئے دن گھر میں فاقہ ہوتا تھا۔ کئی کئی روز آنحضور ﷺ کے گھروں میں آگ نہ جلتی تھی اور کھانا نہ پکتا تھا۔ ستو، کھجور، بکری کے دودھ اور کبھی صرف پانی پر

گزارہ ہوتا تھا۔ لیکن جب ازواج مطہراتؓ نے مدینہ منورہ کی دوسری عورتوں کو دیکھا کہ وہ عمدہ خوراک کھاتی ہیں۔ اچھے کپڑے پہنتی ہیں اور روپے پیسے میں کھیلتی ہیں تو ان کے دل میں بھی خیال پیدا ہوا کہ وہ سرکار دو عالم ﷺ سے اپنے خرچ بڑھانے کا مطالبہ کریں۔

ازواج مطہراتؓ کے دلوں میں یہ خیال آنے کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ جب غنیمت کا مال آتا اور سونے چاندی و جواہرات کے بڑے بڑے ڈھیر لگ جاتے تو سردار الانبیاء حضرت محمد ﷺ سب مسلمانوں کے گھر مال و دولت سے بھر دیتے لیکن اپنے لیے اور اپنی ازواج مطہراتؓ کے لیے کوئی چیز نہ رکھتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ انصار و مہاجرینؓ اپنی زندگی خوشحالی میں بسر کرتے جبکہ سرکار دو عالم ﷺ کے گھروں میں برابر فقر و فاقہ اور تنگ دستی دکھائی دیتی۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابو بکر صدیقؓ در اقدس پر تشریف لائے تو دیکھا کہ دروازے پر لوگ بیٹھے ہیں اور کسی کو حاضری کی اجازت نہیں ملی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اجازت مل گئی اور وہ اندر چلے گئے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ تشریف لے آئے۔ ان کو بھی اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جب خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ بیچ میں سرور کائنات ﷺ اور ادھر ادھر بیویاں بیٹھی ہوئی ہیں اور مصارف کی مقدار بڑھانے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ دونوں نے اپنی اپنی صاحبزادیوں یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہؓ کو سختی سے منع کیا کہ وہ آنحضور ﷺ سے ایسا مطالبہ نہ کریں جو آپ ﷺ کے مزاج اور طبعیت کے خلاف ہے۔ چنانچہ دونوں ازواج مطہراتؓ نے اپنے اپنے والد کے کہنے پر اپنے مطالبہ سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ مگر دیگر ازواجؓ اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔

نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو تمام ازواج مطہرات کا یکجا ہو کر مطالبہ کرنے کا انداز پسند نہ آیا۔ اور یوں آپ ﷺ اپنی ازواج مطہراتؓ سے خفا ہو گئے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ سے متصل ایک بالا خانہ تھا جو گویا ان کا توشہ خانہ تھا (صحیح بخاری) آنحضور ﷺ نے یہیں قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات

سے نہ ملیں گے۔

تمام ازواج مطہرات اس صورتحال سے آزردہ تھیں۔ وہ سب اپنے کیے پر نادم تھیں۔ شریر لوگوں کو ایک بار پھر موقع مل گیا کہ کوئی افواہ پھیلائیں۔ چنانچہ انہوں نے اس واقعہ کے ہوتے ہی افواہ پھیلا دی کہ ہادی کون و مکاں ﷺ نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ صحابہ کرامؓ پہلے ہی اس واقعہ سے غمگین تھے۔ طلاق کی افواہ نے انہیں اور بھی صدمہ پہنچایا۔ وہ مسجد میں بیٹھ کر رویا کرتے تھے۔ ان کے غم والم کی وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضور ﷺ کو ایک لمحہ کے لیے بھی مغموم نہیں دیکھ سکتے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا بیان ہے" جب رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کی تو میں مسجد کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ لوگ فرش پر کنکریاں مار رہے ہیں۔ اور زاروقطار رو رو کر کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کو طلاق دے دی۔ میں اصل حقیقت معلوم کرنے کے لیے بالا خانہ پر پہنچا جہاں آنحضور ﷺ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اور اس گوشہ نشینی کے دوران تمام ملاقاتیوں کو منع کر دیا گیا تھا کہ کوئی آپ ﷺ کو ملنے بالا خانے نہ آئے۔ تاہم میں نے بالا خانے پہنچنے پر دیکھا کہ آپ ﷺ کا غلام رباحؓ بالا خانہ کی چوکھٹ کے زینہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ زینہ لکڑی کا تھا جس پر سے آنحضور ﷺ چڑھا اور اترا کرتے تھے۔ میں نے رباحؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضور ﷺ سے میرے لیے اجازت طلب کرو۔ رباحؓ نے یہ سن کر ایک نظر بالا خانے پر ڈالی اور اس کے بعد میری طرف دیکھا اور خاموش رہا۔ اس کے بعد میں نے بلند آواز سے کہا: رباحؓ! سرور کائنات ﷺ سے میرے لیے اجازت طلب کرو۔ میرا خیال ہے شاید آنحضور ﷺ نے یہ سمجھا ہے کہ میں حفصہؓ کی وجہ سے آیا ہوں۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آنحضور ﷺ مجھے حفصہؓ کی گردن اڑا دینے کا حکم دیں گے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ یہ الفاظ میں نے بلند آواز سے کہے۔ یہ سن کر رباحؓ نے اشارہ کیا کہ اوپر آ جاؤ۔ چنانچہ میں آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ چٹائی پر لیٹے

ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ ﷺ کے پہلو پر نمایاں تھے۔ میں نے وہاں ایک صاع کے قریب ''جو'' دیکھے۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے کہا'' یہ آپ ﷺ کی حالت ہے اور دوسری طرف دشمنان دین ہیں جو پھلوں کے باغات کے مالک ہیں اور محلات میں رہتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں''۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا'' کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ہمارے لیے آخرت ہو اور ان کے لیے دنیا''۔

میں نے کہا:'' ہم اس پر راضی ہیں''۔

پھر میں نے پوچھا: '' یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی!''

آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''نہیں''

میں نے دریافت کیا: '' کیا میں نیچے جا کر لوگوں کو یہ خبر دے دوں کہ آنحضور ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی ہے۔''

آنحضور ﷺ نے فرمایا: '' اگر تم پسند کرو تو ایسا کر سکتے ہو''۔ اس کے بعد میں مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہوا اور بہت بلند آواز سے پکار کر کہا'' رسول اللہ ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کو طلاق نہیں دی ہے''۔ (صحیح مسلم)۔

ختم المرسلین ﷺ نے ایک ماہ کے لیے ازواج مطہرات سے علیحدہ رہنے کا فرمایا تھا۔ یہ مہینہ 29 روز کا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں۔ '' میں ایک ایک روز گنتی تھی''۔ 29 دن ہوئے تو سرور کائنات ﷺ بالا خانے سے اتر آئے۔ اور سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی۔

'' یارسول اللہ ﷺ! آپ نے ایک ماہ کے لیے عہد فرمایا تھا۔ ابھی تو 29 دن ہوئے ہیں''۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا ''مہینہ کبھی 29 دن کا بھی ہوتا ہے''۔ اس خلوت نشینی کے دوران سردارِ دو عالم ﷺ کو ازواج مطہراتؓ کے مطالبے کی بناء پر کبیدہ خاطر دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:۔

''اے نبی ﷺ! اپنی ازواجؓ سے کہہ دو اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ تمہیں دنیاوی فوائد دے کر احسن انداز میں رخصت کروں۔ اور اگر تم اللہ، رسول ﷺ اور آخرت چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیک عورتوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے'' (الاحزاب)

شافع محشر ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا ''عائشہؓ! میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دینا''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی ''ارشاد فرمایئے یارسول اللہ ﷺ!''

آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ! میں قربان! میرے ماں باپ قربان! میں اس سلسلے میں بھلا اپنے والدین سے مشورہ کیوں کروں۔ میں اللہ اور رسول ﷺ کو پسند کرتی ہوں۔ مجھے دنیا نہیں چاہیے''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ جواب سن کر آنحضور ﷺ کے چہرۂ اطہر پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی ''یارسول اللہ! میرا جواب دوسری ازواجؓ پر ظاہر نہ ہو''

آنحضور ﷺ نے فرمایا ''میں معلم بن کر آیا ہوں جابر بن کر نہیں آیا'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تمام ازواج مطہراتؓ نے وہی مؤقف اختیار کیا جو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کیا تھا اور یوں تمام گھروں میں چہل پہل دوبارہ لوٹ آئی۔ دراصل ازواج مطہرات توسیع نفقہ کی طالب تھیں جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کی رضامندی کی خاطر اپنے دامن کو دنیا سے قریب نہیں

رکھنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ آخرت کے طالب تھے اور یہی بات ازواج مطہراتؓ کو بھی سکھانا چاہتے تھے جس میں آپ ﷺ کو کامیابی نصیب ہوئی اور یوں آپ ﷺ کی تمام ناراضی جاتی رہی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا آنحضور ﷺ کی دوسری ازواج مطہراتؓ کیساتھ بہت اچھا سلوک تھا۔ جب کہیں کسی زوجہ مطہرہؓ کی تعریف کا موقع آتا تو آپؓ کھل کر تعریف کرتیں۔ آپؓ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے بارے میں فرماتی تھیں کہ ان کے سوا کوئی عورت ایسی نہیں ہے جس کا رتبے میں زیادہ ہونا مجھے پسند ہو۔ حضرت صفیہؓ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا خیال تھا کہ ان سے اچھا کھانا پکانے والی کوئی عورت نہیں ہے۔ حضرت زینب بنت جحشؓ کے لیے ان کی رائے میں ان سے متقی اور سخی اور عورت کوئی نہ تھی۔ حضرت میمونہ بنت حارثؓ کے لیے فرماتی تھیں کہ ان سے زیادہ پاکیزہ اور پرہیز گار کوئی نہیں ہے جبکہ آپ حضرت جویریہ بنت حارثؓ کو بہت دلکش اور جاذب نظر سمجھتی تھیں۔ جہاں تک حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ کا تعلق ہے ان سے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گہری دوستی تھی اور دونوں ہر بات میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتی تھیں اور آپس میں گہری سہیلیوں کی طرح رہتی تھیں جب کہ بعض اوقات کسی معاملہ میں ایک ہی رائے قائم کر کے اس کو روبہ عمل لاتی تھیں۔ اس حوالے سے ایک مشہور مثال واقعہ تحریم کی ہے جس کا ذکر رب تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورۃ تحریم میں کیا۔ اس وجہ سے اسے واقعہ تحریم کہتے ہیں۔

واقعہ تحریم کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ سرور کائنات ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ نماز عصر کے بعد تھوڑی دیر تک ازواج مطہراتؓ کے پاس جا کر بیٹھتے تھے۔ اگرچہ آنحضور ﷺ کے عدل کا یہ عالم تھا کہ ذرا بھر بھی کسی کی طرف پلہ جھک نہیں سکتا تھا۔ لیکن اتفاقاً حضرت زینب بنت جحشؓ کے ہاں چند روز تک معمول سے زیادہ دیر تک تشریف فرما رہے جب کہ اوقات مقررہ پر تمام ازواج مطہراتؓ کو آپ ﷺ کی آمد کا انتظار تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے

دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے کسی عزیز نے شہد بھیجا ہے۔ چونکہ شہد سردار دو جہاں حضرت محمد ﷺ کو بے انتہا مرغوب تھا۔ وہ روزانہ آپ ﷺ کو شہد پیش کرتی ہیں جبکہ آپ ﷺ اخلاقاً انکار نہیں فرماتے۔ اس سے تھوڑی سی دیر ہو جاتی ہے اور یوں روزانہ کے معمول میں ذرا فرق آ گیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت حفصہ بنت عمرؓ اور حضرت سودہ بنت زمعہؓ سے ذکر کیا کہ اب جب حضور ﷺ آئیں تو ہر کوئی آپ ﷺ سے یہ کہے کہ آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔

ازواج مطہراتؓ کو معلوم تھا کہ سرور کائنات ﷺ نظافت پسند ہیں اور ذرا سی بو کو بھی پسند نہیں کرتے۔ شہد کی مکھیاں جس قسم کے پھولوں کا رس چوستی ہیں شہد کی مٹھاس میں اس قسم کی لذت اور بو ہوتی ہے۔ عرب میں مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کی بو میں ذرا نبیذ کی سی کرختگی ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت حفصہ بنت عمرؓ اور حضرت سودہ بنت زمعہؓ کے پاس باری باری جب آنحضور ﷺ حضرت زینب بنت جحشؓ کے ہاں سے شہد کا شربت پی کر پہنچے تو سب نے ایک ہی بات کی ''یارسول اللہ! کیا آپ نے شاید مغافیر کا شہد تو نہیں کھایا کیونکہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے؟''

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ازواج مطہراتؓ کے کہنے کی بناء پر آپ کو شہد سے کراہت سی پیدا ہو گئی اور آپ ﷺ نے عہد کیا کہ ''اب شہد نہیں کھاؤں گا لیکن کسی زوجہ مطہرہؓ کو بتانا نہیں تا کہ وہ کبیدہ خاطر نہ ہو''۔

چونکہ یہ سردار دو جہاں حضرت محمد ﷺ کا فعل مبارک تھا جس سے رہتی دنیا تک لوگوں نے سبق حاصل کرنا تھا اور اس پر عمل کرنا تھا اس لیے رب کائنات نے سورۃ تحریم کی ابتدائی آیات میں سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

"اے نبی ﷺ! اللہ نے جو چیز تمہارے لیے حلال کی ہے اسے اپنی ازواج کی خاطر اپنے اوپر حرام کیوں کرتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنتے ہی نبی مکرم حضرت محمد ﷺ نے شہد نہ کھانے کا جو عہد کیا تھا وہ ختم کر دیا اور شہد نوش فرمایا۔ دراصل حضرت عائشہ صدیقہؓ عشق رسول ﷺ اور حب نبوی ﷺ کی وجہ سے چاہتی تھیں کہ آنحضور ﷺ ان کے پاس زیادہ دیر ٹھہریں اور اگر زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے تو پھر کسی اور زوجہ مطہرہؓ کے پاس بھی ان کو زیادہ دیر نہ ٹھہرنے دیا جائے جبکہ آنحضور ﷺ کے دل میں ایسا کوئی خیال نہیں تھا۔ آپ کو تو محض شہد پینے کی وجہ سے حضرت زینب بنت جحشؓ کے ہاں معمولی سی دیر ہو جاتی تھی کیونکہ حضرت زینب بنت جحشؓ بھی حب نبی ہی میں چاہتی تھیں کہ کسی طرح سرور کائنات ﷺ ان کے ہاں کچھ لمحے اور ٹھہر جائیں اور تمام ازواج مطہراتؓ بھی یہی چاہتی تھیں۔ اس واقعہ سے ہمیں علم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کی ازواج مطہراتؓ آپ سے کس درجہ محبت کرتی تھیں جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ تو اس معاملے میں سب سے آگے تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ آنحضور ﷺ کو جب بھی کبھی کسی قسم کی کوئی معمولی سی پریشانی پیش آتی تھی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ ازحد مغموم ہو جایا کرتی تھیں۔ آپؓ ہمہ قسم کی کوشش کرتی تھیں کہ آنحضور ﷺ ہر لحظہ خوش و خرم رہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے شوہر نامدار کی پیشانی مبارک پر کسی پریشانی کے ہلکے سے آثار دیکھنا بھی گوارا نہیں کر سکتی تھیں جبکہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات مبارک سے بلاوجہ عداوت اور حسد دشمنان اسلام کا وطیرہ تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں "خیبر کے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ کے مشہور جادوگر لبید بن اعصم کے پاس آیا اور اپنی بپتا بیان کی اور کہا کہ سرور کائنات ﷺ نے ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے۔ ہم نے کئی سازشیں کیں، منصوبے بنائے مگر ناکام رہے۔ ہم تمہیں بھاری نذرانہ دیں گے اگر تم رسول کریم ﷺ پر کسی قسم کا سحر کر دو۔ چنانچہ لبید بن اعصم نے ایسا

کرنے کی حامی بھرلی۔ اس جادو کے اثر سے آنحضور ﷺ تکلیف محسوس کرنے لگے۔ اس سے مجھے بھی بے حد پریشانی ہوتی تھی''۔

اس جادو سے ختم المرسلین ﷺ کو کس قسم کی تکلیف محسوس ہوتی تھی اس ضمن میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ'' آنحضور ﷺ کی طبعیت گھٹنے لگی۔ نقاہت بڑھنے لگی جبکہ بظاہر اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی تھی''۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ'' ایسا کام جو نہ کیا ہوتا۔ اس کے بارے میں آنحضور ﷺ کو خیال ہوتا کہ کرلیا گیا ہے''۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی بالکل یہی بات کہی ہے۔

کتب احادیث میں اس جادو کے اثرات کے بارے میں جتنی روایات ملتی ہیں ان کا خلاصہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کو جسمانی طور پر نقاہت و کمزوری محسوس ہوتی لیکن ایسی کوئی روایت نہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ فرائض نبوت میں کوئی بال برابر بھی فرق آیا ہو۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ نماز کے ارکان کی ادائیگی میں تقدیم و تاخیر سرزد ہوئی ہو یا تلاوت قرآن کے وقت نسیان ہوا ہو۔ یا مملکت اسلامیہ کی توسیع اور استحکام یا اسلام کی تبلیغ میں کوئی معمولی سا رخنہ بھی پیدا ہوا ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے شوہر نامدار حضرت محمد ﷺ کے لیے لمحہ لمحہ دعا گو رہتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بتاتی ہیں کہ'' جب تکلیف زیادہ بڑھی تو آنحضور ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اسی رات آنحضور ﷺ کو رب تعالیٰ نے خواب میں حقیقت حال سے آگاہ فرمادیا''۔

چنانچہ آنحضور ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بتایا کہ '' اے عائشہؓ! میں نے اپنے رب سے جس بات کے بارے دریافت کیا تھا میرے رب نے مجھے اس کے متعلق بتادیا ہے''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی'' یارسول اللہ ﷺ ! آپ کو کیا بتایا گیا ہے مجھے بھی تو بتائیے!''

ہادی کون و مکاں نے فرمایا ''اے عائشہؓ! میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کے نزدیک۔ اس کے بعد انہوں نے آپس میں سوال و جواب کی شکل میں گفتگو شروع کر دی۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا ''انہیں کیا تکلیف ہے؟''

دوسرے نے جواب دیا ''ان ﷺ پر جادو کیا گیا ہے''۔

پہلے نے پوچھا ''جادو کس نے کیا ہے؟''

دوسرے نے جواب دیا ''لبید بن اعصم نے''

پہلے نے پوچھا ''جادو کس طرح کیا گیا ہے؟''

دوسرے نے جواب دیا ''کنگھی کے ایک ٹکڑے کو اور چند بالوں کو نر کھجور کے خوشہ کے پردے میں رکھ کر ذی اروان کے کنوئیں کہ تہہ میں ایک پتھر کے نیچے چھپایا گیا ہے''۔

پہلے نے پوچھا ''اب کیا کرنا چاہیے''۔

دوسرے نے جواب دیا ''اس کنوئیں کا سارا پانی نکال دیا جائے پھر اس پتھر کے نیچے سے ان چیزوں کو نکالا جائے''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بتاتی ہیں کہ ''آنحضور ﷺ نے فوراً حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس مقصد کے لیے اس کنویں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے پانی نکال کر اس کنویں کو خشک کیا۔ اتنے میں آنحضور ﷺ خود بھی وہاں تشریف لے گئے۔ پتھر کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے سے وہ غلاف نکلا۔ اسے کھولا تو اس کے اندر کنگھی کا ایک ٹکڑا، چند بال جو تانت کے ایک ٹکڑے میں بندھے ہوئے تھے اور اس تانت میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں''۔

اسی اثناء میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر سنائیں اور عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! آپ ان سورتوں کی ایک ایک آیت

پڑھتے جائیں اور ایک ایک گرہ کھولتے جائیں''۔ چنانچہ دونوں سورتوں کی گیارہ آیتیں پڑھی گئیں۔ ان کی تلاوت سے گیارہ گرہیں کھلیں۔ اس طرح محبوب رب العالمین ﷺ کی طبیعت ہشاش بشاش ہوگئی اور جادو کا سارا اثر جاتا رہا۔ آنحضور ﷺ کو ذات باری تعالیٰ کے اذن اور فضل وکرم سے صحت یابی نصیب ہوئی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے از حد خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نہ صرف حالت امن میں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا بلکہ عرصہ جنگ میں بھی آپؓ مقدور بھر تعاون کرتی رہیں۔ دشمنان اسلام کے خلاف پہلے معرکہ غزوہ بدر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اوڑھنی سے پرچم تیار کیا گیا تھا۔ اس جھنڈے کو ''مرط عائشہؓ'' کہا جاتا ہے۔ اور اسی مبارک ومطہر جھنڈے تلے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیر قیادت مسلمانوں نے ڈٹ کر کافروں کا مقابلہ کیا اور رب ورحمٰن کی مدد سے فتح حاصل کی۔ غزوۂ احد میں بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ ساتھ ساتھ رہیں۔ آپؓ پانی کی مشک بھر کر لاتیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ غزوۂ احد میں جب سرور کائنات ﷺ زخمی ہوئے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دوسری نیک عورتوں کی مدد سے شافع محشر ﷺ کے زخم دھوئے اور تیمارداری کی۔ غزوۂ خندق میں جب مسلمان محصوری کی حالت میں تھے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ متفکر رہتی تھیں اور زنانہ قلعہ سے نکل کر حالت جنگ دیکھتی رہتی تھیں مگر یہ سب کچھ حکم حجاب سے پہلے کا عمل تھا۔ (مسند احمد)

حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے شوہر نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہر تبلیغی کاوش میں نہ صرف سرگرم رہیں بلکہ امت مسلمہ کو آنحضور ﷺ کی حیات مبارکہ کی تمام جزئیات بھی آپؓ ہی نے بتائیں۔ بدر کے بعض واقعات، غزوۂ احد کی کیفیت، غزوہ خندق کے بعض واقعات، غزوہ بنی قریظہ کی بعض جزئیات، غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت، فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے واقعات کے ضروری اجزاء حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ذریعہ ہی ہمیں معلوم

ہوئے ہیں۔ (بخاری، مسند احمد)

اسی طرح عرب میں جاہلیت کی رسوم اور معاشرتی حالات کے حوالے سے نادر معلومات حدیث کی کتب میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے منقول ہیں۔ مثلاً عرب میں شادی کے کتنے طریقے تھے؟ طلاق کی کیا صورت ہوتی تھی؟ شادیوں میں کیا گایا جاتا تھا؟ عربوں کے روزہ کا دن کونسا تھا؟ قریش حج میں کہاں اترتے تھے؟ (ترمذی، طبرانی)۔

اسلام کے بعض اہم تاریخی واقعات مثلاً ہجرت، واقعہ افک، قرآن کس ترتیب سے نازل ہوا؟ اسلام میں نماز کی کیا کیا صورت پیدا ہوئی؟ سرکار دو عالم ﷺ کے مرض الوصال کی شروع سے آخر تک مفصل کیفیت کو صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کی زبان سے امت مسلمہ نے جانا۔ اسی طرح سرور کائنات ﷺ کی سیرت مبارکہ کے متعلق صحیح اور مفصل معلومات، آپ ﷺ کی عبادت شبانہ، آپ ﷺ کے خانگی مشاغل، آپ ﷺ کے ذاتی اخلاق کا صحیح نقشہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ہمیں کھینچ کر بتایا۔ پھر آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت اور اس کے بعد حضرت معاویہؓ کے دور تک کے مفصل حالات صحیح روایات کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ذریعہ ہی امت مسلمہ کو معلوم ہوئے۔ (بخاری، مسند احمد)

حضرت عائشہ صدیقہؓ صحیح معنوں میں محسنہ امت مسلمہ ہیں کہ جنہوں نے شفیع المذ نبین، رحمتہ للعالمین ﷺ کے نادر و نایاب ارشادات اور قابل تقلید حقائق و حکمتیں ہم تک پہنچائیں اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے تمام تر حسین گوشوں کو ان کی تمام تر جزئیات و تفصیلات کے ساتھ بیان کر کے قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے رہنمائی کا سامان فراہم کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ذریعہ ہی ہمیں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کب کب بے چینی محسوس فرماتے تھے۔ مثلاً حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب آسمان پر بادل کا ٹکڑا دیکھتے تو بے چین ہو کر کبھی آگے جاتے، کبھی پیچھے ہٹتے، کبھی اندر جاتے، کبھی

باہر نکلتے جبکہ آپ ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ تبدیل ہو جاتا تھا۔ جب آسمان سے باران رحمت کا نزول ہونے لگتا تو اس وقت آپ ﷺ کو تسکین ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے ''میں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ایسے موقع پر بے چین کیوں ہو جاتے ہیں؟''

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''میں پریشان اس لیے ہو جاتا ہوں کہ کیا خبر شاید یہ اسی طرح ہو جیسا قوم عاد نے دیکھا''۔(بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں ''آنحضور ﷺ نماز کو اللہ اکبر اور قرأت کو الحمدللہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے اور جب آپ ﷺ رکوع فرماتے تو سر کو نہ بہت اونچا رکھتے تھے نہ بہت نیچا بلکہ درمیان میں رکھتے تھے اور جب آپ ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے تو جب تک بالکل سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے، سجدہ میں نہ جاتے تھے۔ اور جب آپ ﷺ سجدہ سے سر کو اٹھاتے تو جب تک ٹھیک طرح سے بیٹھ نہ جاتے دوسرے سجدہ میں نہ جاتے تھے۔ (مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت اس درجہ قیام فرمایا کرتے کہ دونوں قدم مبارک پھٹ جاتے۔ آپ ﷺ برابر روتے رہتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک، گود مبارک اور زمین تر ہو جاتی۔ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! آپ ﷺ اس قدر گریہ وزاری کیوں کرتے ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا'' کیا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں رب تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بنوں''
(بخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں نے ایک مرتبہ ایک بکری ذبح کی تو رسول رحمت ﷺ نے مجھ سے پوچھا:

''عائشہؓ! اس بکری میں سے لوگوں کو صدقہ وخیرات کر کے باقی کیا رہا؟''

میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! مونڈھے کے سوا کچھ باقی کچھ نہیں رہا''

رحمتہ للعالمین ﷺ نے فرمایا ''مونڈھے کے سوا سب کچھ باقی رہا'' یعنی خدا کی راہ میں جو کچھ دے دیا وہی باقی رہا۔ (مسلم)

مفسر قرآن مجسم حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اے عائشہؓ'' ! اگر تم مجھ تک پہنچنا اور مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو تمہارا دنیا سے اتنا فائدہ اٹھانا کافی ہے جتنا ایک سوار توشہ لے لے اور یاد رکھو کہ دولت مندوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرو اور ایک کپڑے کو پرانا کر کے اس وقت تک الگ نہ کرو جب تک کہ اس میں پیوند نہ لگا لو۔ (ترمذی)

سرور کائنات ﷺ کی پیاری رفیقہ حیات حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ مجھے رسول اکرم ﷺ نے دیکھا کہ میں نے ایک دن میں دو مرتبہ کھانا کھایا۔

خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہؓ! کیا تو پسند نہیں کرتی کہ پیٹ بھرنے کے علاوہ تیرا کوئی مشغلہ ہو؟ یاد رکھ کہ دن میں دو مرتبہ کھانا اسراف ہے اور اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا'' (بیہقی)

زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بتاتی ہیں کہ میرے پاس ایک غریب عورت آئی اور اس کے پاس کچھ تھا جو وہ مجھے تحفتاً دینا چاہتی تھی۔ مجھے اچھا معلوم نہ ہوا کہ میں اس غریب عورت سے تحفہ وصول کروں کیونکہ مجھے اس پر رحم آیا۔ جب میں نے یہ بات اپنے شوہر نامدار حضرت محمد ﷺ کو بتائی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا۔

''تو نے اس غریب عورت کے تحفہ کو کیوں نہ قبول کر لیا؟ تو اس کے بدلے میں اپنی طرف سے کوئی اور چیز اسے تحفتاً دے دیتی۔ میرا خیال یہ ہے کہ اے عائشہؓ! تو نے اسے حقیر سمجھا۔ تواضع اختیار کر۔ بے شک اللہ تعالیٰ تواضع کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک انصاری عورت آئی۔ اس نے

رسول اللہ ﷺ کے بستر کو دیکھا کہ پرانی پیوند لگی چادر ہے۔ اس نے میرے پاس ایک بستر بھیجا جس میں اون بھرا تھا۔ آنحضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

''اے عائشہؓ! یہ کیا ہے؟''

میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! فلاں انصاریہ آئی تھی۔ اس نے آپ ﷺ کے بستر کو دیکھا تو اس نے جانے کے بعد میرے پاس یہ بستر بھیج دیا ہے''۔

ختم المرسلین نے فرمایا: ''اے عائشہؓ! اسے واپس کردو۔ اللہ کی قسم اگر میں چاہوں تو رب کائنات میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلائے''۔ (بیہقی)

اس نوع کے نصیحت آموز اور بصیرت افروز واقعات جنہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بچشم خود دیکھا اور زبان رسالت مآب ﷺ سے سنا اور وہ پند و نصیحت جو سرور کائنات ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ کو فرمائیں وہ تمام امت مسلمہ کے لیے مشعل راہ ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے امت مسلمہ کو یہ سب باتیں اس لیے بتائیں تاکہ وہ ان فرمودات سے سبق اور رہنمائی حاصل کرے اور یوں اسے دنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات نصیب ہو۔

ہجرت کا دسواں سال تھا۔ محبوب رب العالمین ﷺ نے حج پر جانے کا ارادہ فرمایا اور تمام مسلمانوں کو بھی حج پر جانے کی ہدایت کی۔ اس سفر میں سرور کائنات ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ ساتھ دوسری تمام ازواج مطہراتؓ کو بھی ساتھ لے لیا۔ میدان عرفات میں ہادی کون و مکاں ﷺ نے جبل رحمت پر کھڑے ہو کر اپنا آخری اور تاریخی خطبہ دیتے ہوئے اعلان کیا کہ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے اشارۃً فرمایا کہ شاید یہ ان کی زندگی کا آخری حج ہو۔ آپ ﷺ کا یہ اشارہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے والد محترم حضرت ابوبکر صدیقؓ فوراً سمجھ گئے کہ سالار اعظم حضرت محمد ﷺ کا سفر حیات ختم ہو رہا ہے۔ اور سفر آخرت کی تیاری ہے کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت تاقیامت قائم ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے

والا نہیں تھا۔

حج سے مدینہ منورہ واپسی پر قرآن مجسم ﷺ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ مرض بڑھتا چلا گیا۔ ایک دن جب آپ ﷺ کی باری کا دن حضرت میمونہؓ کے حجرے میں تھا کہ آپ ﷺ کی علالت نے زور پکڑا تو آپ ﷺ نے تمام ازواج مطہراتؓ کو بلا کر ان کی رضا مندی سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں رہنا پسند فرمایا۔ آپ ﷺ کو حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عباسؓ نے سہارا دے کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے تک پہنچایا۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ مرض میں افاقہ ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔ سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ بار بار ہاتھوں کو پانی سے تر کر کے سر پر پھیرتے تھے۔ آپ ﷺ بہت بے چین ہو رہے تھے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے اس بیماری کی حالت میں اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو یاد فرمایا اور ان کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں۔ پھر بلا کر کان میں کوئی اور بات کہی تو وہ ہنس دیں۔ ہم نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے نبی آخر الزماں ﷺ کے وصال کے بعد اس بارے میں پوچھا تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کہنے لگیں "پہلے تو میرے والد محترم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے میرے کان میں یہ فرمایا تھا کہ میں اس بیماری سے بچنے والا نہیں ہوں۔ یہ سن کر میں رو دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم سب سے پہلے مجھے ملو گی تو میں ہنس دی"۔

ساقیٔ کوثر ﷺ کا آخری دنوں میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں قیام فرمانے سے شاید یہ مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کمال قوت حافظہ، بے مثال فہم و فراست اور لازوال اجتہاد فکر عطا فرمایا تھا اس لیے ان کی وجہ سے آپ ﷺ کے آخری اقوال و افعال کا ایک ایک حرف اور ایک ایک لمحہ دنیا میں محفوظ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کی کتب میں آپ ﷺ کے وصال کے بارے اکثر روایات حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی سے مروی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ اللہ کے کسی نبی کا اس وقت تک وصال نہیں ہوتا جب تک اسے دنیا و آخرت میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حق نہ دیا جائے۔ پس میں نے جب رسول مکرم ﷺ کو مرض وصال میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: **مع الذین انعم الله علیهم من النبین و الصدیقین و الشهداء و الصلحین و حسن اولیك رفیقا۔** (سورۃ النساء)

تو اس وقت میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رفاقت کو پسند فرمایا" (بخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ "جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوا کرتے تھے تو اعوذ باللہ والی قرآنی سورتیں پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور اپنے جسم اطہر پر اپنا دست مبارک پھیرتے۔ جب آپ ﷺ مرض وصال میں مبتلا ہوئے تو میں نے اعوذ باللہ والی سورتیں پڑھ کر دم کیا اور نبی رحمت ﷺ کے جسم مطہر پر ہاتھ پھیرا"۔ (بخاری)

نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے مرض کی شدت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی یہاں تک کہ مسجد میں امامت کے لیے بھی آپ ﷺ تشریف نہ لے جا سکے۔ صبح کی نماز میں لوگ آپ ﷺ کی آمد کے منتظر تھے۔ آپ ﷺ نے آنے کی کوشش کی مگر نقاہت کے باعث اٹھ نہ سکے۔ آخر حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ امامت کریں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں۔

"میں نے عرض کی کہ میرے والد محترم حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت رقیق القلب ہیں۔ وہ آپ ﷺ کی جگہ امامت نہ کرا سکیں گے بلکہ رونا شروع کر دیں گے۔ آپ ﷺ کسی اور کے لیے حکم صادر فرمائیں تو بہتر ہو"۔

لیکن سرور کائنات ﷺ نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ تم بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کرو۔ انہوں نے عرض کی تو آپ ﷺ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہو کہ وہ امامت فرمائیں۔ (بخاری)

چنانچہ حسب حکم رسول رحمت ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے امامت کرائی۔

ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ علالت سے پہلے کچھ اشرفیاں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس رکھوا کر بھول گئے تھے۔ اس وقت یاد آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہؓ! وہ اشرفیاں فوراً اللہ کی راہ میں خیرات کر دو'' چنانچہ وہ اسی وقت خیرات کر دی گئیں (مسند احمد)

زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ کے مرض وصال میں میرے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ حاضر ہوئے۔ ان کے پاس گیلی لکڑی کی مسواک تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کی جانب دیکھا تو میں نے اپنے بھائی سے مسواک لے لی۔ اسے چبایا، نرم کیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ ﷺ نے خوب مسواک کی اور یوں تمام ازواج میں مجھے یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں نبی آخرالزماں ﷺ نے میرا چبایا ہوا مسواک اپنے منہ میں لگایا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے شوہر نامدار ﷺ کی تندرستی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھیں جب کہ سردار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نزع کی حالت میں تھے۔ آپ ﷺ کا ہاتھ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ اچانک آپ ﷺ نے دست مبارک کھینچ لیا اور فرمایا:

''الھم الرفیق الاعلیٰ'' یعنی اے اللہ! بلند رفیقوں میں رکھ (بخاری) تین مرتبہ یہی کہا اور دو جہان کے والی، شافع محشر، ساقی کوثر، رحمتہ للعالمین ﷺ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

آپ ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں ہی جہاں آپ ﷺ نے وصال فرمایا سپرد خاک کیا گیا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بعد میں کافی عرصہ تک اسی حجرہ میں مقیم رہیں جہاں پر ختم المرسلین ﷺ مدفون تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فضائل کا سب سے زریں باب یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے وصال کے بعد ان ہی کے حجرہ مبارک کو پیغمبر عالم ﷺ

کا مدفن بننا نصیب ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان کے حجرہ میں تین چاند ٹوٹ کر گرے ہیں۔ انہوں نے اس کا ذکر اپنے والد محترم حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کیا تھا۔ جب ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اسی حجرہ میں مدفون ہوئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

''بیٹی عائشہؓ! ان تین چاندوں میں ایک یہ ہے جو ان میں سب سے بہتر ہے''

(موطا امام مالک) اور پھر چشم فلک نے دیکھا اور واقعات نے ثابت کیا کہ دوسرے دو چاند حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیوہ تھیں اور اسی عالم میں انہوں نے عمر کے چالیس سال طے کئے۔ تیرہ برس تک یعنی جب تک حضرت عمر فاروقؓ وہاں مدفون نہیں ہوئے تھے حضرت عائشہ صدیقہؓ بے حجاب وہاں آتی جاتی تھیں کیونکہ ایک شوہر نامدار تھا اور دوسرا والد ذی وقار البتہ حضرت فاروقؓ کی تدفین کے بعد آپؓ وہاں پر پردہ کے ساتھ جاتی تھیں۔

ازواج مطہراتؓ کے لیے دوسری شادی رب کائنات نے ممنوع قرار دی تھی۔ سورۃ الاحزاب میں ارشاد ربانی ہے کہ ''پیغمبر مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں''۔ مزید یہ کہ ''اور تمہیں مناسب نہیں کہ تم پیغمبر خدا کو اذیت دو اور نہ یہ کہ کبھی اس کی بیویوں سے اس کے بعد بیاہ کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بڑی بات ہے''۔

دراصل ازواج مطہراتؓ جو ایک مدت تک ہادی کون و مکاں ﷺ کی محرم اسرار رہیں ان کی بقیہ زندگی صرف اس لیے تھی کہ وہ اپنے شوہر نامدار محبوب خدا ﷺ کی تعلیمات اور فرمودات کو جب تک زندہ رہیں دہراتی رہیں۔ نہ صرف ان کا عملی نمونہ بنیں بلکہ چونکہ وہ امت کی مائیں ہیں اس لیے اپنے بیٹوں کو اس کی تعلیم بھی دیتی رہیں اور تربیت بھی کرتی رہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے خود امہات المومنینؓ کے فرائض مقرر کرتے ہوئے فرمایا:

"اے پیغمبر کی بیویو! تم عام اور معمولی عورتوں میں نہیں ہو۔ اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہا کرو۔ نمازیں پڑھا کرو۔ زکوٰۃ دیا کرو اور خدا اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو۔ اے اہل بیت نبوت ﷺ! تمہارے گھروں میں خدا کی آیتیں اور حکمت کی جو باتیں پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں ان کو یاد کیا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ پاک اور دانا ہے"۔ (الاحزاب)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آئندہ زندگی حرف بحرف ان ہی آیات الٰہی کی عملی تفسیر تھی۔ اور زمانہ گواہ ہے کہ مسلمانوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد زندگی کے مزید 40 سال اپنے روحانی بیٹوں کو علم و آگہی سے آراستہ کرنے میں گزارے۔ قرآن پاک کے شیدائی آستانہ عائشہ صدیقہؓ پر حاضر ہوتے اور قرآن کے معانی و مفہوم، آیات الٰہی کی تفسیر و تشریح معلوم کرتے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بصیرت افروز اور مدلل جوابات سے اپنی روحانی پیاس بجھاتے۔

حدیث پاک کے متوالے در عائشہ صدیقہؓ پر آتے اور ارشادات ختم المرسلین ﷺ اپنی ماں کی زبان مبارک سے سنتے اور اپنا دامن مراد احادیث کے خزانوں سے منور و مزین کرتے۔ سیرت محبوب رب العالمین ﷺ کے مشتاق آتے اور رہبر کائنات ﷺ کے مکارم اخلاق اور اسوہ حسنہ سے اپنے دل و دماغ روشن کرتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ان کی جھولیاں جواہر علم و حکمت سے بھر دیتیں۔ عورتیں دروازہ عائشہ صدیقہؓ پر دستک دیتیں تو حضرت عائشہ صدیقہؓ ان کے جملہ معاشرتی مسائل کا حل انہیں بتا دیتیں۔

نماز ہو یا زکوٰۃ، روزہ ہو یا حج، قرآن پاک ہو یا حدیث، فقہ ہو یا طب، شاعری ہو یا علم الانساب کوئی بھی ایسا علم اور معرفت کا کوئی بھی ایسا میدان نہیں تھا جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے امت مسلمہ کی رہنمائی نہ کی ہو۔ کوئی بھی علم ہماری ماں کے علمی خزانے سے باہر نہیں تھا۔ کوئی بھی مسئلہ دنیاوی زندگی سے متعلق ہو یا اخروی حیات کے بارے ہو حضرت عائشہ صدیقہؓ اس کا تسلی بخش جواب دیتیں اور اسرار رموز دین اسلام سے بلا تمیز غلام و آقا سب کی مشاورت فرماتیں۔

رہبر کائنات اور معلم کون و مکاں ﷺ کی تربیت یافتہ نے امت مسلمہ کی تربیت کا فرض بحسن و خوبی اس طرح انجام دیا کہ رہتی دنیا تک زندہ و پائندہ رہے گا۔

ہادی کون و مکاں حضرت محمد ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کے والد محترم اور آنحضور ﷺ کے یار غار حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسند نبوت کے اختتام پر مسند خلافت سنبھالی تو ازواج مطہراتؓ نے ایک روز چاہا کہ حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس وراثت حاصل کرنے کے لیے بھیجیں لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یاد دلایا کہ ساقی، کوثر ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں فرمایا تھا کہ ''ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہمارے تمام متروکات صدقہ ہوں گے''۔ یہ سن کر تمام ازواج مطہراتؓ نے اسے بخوشی تسلیم کر لیا۔ (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول رحمت ﷺ کی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آدمی بھیج کر اس مال کی میراث کو طلب کیا جو رب کائنات نے آنحضور ﷺ کو مدینہ اور فدک میں عطا فرمایا تھا اور خیبر کے خمس کا بقیہ بھی طلب فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ رسول خدا ﷺ کا فرمان ہے کہ ''ہمارے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا تاہم جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے''۔ اس مال میں سے صرف آل محمد ﷺ کھائے گی اور اللہ کی قسم! میں آنحضور ﷺ کے صدقہ میں کچھ تبدیلی نہ کروں گا۔ وہ جس حالت میں رہبر کون و مکاں ﷺ کے عہد میں تھا اسی پر باقی رکھوں گا اور اس میں وہی عمل کروں گا جو آنحضور ﷺ کیا کرتے تھے۔ ارشاد رسول اللہ ﷺ کو سنتے ہی حضرت فاطمۃ الزاہراؓ نے اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔ (مسلم)

دراصل محبوب رب العالمین ﷺ اپنی زندگی میں اپنے پاس رکھتے ہی کیا تھے جو آپ ﷺ کے وصال کے بعد تقسیم ہوتا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ نے درہم و دینار، جانور و مویشی وغیرہ کچھ بھی ترکہ میں نہیں چھوڑا۔ البتہ ولایت عامہ کے طریقوں سے مختلف اغراض و

مقاصد کے لیے چند باغ آپ ﷺ کے تصرف میں تھے۔ آنحضور ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں جس طرح اور جن مصارف میں ان کی آمدنی خرچ فرماتے تھے وہ خلافت راشدہ میں بالکل اسی حیثیت سے اور اسی طرح قائم رہے۔ سرورکائنات ﷺ اپنی زندگی میں ازواج مطہراتؓ بشمول حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سالانہ مصارف اسی جائیداد کی آمدن سے ادا فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے والد محترم حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان مصارف کو اسی طرح برقرار رکھا۔ (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے والد محترم حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عہد خلافت صرف دو برس رہا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وقت وصال قریب آیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ حاضر خدمت تھیں۔ باپ نے کچھ جائیداد بیٹی کو دی تھی اب دوسری اولاد کا سامان بھی ضروری تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ''اے عائشہ! کیا تم وہ جائیداد اپنے اور بھائیوں کو دے دو گی؟''

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ''ابا جان! کیوں نہیں۔ میں بسر و چشم آپؓ کی وصیت کی تعمیل کروں گی''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب ان کے والد محترم ابوبکر صدیقؓ کی وفات قریب ہوئی تو آپؓ نے قرآن حکیم کی یہ آیت پڑھی ''اور موت کی سختی قریب آ پہنچی، یہ موت وہ چیز ہے، جس سے تو بدکتا تھا'' (سورۃ ق) اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فرمان کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے پوچھا ''بیٹی عائشہ! آنحضور ﷺ کے کفن میں کتنے کپڑے تھے؟''

میں نے عرض کی ''تین سفید کپڑے'' پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی چادر دیکھی تو اس میں دھبے تھے۔ فرمایا ''بیٹی عائشہؓ! اسی کپڑے کو دھو کر اس کے ساتھ دو اور کپڑے ملا کر مجھے کفن دیا جائے''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی ''ابا جان! یہ کپڑا پرانا ہے''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ''مردوں کی بہ نسبت زندوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے''۔

اسی دن سہ شنبہ کی رات حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارک میں آنحضور ﷺ کے پہلو میں ادبا آپ ﷺ کی قبر مبارک سے کسی قدر پیچھے ہٹا کر دفن کیے گئے۔ اور یوں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خواب کے مطابق نبوت کے چاند کے ساتھ ایک خلافت کا چاند بھی حجرہ عائشہؓ میں طلوع ہو گیا۔ یوں حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بیوگی کے ساتھ اس کم عمری میں یتیمی کا سانحہ بھی برداشت کرنا پڑا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ بنے۔ آپؓ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں جن وانس کے شیطانوں کو دیکھتا ہوں کہ عمرؓ کو دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت اور مقام و مرتبہ کو جانتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو محبت تھی وہ حضرت عمر فاروقؓ پر عیاں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر ازواج مطہراتؓ کے لیے دس دس ہزار جب کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لیے بارہ ہزار سالانہ وظیفہ مقرر تھا۔ اس ترجیح کا سبب خود حضرت عمر فاروقؓ نے بیان فرما دیا تھا کہ ''حضرت عائشہ صدیقہؓ کو میں دو ہزار اس لیے زیادہ دیتا ہوں کہ آپ سرور کائنات ﷺ کو محبوب تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اگر کوئی جانور ذبح ہوتا تو عمر فاروقؓ سری اور پائے ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔

عراق کی فتوحات میں موتیوں کی ایک ڈبیہ مال غنیمت میں آئی تو حضرت عمر فاروقؓ نے اصحابؓ سے پوچھا ''اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں یہ ڈبیہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بھیج دوں۔ کیونکہ آپؓ حضور اکرم ﷺ کو محبوب تھیں''۔

سب نے بخوشی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ ڈبیہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بھیج دی گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ تک جب وہ ڈبیہ پہنچی تو آپؓ نے کھول کر اسے دیکھا اور

فرمایا۔ ''ابن خطابؓ نے حضور اکرم ﷺ کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کیے ہیں۔ اے اللہ! مجھے آئندہ ان کے عطیوں کے لیے زندہ نہ رکھنا''۔

حضرت عمر فاروقؓ کی خواہش تھی کہ وہ بھی حجرہ عائشہ صدیقہؓ میں سردار دو جہاں حضرت محمد ﷺ کے قدموں کے نیچے دفن ہوں مگر کہنے میں تامل تھا۔ نزع کے وقت اس تمنا سے بے تاب تھے۔ آخر اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس بھیجا کہ ان سے کہو۔ ''اے ام المومنینؓ! عمر آپؓ کو سلام کہتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اسے اپنے رفیقوں کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت دی جائے''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ''اگرچہ وہ جگہ میں نے خود اپنے لیے رکھی تھی مگر حضرت عمر فاروقؓ کی خوشی کی خاطر میں یہ قربانی دینے کو تیار ہوں''۔

اس اجازت کے باوجود بھی حضرت عمر فاروقؓ نے وصیت کی کہ ان کا جنازہ حجرہ عائشہ صدیقہؓ تک لے جا کر پھر اجازت طلب کرنا۔ اگر ام المومنینؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ اجازت دیں تو اندر دفن کر دینا ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں لے جانا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دوبارہ اجازت دی تو جنازہ اندر لے جا کر حضرت عمر فاروقؓ کو دفن کر دیا گیا۔ اور یوں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خواب کے مطابق تیسرا چاند بھی ان کے حجرہ مبارک میں اتر گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے وصال کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے مسند خلافت سنبھالی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا۔ ''اے عثمانؓ! امید ہے کہ اللہ پاک تمہیں ایک قمیض پہنائے گا اگر لوگ اس کو اتارنا چاہیں تو تم مت اتارنا''۔

حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کی مدت بارہ سال کے قریب ہے۔ آپؓ کی خلافت کا نصف زمانہ سکون اور اطمینان کا دور تھا اس کے بعد لوگوں کو ان سے شکایات پیدا ہوئیں ان لوگوں میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھائی محمد بن ابوبکر بھی شامل تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے

بھائی کو بلا کر کہا کہ تم باز آ جاؤ لیکن وہ کسی طرح نہ مانے۔ سال کے دستور کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ اسی اثنا میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ تشریف لے گئیں۔ آپؓ نے اپنے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو بھی ساتھ لے جانا چاہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی غیر موجودگی میں باغیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کر دیا آپؓ حج سے واپس آ رہی تھیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی۔ اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ مکہ مکرمہ واپس چلی گئیں۔

عام لوگوں کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو لوگ ہر طرف سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آنے لگے۔ انہوں نے طلب اصلاح کی دعوت دی اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے قرآن پاک کی سورۃ حجرات کی اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ ''اس قوم کی طرح کوئی قوم نہیں جو اس آیت کے حکم ربانی سے اعراض کرتی ہو'' ارشاد خداوندی ہے۔

''اگر مسلمان جماعتیں لڑ جائیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پس اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کرے اور جب رجوع کرے تو دونوں میں صلح کرا دو، اور انصاف کرو کہ اللہ پاک انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے منصب سنبھالا تو لوگوں نے ان سے قاتلان عثمان غنیؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا آپؓ نے فرمایا کہ لوگ تین حصوں میں منقسم ہیں۔ ایک طبقہ حامی ہے دوسرا باغی جب کہ تیسرا غیر جانبدار ہے۔ تاوقتیکہ لوگ ایک رائے پر جمع نہ ہو جائیں اور دل درست نہ ہو جائیں اس وقت تک قصاص ممکن نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دیکھا اور محسوس کیا کہ اس وقت اس مسئلے کو سلجھانے والا اور کوئی نہیں لہٰذا انہوں نے اصلاح بین المسلمین کے نظریہ کے تحت خود اس معاملہ کو سلجھانے کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ قافلہ کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں امہات المومنینؓ اور عام مسلمانوں نے دور تک مشایعت کی۔ لوگ ساتھ چلتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے کہ

''اسلام پر کیا دردناک وقت آیا ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہے، اور مادر اسلام ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے بیٹوں کی محبت میں حریم خلوت سے نکل رہی ہیں''۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قافلہ کی پیش قدمی کا سنا تو آپؓ بھی بصرہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے چل پڑے۔ آپؓ کے ساتھیوں میں سے بعض نے کہا کہ آپؓ آگے بڑھیں تاکہ مسلمان آپؓ کو دیکھیں تو شاید اللہ پاک ان میں صلح کرادے۔

مسند احمد بن حنبلؒ کی اس روایت اور اس قسم کی دوسری کئی ایک روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیش قدمی اور جماعت بندی سے مقصود اصلاح و فلاح امت مسلمہ اور صلح و امن کے سوا اور کچھ نہ تھا حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بصرہ کے قریب پہنچ کر واقعہ کی اطلاع کے لیے چند اشخاص کو بصرہ روانہ کیا۔ شہر کے عرب سرداروں کو خطوط لکھے جبکہ بصرہ کے بعض روساء کے گھروں پر بھی تشریف لے گئیں اور ان کو اپنی آمد کا مقصد بیان کیا اور تعاون طلب کیا۔

مخالفت اور موافقت کا طلاطم برپا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک نہایت پرجوش اور فصاحت و بلاغت کے جملہ لوازمات سے پر ایک تقریر کی آپؓ نے فرمایا۔

''اے لوگو! مختلف شہروں اور چشموں کے فتنہ پردازیوں اور اہل مدینہ کے غلاموں نے مل کر اس شہید امیر حضرت عثمان غنیؓ پر الزام لگایا کہ یہ امیر فتنہ پردازی کر رہا ہے اور جب وہ ان کا عیب و نقص ثابت نہ کر سکے تو سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے۔ اس طرح ان کے اقوال و افعال کا تضاد روز روشن کی طرح واضح ہو گیا اور انہوں نے وہ خون بہایا جس کا بہانا حرام تھا اور ایک محترم شہر کو خونریزی کے لیے حلال کر لیا اور وہ مال جس کا لوٹنا حرام تھا اسے لوٹ لیا اور وہ ماہ ذی الحجہ میں جس میں کفار تک سے جنگ حرام تھی اور جسے اللہ پاک نے معزز بنایا تھا انہوں نے خون عثمانؓ کے لیے حلال کر لیا۔ میں تم لوگوں کے اس اجتماع سے ان باغیوں کے خلاف مدد چاہتی ہوں تاکہ انہیں سزا دی جائے''۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تقریر اس قدر موثر، مدلل اور بلیغ تھی کہ ہر شخص بے اختیار

کہہ اٹھا۔ ''اللہ کی قسم! آپؓ سچ فرماتی ہیں'' اور اپنی صف سے نکل کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اصلاح طلب فوج میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس دوران حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنی فوج کے ہمرکاب بصرہ پہنچ چکے تھے۔

دوسرے روز دونوں طرف سے فوجیں آراستہ ہو کر میدان میں نکلیں حکیم نامی ایک شخص گورنر بصرہ کی فوج کا افسر تھا۔ اس نے خود جنگ میں پیش قدمی کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے ساتھیوں کو سکون اور صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا لیکن حکیم کسی طرح باز نہ آیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کر کے اپنی فوج کو پیچھے ہٹا لیا اور دوسرے میدان میں لا کھڑا کر دیا دراصل حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مقصد صرف اور صرف اصلاح بین المسلمین تھا۔ آپؓ خون خرابے سے ہر ممکن گریز کر رہی تھیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ مدینہ منورہ سے سات سو آدمی لے کر چلے تھے۔ کوفہ سے سات ہزار آدمی آپؓ کے ساتھ ہو لئے بصرہ پہنچتے پہنچتے بیس ہزار کا اجتماع ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہمرکاب تیس ہزار آدمی تھے دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئی تو ہر مسلمان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا کہ کل تک جو تلواریں دشمنان اسلام کے سر قلم کرتی تھیں اب اپنے ہی بھائیوں کے مقابل آ گئی ہیں۔

اس صورت حال میں دونوں جانب سے بعض لوگوں نے باہمی صلح کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ معاملہ بڑھ کر جنگ کی نوبت تک پہنچے کیونکہ سبائی دونوں کو آپس میں لڑانا چاہتے تھے۔ صلح جو اشخاص کی کاوشیں بارآور ہوئی اور سب نے صلح پر رضامندی ظاہر کی۔

اب ہر فریق مطمئن ہو گیا اور جنگ و جدل کا خیال ان کے دلوں سے محو ہو گیا۔ صلح کے احکام اور دیگر معاملات امن و آشتی کے ساتھ طے ہو جانے میں اب کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا۔ لیکن قاتلان عثمان غنیؓ نے جب یہ دیکھا کہ اگر حقیقت میں دونوں فریقین میں صلح ہو گئی تو پھر وہ

محفوظ نہیں رہ سکتے اور ہر حال میں ان سے قصاص لیا جائے گا۔ انہوں نے باہمی مشورہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لشکر پر پیش قدمی کر کے بھرپور حملہ کر دیا۔ جبکہ وہ رات کے پچھلے پہر آرام کی نیند سو رہا تھا۔ دفعتاً ان چند شرارتیوں نے ہر طرف آگ لگا دی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ لوگوں کو روک رہے تھے۔ مگر کوئی نہیں سنتا تھا ہر شخص بدحواس ہو کر ہتھیار کی طرف لپک رہا تھا دونوں فریقین یہ سمجھے کہ دوسرے نے بدعہدی کر کے حملہ کیا ہے۔

شور و غل سن کر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دریافت کیا تو آپؓ کو بتایا گیا کہ دوسری طرف کے لشکر نے ہمارے لشکر پر حملہ کر دیا ہے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پریشانی لاحق ہوئی کیونکہ آپؓ تو اصلاح بین المسلمین کے جذبہ کے تحت آئی تھیں۔ بصرہ کے قاضی حضرت کعبؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کی کہ آپؓ سوار ہو کر چلیں شاید آپؓ کی وجہ سے لوگ قتل و قتال سے رک کر صلح کر لیں۔ چنانچہ پھر مادر امت ام المومنینؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ اصلاح و صلح کے جذبہ کے ساتھ ایک آہنی ہودج میں اونٹ پر سوار ہر کر اپنی فوج کے قلب میں پہنچیں۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت طلحہؓ سب حضرات اس جنگ کو روکنے کی کوشش فرما رہے تھے۔ انہیں کوششوں میں حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ جیسے جید اور اکابر صحابہؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

دوپہر تک تو یہ جنگ نہایت خوفناک طریقے سے جاری رہی لیکن دوپہر کے بعد اس میں کافی کمی آ گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سپاہی فریق مخالف کے سپاہیوں کے صرف ہاتھ اور پاؤں پر وار کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ہر ممکن طریقہ سے ان کی جانوں کو بچانا چاہتے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے بھائی کو قتل کریں کیونکہ ان کا مقصود اس غیر متوقع جنگ کو روک دینا تھا لیکن قاتلان عثمان غنیؓ کی کوشش بالکل برعکس تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اونٹ اپنی جگہ پر کھڑا تھا آہنی ہودج تیروں کی مسلسل بارش سے چھلنی ہو رہا تھا حملہ آوروں میں سے جو شخص ادھر کا رخ کرتا واپس زندہ بچ کر نہ جاتا۔ مومنین کی ماں کے بیٹے اپنی والدہ پر اپنی جانوں کو قربان کر رہے تھے۔ اس طرح 70 آدمیوں نے حضرت

عائشہ صدیقہؓ کی حفاظت کرتے ہوئے جانیں دیں۔ اس دوران ایک سپاہی نے آ کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اونٹ کے کونچوں پر ایسی تلوار ماری کہ اونٹ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ اور محمد بن ابی بکرؓ نے دوڑ کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہودج کو سنبھالا اتنے میں حضرت علی المرتضیٰؓ وہاں پہنچ گئے آپؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ایک بصری رئیس کے ہاں اتارا جبکہ ام المومنینؓ کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی وہاں آ کر پناہ لی۔ چند دنوں کے بعد حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کی نگرانی میں 40 معزز عورتوں کے ہمرکاب حضرت عائشہ صدیقہؓ کو مدینہ منورہ کی جانب روانہ کیا۔ خود بھی دور تک مشایعت کی۔ چلتے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ مجھے علیؓ سے نہ کسی قسم کی کدورت تھی اور نہ اب ہے۔

ہجری کا سن 58 تھا اور رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیمار پڑ گئیں چند روز علیل رہیں کوئی خیریت دریافت کرتا تو سب کو ایک ہی جواب دیتیں کہ "اچھی ہوں" جو لوگ عیادت کو آتے اور بشارت دیتے تو فرماتیں "اے کاش میں پتھر ہوتی، اے کاش میں کسی جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی"۔

مرض الموت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے وصیت فرمائی کہ "مجھے دیگر ازواج مطہراتؓ کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا جائے اور رات کو ہی دفن کر دی جاؤں صبح کا انتظار نہ کیا جائے"۔ رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی کہ نماز وتر کے بعد رات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ مالک حقیقی سے جا ملیں۔ امام ابن جوزیؒ نے اس وقت آپؓ کی عمر پاک 66 سال بیان کی ہے۔ علامہ ذہبی کا بیان 63 سال کا ہے جبکہ ابن تیمیہ نے 70 سال کے لگ بھگ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر بوقت وفات لکھی ہے۔

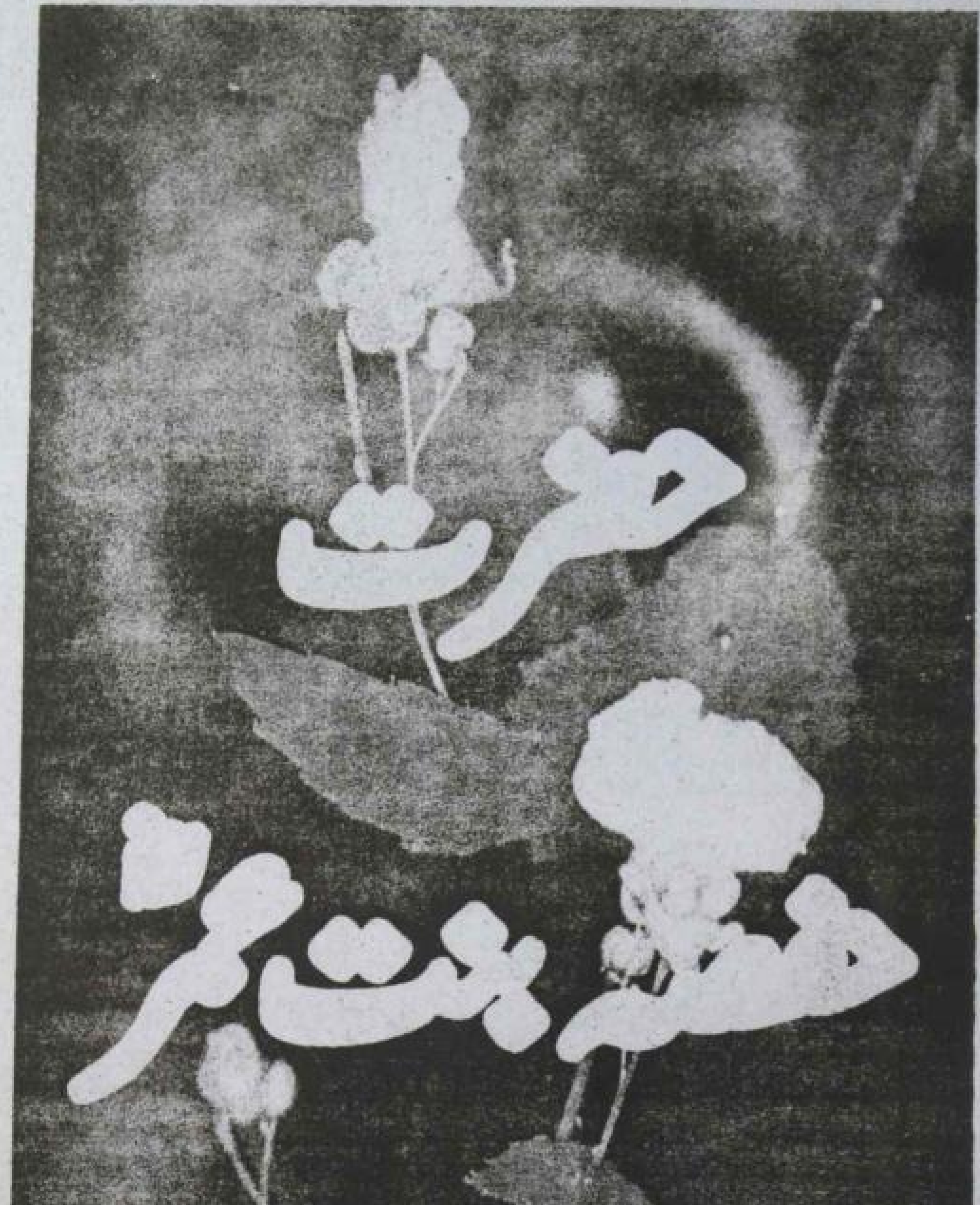

حضرت حفصہ بنت عمرؓ

وقت کا پنچھی مستقل مزاجی کے ساتھ محو پرواز ہے۔ یہ شافع محشر، ساقی کوثر، نبی آخر ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا دور ہے اور تعمیر کعبہ کی تجدید کا مرحلہ درپیش ہے۔ تعمیر کی تکمیل کے بعد حجر اسود کی تنصیب کا لمحہ قریب آتا ہے تو سرزمین عرب کا ہر قبیلہ یہ سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے کہ حجر اسود نصب کرنے کا کام اس کے ہاتھوں سرانجام پائے۔ کوئی بھی اس نعمت سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تلواریں میانوں سے باہر آنے اور خنجر ہوا میں لہرانے کو تیار ہیں۔ خطرہ ہے کہ یہ قبائلی کشمکش کہیں کشت وخون کے ایک لامتناہی سلسلے میں نہ بدل جائے کہ اسی اثنا میں اعزاز و افتخار کی جنگ چھڑنے سے پہلے اہل علم و دانش اس فیصلے پر پہنچتے ہیں کہ کل صبح کے سہانے لمحات میں جو شخص سب سے پہلے بیت اللہ میں تشریف لائے اسے حجر اسود نصب کرنے کے اعزاز سے نوازا جائے۔

تمام قبائل اس فیصلے پر اتفاق کر کے جب شب بھر کی استراحت کے بعد صبح سویرے اللہ کے گھر دوڑے ہوئے آتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ رہبر کائنات حضرت محمد ﷺ وہاں پہلے سے موجود ہیں۔ متفقہ فیصلے کے مطابق سب کی نگاہیں ہادی کون ومکاں ﷺ پر لگی ہیں خلق مجسم، رحمت دو عالم ﷺ ایک بڑی چادر منگواتے ہیں حجر اسود کو اٹھا کر اس کے درمیان میں رکھتے ہیں اور تمام قبائل کے تمام سرداروں کو بلا کر فرماتے ہیں کہ سب مل کر اس چادر کو اوپر اٹھاؤ اور وہاں تک لے جاؤ جہاں حجر اسود نصب کرنا ہے۔ ارشاد محبوب رب العالمین ﷺ کی تعمیل ہوتی ہے۔ اب سرور کائنات ﷺ اپنے مبارک ومتبرک ہاتھوں سے حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیتے ہیں۔ یوں منصف اعظم ﷺ کے حکمت افروز طرز عمل سے تمام قبائل اپنے آپ کو حجر اسود کی

تنصیب کی سعادت میں برابر کا شریک سمجھتے ہوئے شاداں وفرحاں گھروں کو لوٹتے ہیں۔

مکہ معظمہ کے ان قبائل میں ایک ممتاز ومنفرد قبیلہ عدی بھی ہے جس کی نمایاں شخصیت کا نام خطاب بن نفیل ہے۔ خطاب بن نفیل کا ایک جرات مند، دلیر اور نڈر بیٹا عمر ہے۔ عمر بن خطاب کی زوجہ کا نام زینب بنت مظعون ہے۔ جب اس قبیلے کے افراد حجر اسود کی تنصیب کے مرحلے کو طے کرنے کے بعد گھر لوٹتے ہیں تو عمر بن خطاب کے ہاں ایک چاند سی بچی جنم لیتی ہے جس کا نام وہ حفصہ رکھتے ہیں۔ (واقدی، ابن سعد، مستدرک حاکم)

اس بچی کی عمر جب ۴ سال کی ہوتی ہے تو سرزمین عرب کا ایک صادق اور امین کے نام القابات سے پکارا جانے والا شخص محمد ﷺ بن عبداللہ اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کرتا ہے۔ اس نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس بچی کے والدین پہلے تو مخالفت کرتے ہیں بلکہ اس بچی کا والد عمر بن خطاب تو یہاں تک مخالفت کی انتہا کو پہنچتا ہے کہ ختم المرسلین ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلتا ہے مگر رحمت حق کو کچھ اور ہی منظور ہوتا ہے اور وہ قتل کرنے کی بجائے ہادی برحق ﷺ کیلیے خود قتل ہونے کو تیار ہو جاتا ہے اور یوں مشرف بہ اسلام ہو کر دین ودنیا کی سرخروئی پاتا ہے۔ عمر بن خطاب سے حضرت عمر فاروق اعظمؓ بن جاتا ہے اس وقت اس بچی حفصہ کی عمر دس سال کی ہوتی ہے۔ اس کی ماں زینب بنت مظعونؓ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتی ہیں اور اس طرح دونوں میاں بیوی رحمتہ للعالمین ﷺ کے عشق میں سرشار ہو کر دین اسلام کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں۔ بچی حفصہ کی والدہ محترمہ حضرت زینب بنت مظعونؓ ہجرت مدینہ سے پہلے ہی اللہ کو پیاری ہو جاتی ہیں اور انہیں مکہ مکرمہ میں سپرد خاک کر دیا جاتا ہے۔

اس بچی کا والد کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے:۔ حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی جبکہ والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے: حفصہ بنت زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ (المعجم الکبیر)

حضرت عمر بن خطابؓ کی ہمشیرہ حضرت فاطمہؓ اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زید بن عمروؓ پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ جب حضرت عمر بن خطابؓ مسلمان ہو گئے تو آپؓ کے کنبہ کے باقی تمام افراد بھی دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے۔ ہونہار بچی حفصہ نے ہوش سنبھالا تو اپنے اردگرد اسلامی ماحول کی آب و تاب دیکھی۔ والد محترم حضرت عمر بن خطابؓ کو ببانگ دہل اسلام کا پرچار کرتے ہوئے دیکھا چچا، ماموں، پھوپھی، سبھی اسلامی رنگ میں رنگے جا چکے تھے۔

انہی دنوں بنو سہم کے ایک نوجوان حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔ رسول رحمت ﷺ نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعلیم و تربیت کے لیے دار ارقم کو ابھی اپنا مرکز نہیں بنایا تھا۔ دشمنان اسلام قریش مکہ کو جب قبیلہ بنو سہم کے اس نوجوان حضرت خنیس بن حذافہؓ کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو انہیں سخت طیش آیا۔ انہوں نے اس نوجوان پر بھی ظلم و ستم اور مصائب و مشکلات کی انتہا کر دی۔ چنانچہ حضرت خنیس بن حذافہ بھی اس قافلے میں شریک تھے جسے رسول اکرم ﷺ نے حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا لیکن حضرت خنیس بن حذافہ کو مکہ کی گلیاں یاد آتیں۔ نبی رحمت ﷺ کی باتیں یاد آتیں۔ یہ شدت جذبات اور حدت محسوسات اس حد تک بڑھی کہ حضرت خنیس بن حذافہؓ بالآخر حبشہ کو خدا حافظ کہہ کر واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے اور وہ تمام ظلم و ستم انتہائی خندہ پیشانی اور حوصلہ و ہمت سے برداشت کیے جو مشرکین مکہ کی جانب سے مسلمانوں پر ڈھائے جاتے رہے۔ جب حضرت عمر بن خطابؓ کی ہونہار بیٹی حضرت حفصہؓ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنی نیک بخت صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے لیے بنو سہم کے اسی نوجوان حضرت خنیس بن حذافہؓ کا رشتہ پسند فرمایا اور ان سے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کی شادی ہو گئی۔ حضرت حفصہؓ بچپن ہی سے اپنے والد محترم کی طرح انتہائی صاف گو، بے خوف اور نڈر مزاج تھیں۔ شادی کے بعد والدین کے گھر سے رخصت ہو کر سسرال پہنچیں اور ہنسی خوشی زندگی کے دن گزارنے لگیں۔

نبوت کے تیرہویں سال رہبر کائنات حضرت محمد ﷺ نے مدینہ منورہ کی جانب مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم دیا تو مسلمانوں نے خوشی کے ساتھ چپکے چپکے مکہ معظمہ سے رخصت ہونا شروع کیا۔ اس وقت دشمنان اسلام مشرکین مکہ کے ظلم وستم کا دور دورہ تھا۔ وہ مسلمانوں کی راہ میں روڑے اٹکا رہے تھے۔ انہیں نہ تو مکہ معظمہ میں چین سے بیٹھنے دیتے تھے اور نہ ہی مدینہ منورہ جانے دیتے تھے۔ جب حضرت حفصہؓ کے والد محترم حضرت عمر فاروقؓ نے مدینہ جانے کا ارادہ فرمایا تو انتہائی بے باکی اور حوصلہ مندی کے ساتھ اپنی ہجرت کا اعلان فرمایا۔ ان کے جاہ وجلال کے سامنے کوئی مشرک نہ ٹھہر سکا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ساتھ اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ اور ان کے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ کو بھی لے لیا۔ یہ سب لوگ علی الاعلان، کھلم کھلا، انتہائی جرات و بے باکی کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلے اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے جبکہ کفار مکہ منہ دیکھتے رہ گئے اور کچھ نہ کر سکے۔

حضرت خنیس بن حذافہؓ کی یہ دوسری ہجرت تھی۔ اس دفعہ انکے ہم کاب انکی ہمدرد غمگسار بیوی حضرت حفصہ بنت عمرؓ بھی تھیں۔ دونوں میاں بیوی ہجرت کی سعادت بے پایاں حاصل کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ یہاں پر رفاعہ بن عبدالمنذر نے ان کا استقبال کیا اور عزت واحترام سے اپنے گھر ٹھہرایا۔ جب رسول رحمت ﷺ مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں باہمی اخوت اور بھائی چارے کا نظام قائم کیا۔ سرور کائنات ﷺ نے اس موقع پر حضرت خنیس بن حذافہؓ اور حضرت ابو عمیس بن جبرؓ انصاری کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا۔ دربار رسالت ماب ﷺ کی جانب سے دونوں صحابی دینی بھائی چارے پر بہت خوش ہوئے۔ دونوں میدان جنگ کے شہسوار تھے۔

حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ اپنے شوہر حضرت خنیس بن حذافہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ میں ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات سے فیض یاب ہونے لگیں۔ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ نے خاص طور پر یہ اہتمام کیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام جو قرآنی آیات لے کر رسول

اکرم ﷺ کے پاس تشریف لاتے۔ آپؓ انہیں سرور کائنات ﷺ سے سن کر زبانی یاد کر لیتیں اور آیات کے معانی و مطالب پر خوب غور و فکر کرتیں اور تفکر و تدبر کے ساتھ ہر مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کرتیں جبکہ آپؓ کے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ شوق شہادت اور جذبہ جہاد کی سرشاری کے ساتھ میدان جنگ میں مشرکین کے مقابلے کے لیے تیاری کرتے رہتے۔

بالآخر حضرت خنیس بن حذافہؓ کی خواہش اور تمنا بر آئی اور ۲ ہجری کو مدینہ منورہ میں یہ خبر گردش کرنے لگی کہ دشمنان اسلام قریش مکہ پوری تیاری کے ساتھ سامان جنگ سے لیس ہو کر مسلمانوں کو ختم کرنے کے ارادہ سے مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے ہیں۔ ادھر سرکار دو عالم ﷺ نے جب یہ اطلاع سنی تو آپ ﷺ نہتے مسلمانوں کے ساتھ محض رب قدیر پر بھروسہ کرتے ہوئے مقام بدر پر پہنچ کر ابو جہل کے لشکر کا انتظار کرنے لگے اس موقع پر سید المرسلین ﷺ نے رب تعالیٰ کے حضور یہ عرض کی کہ "اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ختم ہو گئی تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا"۔

مسلمانوں کے اس لشکر میں حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے شوہر حضرت خنیس بن حذافہؓ بھی جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر سر پر کفن باندھے جام شہادت نوش کرنے کے لیے میدان کارزار میں اترے۔ انکے ساتھ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے والد محترم حضرت عمر فاروقؓ، چچا حضرت زید بن خطابؓ تین ماموں حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت قدامہ بن مظعونؓ اور حضرت عبداللہ بن مظعونؓ بھی میدان بدر میں داد شجاعت دینے کے لیے پہنچے۔

مبارزت کے مرحلے سے گزر کر جب عام لڑائی شروع ہوئی تو حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ دشمنان اسلام کی صفیں چیرتے ہوئے مسلسل آگے بڑھنے لگے آپؓ نے اس موقع پر بہادری اور شجاعت کے کمال جوہر دکھائے اور اس بے خوفی اور بے باکی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا کہ چشم فلک حیران اور دشمنان اسلام پریشان ہو گئے۔ آپ کافی دیر تک کفار مکہ سے نبرد آزما رہے۔ اس دوران آپؓ کے جسم پر کافی گہرے زخم آئے۔ لڑائی ختم ہوئی اور

فتح ونصرت مسلمانوں کا مقدر ٹھہری، سپہ سالار اعظم حضرت محمد ﷺ اپنے جانثار صحابہ عظامؓ کے ہمراہ تین روز تک میدان بدر میں قیام پذیر رہے۔

تین روز کے بعد مجاہدین اسلام کا قافلہ سردار دو عالم ﷺ کی قیادت میں فتح ونصرت کے جھنڈے لہراتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ نے جب اپنے شوہر کو سخت زخمی حالت میں دیکھا تو انکی بہادری، دلیری، بے باکی اور جرات وشجاعت کی تعریف کی اور فرط انبساط سے سورہ انفال کی یہ آیات پڑھنا شروع کر دیں جو معرکہ بدر کی مناسبت سے نازل ہوئیں تھیں:

''اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لئے بتادی کہ تمہیں خوشخبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست اور دانا ہے'' حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ از حد عابدہ، زاہدہ، قاریہ، ادیبہ، فصیحۃ البیان، بلیغۃ الکلام اور زود فہم تھیں۔ آپؓ نے ان آیات ربانی میں نصرت الٰہی کا مژدہ خوش آگیں سنا تو مسرت کا اظہار کیا اور انتہائی ہمدردی، شفقت ومحبت اور توجہ سے اپنے شوہر کے زخموں کا علاج کرنے میں مصروف ہوگئیں۔ آپؓ کی دیکھ بھال اور تیمارداری سے زخم قدرے ٹھیک تو ہوئے مگر پوری طرح مندمل نہ ہوسکے۔ رب کائنات کو یہی منظور تھا کہ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے شوہر حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ کو شہادت کے درجے پر فائز کیا جائے۔ چنانچہ حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ رحمت میں حاضر ہوگئے اور ان کا نام ان شہداء کی فہرست میں درج کرلیا گیا جن کے بارے میں رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور انہیں رب قدیر کے ہاں رزق سے شادکام کیا جاتا ہے۔

جب رحمۃ للعالمین ﷺ کو حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے انہیں جنت البقیع میں حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے ماموں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پہلو میں دفن کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس موقع پر سرور کائنات ﷺ نے حضرت خنیس بن حذافہ سہمیؓ کی نماز

جنازہ خود پڑھائی۔

حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے لیے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔عین عالم شباب میں حضرت حفصہ بنت عمرؓ بیوہ ہو گیئں ۔اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال جبکہ بعض روایات کے مطابق اکیس سال تھی ۔حضرت حفصہ بنت عمرؓ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا لیکن حضرت حفصہ بنت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھتے ہوئے کمال صبر و استقامت اور تحمل کا مظاہرہ کیا۔آپؓ ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو گئیں ۔کثرت تلاوت اور کثرت صیام کو شعار اور معمول بنالیا۔حضرت عمر فاروقؓ اپنی بیٹی کے گھر کو یوں اجڑتا ہوا دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور افسردہ رہنے لگے آپؓ لمحہ بہ لمحہ اپنی بیٹی کے مستقبل کے بارے میں سوچ و بچار میں رہتے بیٹی کے چہرے پر نیکی ،تقویٰ اور معصومیت کے ساتھ ساتھ بیوگی کی زردی دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ اضطراب محسوس کرنے لگے ۔حضرت عمر فاروقؓ اسی سوچ و بچار ہی میں تھے کہ انہی دنوں حضرت عثمانؓ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا مشیت ایزدی سے انتقال ہو گیا۔حضرت عمر فاروقؓ کی توجہ معاً اس طرف گئی کہ کیوں نہ حضرت حفصہؓ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے کرادیں ۔یہ سوچ کر اور بڑی آس و امید لے کر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمانؓ کے گھر کی راہ لی ۔چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کے پاس پہنچ کر ان سے فرمایا کہ:

''میں آج ایک خاص مقصد اور تجویز لے کر آپکے پاس آیا ہوں''۔

حضرت عثمان غنیؓ نے کہا ''فرمائیے!کیا حکم ہے؟''

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ''مجھے حضرت رقیہؓ کے فوت ہونے کا از حد دکھ ہے۔ساتھ ہی مجھے اس بات کا غم بھی ہے کہ میری بیٹی حضرت حفصہؓ بیوہ ہو گئی ہے اس کا حل میرے ذہن میں یہی آیا ہے کہ اگر آپؓ چاہیں تو میں اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کا نکاح آپؓ سے کر دوں''۔

حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کی ساری بات سن کر فرمایا ''مجھے کچھ سوچنے کی مہلت دیجیے۔''

حضرت عمر فاروقؓ چند دن گزرنے کے بعد دوبارہ حضرت عثمان غنیؓ سے ملے اور پوچھا ''کیا آپؓ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح بارے میں سوچ لیا؟''

حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا ''میرا ابھی شادی کا ارادہ نہیں'' یہاں سے مایوس ہو کر حضرت عمر فاروقؓ چلے تو راستے میں اپنے ایک اور دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خیال آیا۔ اس خیال کے دل میں جاگزیں ہوتے ہی حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو عندیہ ظاہر کیا کہ وہ اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ ان کے حبالہ عقد میں دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کی زبان سے جب یہ تجویز سنی تو پہلے قدرے مسکرائے اور پھر خاموش ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نگاہیں جھکا لیں اور کوئی جواب نہ دیا۔ (صحیح بخاری)

حضرت عثمان غنیؓ کے انکار اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خاموشی سے حضرت عمر فاروقؓ کو از حد حیرت ہوئی۔ انہیں اپنے دونوں دوستوں پر بڑا مان تھا۔ انہیں یہ توقع ہی نہ تھی کہ ان کی پیش کش کو یوں نظر التفات سے نہیں دیکھا جائے گا۔ بلکہ ان کا دلی خیال تو یہ تھا کہ ان کے دوست اس پیش کش سے خوش اور شادمان ہوں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا خیال تھا کہ ان کی دینی خدمات، مخلصانہ رفاقت، اور بے لوث دوستی کو پیش نظر رکھتے ہوئے میرے دوست میرے ساتھ رشتہ داری کو اپنے لیے باعث اعزاز سمجھیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا اور یوں حضرت عمر فاروقؓ دل شکستہ ہو کر گھر لوٹ آئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس بات کا ایک عرصہ تک ملال رہا۔ ایک دن حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی ساری پریشانی کا تمام تر حال رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بیان کیا اور بتایا کہ حضرت عثمان غنیؓ نے کس طرح صاف انکار کر دیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کس طرح مکمل خاموشی اختیار کر لی۔ ختم المرسلین ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کی ساری بات کو انتہائی سکون اور تحمل کے ساتھ سنا اور پھر ساقی کوثر ﷺ نے مسکراتے ہوئے ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا۔

''اے عمرؓ! گھبراؤ نہیں! غم نہ کرو، پریشان نہ ہو، اطمینان رکھو حفصہؓ سے وہ شخص شادی

کرے گا جو عثمانؓ سے بہتر ہے اور عثمانؓ کی شادی اس سے ہو گی جو حفصہؓ سے بہتر ہے"۔

معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان اقدس سے یہ جملہ سن کر حضرت عمرؓ شادمان بھی ہوئے اور حیران بھی اور ان کی تمام تر پریشانی جاتی رہی۔ آپ فرحت و حیرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ یہ سوچنے لگے کہ آخر یہ کیسے ہوگا! چند دن بعد رسول مکرم ﷺ نے اپنی لخت جگر حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمان غنیؓ سے کر دیا تو حضرت عمر فاروقؓ کو خوشی ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک بات تو پوری ہو گئی کہ حضرت عثمان غنیؓ کی شادی اس سے ہو گی جو حفصہؓ سے بہتر ہو گی اور واقعتاً رسول مکرم ﷺ کی بیٹی حضرت ام کلثومؓ حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے بہتر تھیں۔

اب حضرت عمر فاروقؓ کو آنحضور ﷺ کی اس بات کے پورا ہونے کا انتظار تھا کہ حفصہؓ سے وہ شخص شادی کرے گا جو عثمانؓ سے بہتر ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ سوچ میں پڑ گئے کہ اس کی صورت کیا ہو گی۔ وہ کون شخص ہو گا جو عثمانؓ سے بہتر ہو گا اور اس سے میری بیٹی حفصہؓ کی شادی ہو گی۔

حضرت عمر فاروقؓ کے شب و روز اسی فکر میں گزرنے لگے۔ وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ بالآخر وہ لمحہ سعید آ ہی گیا جب ختم المرسلین ﷺ نے خود حضرت حفصہؓ سے شادی کا اظہار کیا۔ یہ خبر سن کر حضرت عمر فاروقؓ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کی بیٹی حضرت حفصہؓ کو یہ اعزاز اور شرف حاصل ہو گا کہ وہ ام المومنینؓ کے مرتبہ ذیشان پر فائز ہو گی۔ وہ شافع محشر ﷺ کے آنگن کی رونق اور راحت بنے گی۔ اب حضرت عمر فاروقؓ کے دل کا تمام بوجھ ناقابل بیان خوشی اور مسرت میں بدل گیا۔ اب ان کی بیٹی محبوب رب العالمین ﷺ کی رفیقہ حیات بننے والی تھیں اور یہ وہ اعزاز ہے کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ یہ ہجری کا تیسرا سال تھا اور شعبان کا متبرک مہینہ تھا۔ جب حضرت حفصہؓ کا نکاح سرور کائنات ﷺ سے طے ہوا۔ اور یوں حضرت حفصہؓ ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حبالہ عقد میں آ گئیں۔ یہ غزوہ احد سے

پہلے کا واقعہ ہے۔اس سے پہلے حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ سردار دو عالم ﷺ کی زوجیت میں تھیں۔(طبقات ابن سعد، فتح الباری، انساب الاشراف)

جب آنحضور ﷺ کا حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سے نکاح ہو چکا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو انکشاف کیا کہ ان کی تجویز سن کر انہوں نے خاموشی کیوں اختیار کی تھی اور یہ کہ حضرت عثمان غنیؓ نے کیوں انکار کیا تھا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں حضرات کو رسول مکرم ﷺ کا عندیہ معلوم تھا۔(بخاری، مسند احمد، نسائی)

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ کو یہ نصیحت کر کے رخصت کیا۔

"بیٹا! دیکھنا کسی طرح بھی عائشہؓ سے مقابلہ نہ کرنا۔وہ تجھ سے کہیں بہتر ہے۔میری اس بات کو پلے باندھ لینا۔حضرت عائشہؓ کی دل سے قدر کرنا۔دیکھنا میری یہ بات کہیں بھلا نہ دینا۔جا اپنے سرتاج کے گھر جو دو جہانوں کا سردار ہے۔بیٹا! تیرے تو بھاگ جاگ اٹھے۔تو بڑی خوش قسمت ہے بڑی نیک بخت ہے"۔

نکاح کے بعد حضرت حفصہؓ بنت عمر حریم نبوت میں رہنے لگیں۔رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت حفصہؓ کی معاشرتی زندگی نہایت اچھی تھی۔حضرت حفصہؓ بنت عمر کو تھوڑا لکھنا پڑھنا آتا تھا۔شادی کے بعد معلم کائنات ﷺ نے صحابیہ حضرت شفا بنت عبداللہ عدیہؓ کو حضرت حفصہؓ کی تعلیم کے لیے مقرر کر دیا تا کہ وہ آپؓ کو مزید زیور تعلیم سے مزین و منور کر دیں۔حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ نے انتہائی دلچسپی، شوق اور لگن کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا۔آپؓ اپنے والد حضرت عمر فاروقؓ کی طرح بہت ذہین اور زود فہم تھیں اس لیے بہت جلد ہی بہت کچھ سیکھ لیا۔

کچھ ہی عرصہ بعد حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ اس قابل ہو گئیں کہ ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہدایات کے مطابق تمام نازل شدہ آیات قرآنی کو اپنے پاس ترتیب سے سنبھال کر رکھ سکیں۔حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ قرآن حکیم کی جو آیات وحی کے ذریعے نازل ہوتیں انہیں سرور کائنات ﷺ سے سن کر زبانی یاد کر لیتیں اور یہ طریقہ آنحضور ﷺ کے عقد میں آنے سے پہلے

بھی آپ نے اختیار کیا ہوا تھا۔ اسی طرح رسول مکرم ﷺ کی زبان اقدس سے جو الفاظ نکلتے انہیں حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ پوری توجہ سے سنتیں اور ذہن و دل میں محفوظ کر لیتیں۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کو اسلامی احکامات اور مسائل و معاملات کی تہ تک پہنچنے کا بہت شوق تھا۔ آپ شرعی احکامات کی وضاحت کرنے کے لیے اکثر و بیشتر ہادی کون و مکاں رہبر کائنات معلم انسانیت ﷺ سے سوال کرتی رہتیں اور رسول اللہ ﷺ بھی خندہ پیشانی کے ساتھ بڑی وضاحت و فصاحت اور بلاغت سے ان کے سوالات کے جوابات دیتے۔

حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کو دین میں تفقہ کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے ام مبشرؓ نے بتایا کہ ایک روز میں ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب بدر اور اصحاب حدیبیہ جہنم میں داخل نہیں ہونگے۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ! حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو'' (سورہ مریم)

یہ بات سن کر معلم کائنات ﷺ نے فرمایا۔ ''ہاں! لیکن یہ بھی تو ہے کہ قرآن پاک میں رب کریم و رحیم نے ارشاد فرمایا ہے کہ پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو متقی اور پرہیز گار تھے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں پر گرا ہوا چھوڑ دیں گے''۔ (سورۃ مریم)

حضرت عمر فاروقؓ کو جب اس سوال و جواب کی خبر ہوئی تو آپؓ نے اپنی بیٹی حفصہؓ سے کہا ''بیٹا! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جن کے سامنے تو اس طرح کے سوالات کرتی ہے وہ اللہ کے محبوب پیغمبر ﷺ ہیں۔ وہ جو بھی ارشاد فرمائیں خاموشی اور ادب سے سن لیا کرو۔ اور سوال نہ کیا کرو''۔

حضرت حفصہؓ نے ''کہا ابا جان! عائشہؓ بھی تو سوال کر لیتیں ہیں''۔

حضرت عمر فاروقؓ نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا ''بیٹا! میں نے تجھے پہلے بھی کہا تھا کہ

عائشہؓ کی نقل نہ کیا کرو۔ کہیں اس طرح کے طرز عمل سے اپنا نقصان نہ کر بیٹھنا۔ ہمیشہ ادب، احترام، اطاعت اور فرمانبرداری، کو اپنا شعار بنائے رکھنا''۔ (مسند احمد بن حنبل)

حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سرور کائنات ﷺ سے جوش محبت و عقیدت میں آنحضور ﷺ کو حضرت زینب بنت جحشؓ کے ہاں زیادہ دیر ٹھہرنے سے روکنے کے لیے منصوبہ بندی میں برابر کی شریک تھیں۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت عائشہؓ کی حیات مبارکہ کے حوالے سے واقعات میں بیان کی جا چکی ہے۔

اسی اثنا میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سے ایک راز کی بات کہی اور فرمایا کہ اسے کسی پر ظاہر نہ کرنا لیکن حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اس کا تذکرہ کر دیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو آگاہ کر دیا۔ قرآن پاک کی سورۃ التحریم میں ارشاد ربانی ہے۔

''اور جب نبی ﷺ نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات کہی جب اس نے دوسری کو خبر دے دی اور اللہ نے نبی ﷺ پر اس واقعے کو ظاہر کر دیا تو نبی ﷺ نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا تو انہوں نے کہا کس نے آپ ﷺ کو خبر دی۔ پیغمبر ﷺ نے کہا کہ مجھے رب علیم و خبیر نے خبر دی''

قابل غور بات یہ ہے کہ وہ کون سا ایسا راز اور کون سی ایسی بات تھی جس کے اخفاء کی ختم المرسلین ﷺ نے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کو تاکید کی تھی مگر وہ اسے صیغہ راز میں نہ رکھ سکیں۔ امام بخاریؒ کا موقف ہے کہ اس راز سے مراد تحریم شہد کا واقعہ ہے جبکہ طبری، ابن کثیر اور فتح الباری کے مطابق آنحضور ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے مطالبے پر ماریہ قبطیہؓ سے قطع تعلق کر لیا تھا اور اسے صیغہ راز میں رکھنے کی حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کو تاکید کر دی تھی البتہ امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

''درست بات یہ ہے کہ یہ آیت شہد کے قصہ میں نازل ہوئی، ماریہؓ کے واقعہ میں نازل

نہیں ہوئی اور ماریہ کا واقعہ کسی صحیح سند سے مروی بھی نہیں"

چونکہ راز کا اخفاء سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہدایت اور مرضی کے خلاف تھا اور اس میں سرور کائنات ﷺ کی خفگی تھی اس لیے اس پر ان دونوں ازواج مطہراتؓ کے بارے میں ان آیات کا نزول ہوا۔

"تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے کیونکہ تم دونوں نے کج روی اختیار کی اور اگر پیغمبر کے خلاف سازشیں کرو گی تو ان کا مددگار اللہ اور جبرئیل اور صالح مومنین اور فرشتے بھی پیغمبر کے مددگار ہیں" (سورۃ تحریم)

جب سورۃ تحریم کی آیات نازل ہوئیں اور صحابہ کرامؓ تک پہنچیں تو صحابہ کرامؓ کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ کونسی دو ازواج مطہراتؓ ہیں جن کا یہاں ذکر ہے صحیح بخاری میں حضرت عباسؓ کی اس بارے ایک طویل روایت ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ ایک مدت تک میرے دل میں خواہش تھی کہ میں ان دونوں عورتوں کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ سے دریافت کروں جن کے بارے میں قرآن حکیم میں حکم آیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک موقع آیا کہ حضرت عمر فاروقؓ حج کے لئے روانہ ہوئے اور میں بھی ان کا شریک سفر تھا۔ دوران سفر ایک روز حضرت عمر فاروقؓ کسی ضرورت کے تحت جنگل کی طرف تشریف لے گئے جب آپؓ واپس آئے تو میں نے آپؓ کے وضو کے لیے پانی کا انتظام کر رکھا تھا۔ میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور وضو کراتے ہوئے یہ سوال کیا کہ یہ دو عورتیں جن کے متعلق قرآن حکیم میں آیا ہے کہ "تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے" کون ہیں؟

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا "آپؓ پر تعجب ہے آپؓ کو اس بات کی خبر نہیں، یہ دونوں عورتیں ازواج مطہرات حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ ہیں"

حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ بنت ابو بکرؓ میں از خد باہمی محبت، خلوص اور میل جول تھا۔ اکثر کام دونوں ایک دوسرے کی رائے سے سرانجام دیتی تھیں جن میں تحریم شہد کا

واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جس کا حوالہ قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ سرور کائنات ﷺ کے ہمرکاب کسی سفر میں شریک تھیں۔ رسول اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ رات کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اونٹ کے قریب چلتے تھے ایک دن حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کہا کہ

''آج رات کو آپؓ میرے اونٹ پر اور میں آپؓ کے اونٹ پر سوار ہو جاتی ہوں کیا آپؓ اس بات پر راضی ہیں؟''۔

حضرت عائشہؓ صدیقہؓ راضی ہو گئیں اور یوں دونوں نے اپنے اپنے اونٹ تبدیل کر لئے۔ سرور کائنات ﷺ حضرت عائشہؓ صدیقہؓ کے اونٹ کے پاس پہنچے تو پتہ چلا کہ اس پر حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سوار ہیں۔ یوں رات کے وقت سردار دو جہاں حضرت محمد مصطفی ﷺ اس اونٹ کے قریب چلتے رہے جس پر حضرت حفصہؓ سوار تھیں اس طرح حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کی یہ خواہش پوری ہو گئی جس میں حضرت عائشہؓ کی رضامندی شامل تھی۔

حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کو اختلاف سے سخت نفرت تھی۔ آپؓ کی کوشش ہوتی تھی کہ سب کی رائے کے ساتھ شریک ہونا بہت اچھی بات ہے حضرت علی المرتضیٰؓ کے عہد خلافت میں جب جنگ صفین ہوئی اور پھر اس جنگ کا خاتمہ تحکیم پر ہوا تو حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے لیکن حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ نے اپنے بھائی کو سمجھایا کہ اگرچہ تمہاری اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں لیکن پھر بھی تمہیں ضرور شریک ہونا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا۔ اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ تمہاری گوشہ نشینی اس میں مزید اختلاف پیدا کر دے گی'' چنانچہ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے سمجھانے پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس واقعہ میں شریک رہے۔ (بخاری)

حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ دجال سے بہت ڈرتی تھیں مدینہ طیبہ میں ایک شخص ابن صیاد نامی تھا اس میں دجال کی بہت سی علامات پائی جاتی تھیں۔ ایک دن اس کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ

سے سرراہ ملاقات ہوگئی۔ آپؓ نے ابن صیاد کو بہت سخت سست کہا اس پر وہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو مارنا شروع کر دیا۔ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپؓ نے اپنے بھائی کو سمجھایا ''تمہیں اس سے کیا غرض۔۔۔ اسے چھوڑ دو، تمہیں پتہ نہیں کہ ختم المرسلین ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا'' (مسند احمد)

۹ ہجری تک سرزمین عرب کے بیشتر علاقے سرفروشان اسلام کے ہاتھوں فتح ہو چکے تھے بہت سا مال غنیمت بیت المال میں جمع ہو چکا تھا۔ مزید یہ کہ مفتوحہ علاقوں سے وافر مقدار میں غلہ اور دوسری اشیائے ضرورت مدینہ منورہ تک پہنچ رہی تھیں۔ اس صورت حال میں ازواج مطہراتؓ نے رسول رحمت ﷺ سے اپنے لیے نان نفقہ کے اضافہ کا مطالبہ کیا مطالبہ کرنے والوں میں حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ بھی شامل تھیں۔ اس بات کا علم حضرت عمر فاروقؓ کو ہوا تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ آپؓ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کو سمجھایا کہ جو کچھ چاہیے مجھ سے کہو تاہم رسول کریم ﷺ سے مصارف کا تقاضا نہ کرنا، حضرت عمر فاروقؓ کے سمجھانے پر حضرت حفصہؓ نے اپنے والد سے یہ وعدہ کرلیا کہ وہ زندگی بھر رسول اللہ ﷺ سے ذاتی اخراجات کا مطالبہ نہیں کریں گی اور پھر اس وعدے کو حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ نے ساری عمر انتہائی خوش اسلوبی اور پاسداری کے ساتھ نبھایا۔ حضرت عمر فاروقؓ کہتے ہیں کہ میں کسی معاملے پر غور کر رہا تھا کہ میری بیوی کہنے لگی کہ ''ایسا کرو گے تو اچھا ہوگا'' میں نے کہا ''تو کیوں اس معاملے میں دخل دیتی ہے'' اس پر وہ کہنے لگی ''تم پر تعجب ہے کہ میں نے دو بول بولے تو آپؓ نے ٹوک دیا حالانکہ تمہاری اپنی بیٹی حفصہؓ اپنے شوہر نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ کھل کر باتیں کرتیں ہیں اور ہر معاملے میں اپنی رائے دیتیں ہیں''

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں یہ بات سن کر سیدھا اپنی بیٹی حفصہؓ کے پاس گیا اور کہنے لگا۔ ''بیٹا! کیا بات ہے؟ تم حضرت محمد ﷺ سے سوال و جواب کرتی ہو''

حضرت حفصہؓ نے جواب دیا۔ ''جی ہاں! ابا جان ہم ایسا ہی کرتے ہیں''

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا ''کہ خبردار! میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں سرور کائنات ﷺ سے آئندہ کسی قسم کے سوال وجواب نہ کرنا ورنہ گھاٹے میں رہوگی''

دراصل خاوند سے برابر کی سطح پر بات کرنا اسلام کی وہ آزادی ہے جو دین حق نے ہر عورت کو دی ہے۔ چنانچہ خود حضرت عمر فاروقؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے لیکن دین اسلام نے عورتوں کو ایک خاص مقام اور درجہ و مرتبہ دیا پھر قرآن پاک میں ان کے بارے میں آیات اتریں تو پھر ہماری نظر میں عورتوں کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔

حضرت حفصہؓ آخر حضرت عمر فاروقؓ کی صاحبزادی تھیں اس لیے مزاج میں ذرا سی تیزی تھی حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے مزاج کی تیزی اس واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ گھر میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ ام المومنین حضرت صفیہؓ رو رہی ہیں۔ سرور کائنات ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے رونے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ''مجھے حفصہؓ نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو'' رسول رحمت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا ''حفصہؓ! خدا سے ڈرو'' پھر آنحضور ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ''صفیہؓ تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو، یعنی تمہارا باپ حضرت ہارون علیہ السلام ہے جبکہ تمہارا چچا موسیٰ علیہ السلام ہے اور تمہارا خاوند محبوب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ پھر حفصہؓ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہیں'' آنحضور ﷺ کی اس مدلل حوصلہ افزائی سے حضرت صفیہؓ کی ڈھارس بندھ گئی اور وہ مطمئن ہو گئیں۔

طبیعت اور مزاج کی اسی تیزی کی وجہ سے احادیث میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کو طلاق دے دی اور پھر آپ ﷺ نے رجوع فرمالیا۔ ابو داؤد نسائی، ابن ماجہ، ابن سعد، مجمع الزوائد، الاستیعاب اور السنن الکبریٰ البیہقی کے ساتھ ساتھ دوسری

مستند کتب احادیث میں مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کو ایک مرتبہ طلاق دے دی پھر آپ ﷺ نے رجوع کر لیا مستدرک حاکم میں ابوبکر بن ابی خثیمہ نے حضرت انس بن مالک کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی پھر آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا

''اے محمد ﷺ آپ ﷺ نے حفصہؓ کو طلاق دے دی ہے وہ تو بڑی روزے دار اور عبادت گزار ہے اور وہ جنت میں آپ ﷺ کی بیوی ہوگی یہ سن کر سرور کائنات ﷺ نے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سے رجوع کر لیا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کو طلاق دے دی یہ بات حضرت عمرؓ فاروقؓ کو معلوم ہوئی آپؓ سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ یہ کیا ہو گیا؟ غم میں ڈوب کر خود کلامی کے انداز میں کہنے لگے۔'' ہائے افسوس! میری بیٹی کا یہ انجام میرے اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو گیا؟''

اگلی ہی صبح حضرت جبریل علیہ اسلام رسول رحمت ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔'' یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نام یہ حکم دیا ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت حفصہ بنت عمرؓ سے رجوع کر لیں رسول رحمۃ للعالمین ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا حکم سنتے ہی رجوع کر لیا۔

اسی طرح ایک روایت طبرانی میں مرقوم ہے کہ حضرت قیس بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ سردار دو جہاں ﷺ نے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کو طلاق دے دی اسی اثناء میں ان کے دو ماموں قدامہؓ بن مظعون اور عثمانؓ بن مظعون ان کے پاس آئے۔ دیکھا کہ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ رو رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں۔

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی عیب کی وجہ سے طلاق نہیں دی''

پس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ اسلام نے کہا ہے کہ

حفصہؓ کی طلاق سے رجوع فرمالیں کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والی اور پرہیز گار ہیں اور وہ جنت میں آپ ﷺ کی بیوی ہوں گی"

ہجری کا دسواں سال تھا جب ہادی کون ومکاں حضرت محمد ﷺ نے اپنی تمام ازواج مطہرات اور سوا لاکھ مسلمانوں کے ساتھ حج کرنے کا ارادہ کیا اس سفر میں حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ بھی شامل تھیں۔

امام کائنات حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں جب آیات نازل ہوتی تھیں تو لوگ حفظ کر لیتے تھے۔ اس طرح قرآن مجید بہت سے لوگوں کے سینے میں محفوظ ہو جاتا تھا۔ اس وقت قرآن پاک کی کوئی باقاعدہ کتابی شکل نہیں تھی۔ جنگ یمامہ میں قرآن مجید کے بہت سے قاری شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو ہدایت کی کہ قرآن مجید کی تمام آیات کو اکٹھا کر کے اسے کتابی شکل دے کر محفوظ کر لیا جائے۔ اب جو یہ مصحف تیار ہوا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس رہا ان کے بعد زندگی بھر حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہا حضرت عمر فاروقؓ کے بعد ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس رہا جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ سوئم بنے تو اپنی خلافت کے دور میں انہوں نے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سے قرآن مجید لے کر اس کی کئی جلدیں لکھوائیں اور مختلف شہروں میں بھجوائیں۔ یہ سعادت بھی حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے حصہ میں آئی کہ قرآن مجید کی حفاظت کریں اصلی نسخہ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے پاس محفوظ رہا اور آپؓ کے انتقال تک آپؓ ہی کی تحویل میں رہا۔

سن ۴۵ ہجری تھا اور شعبان کا مہینہ تھا کہ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کا بلاوا آ گیا اور آپؓ نے رب کائنات کے حضور حاضری دے دی یہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ گورنر مدینہ حضرت مروان بن الحکمؓ نے حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دیر تک جنازے کو کاندھا بھی دیا۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ جنازہ کو قبر تک لے گئے اور آپؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے صاحبزادوں عاصمؒ، سالمؒ، عبداللہؒ اور حمزہؒ نے قبر میں اتارا۔ وفات کے وقت حضرت

حفصہؓ بنت عمر کی عمر ساٹھ سال تھی۔(عیون الاثر طبقات ابن سعد مستدرک حاکم) آپؓ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت حفصہؓ بنت عمر کا سن وفات ۴۱ ہجری بتایا جاتا ہے۔(اسد الغابہ، الاستیعاب) حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ نے وفات کے وقت اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلا کر وصیت فرمائی اور غابہ میں اپنی جائیداد جسے حضرت عمر فاروقؓ ان کی نگرانی میں دے گئے تھے اس کو صدقہ کر کے وقف کر دیا۔(عیون الاثر)

حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کی اگر چہ کوئی اولاد یادگار کے طور پر نہیں تھی لیکن حضرت حفصہؓ کی معنوی یادگاریں بہت سی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حمزہ بن عبداللہؓ، حضرت صفیہ بنت ابی عبیدہؓ، حضرت حارثہ بن وہبؓ، حضرت مطلب بن ابی وداعہؓ، حضرت امام بشر انصاریہؓ، حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ اور حضرت عبداللہ بن صفوان بن امیہؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ انتقال کے وقت صائم تھیں۔(الاصابہ) آپؓ نہایت فضل وکمال کی حامل تھیں۔امام نووی نے تہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سے ساٹھ احادیث منقول ہیں۔جو آپؓ نے سرکار دو عالم، ختم المرسلین ﷺ سے سنی تھیں۔

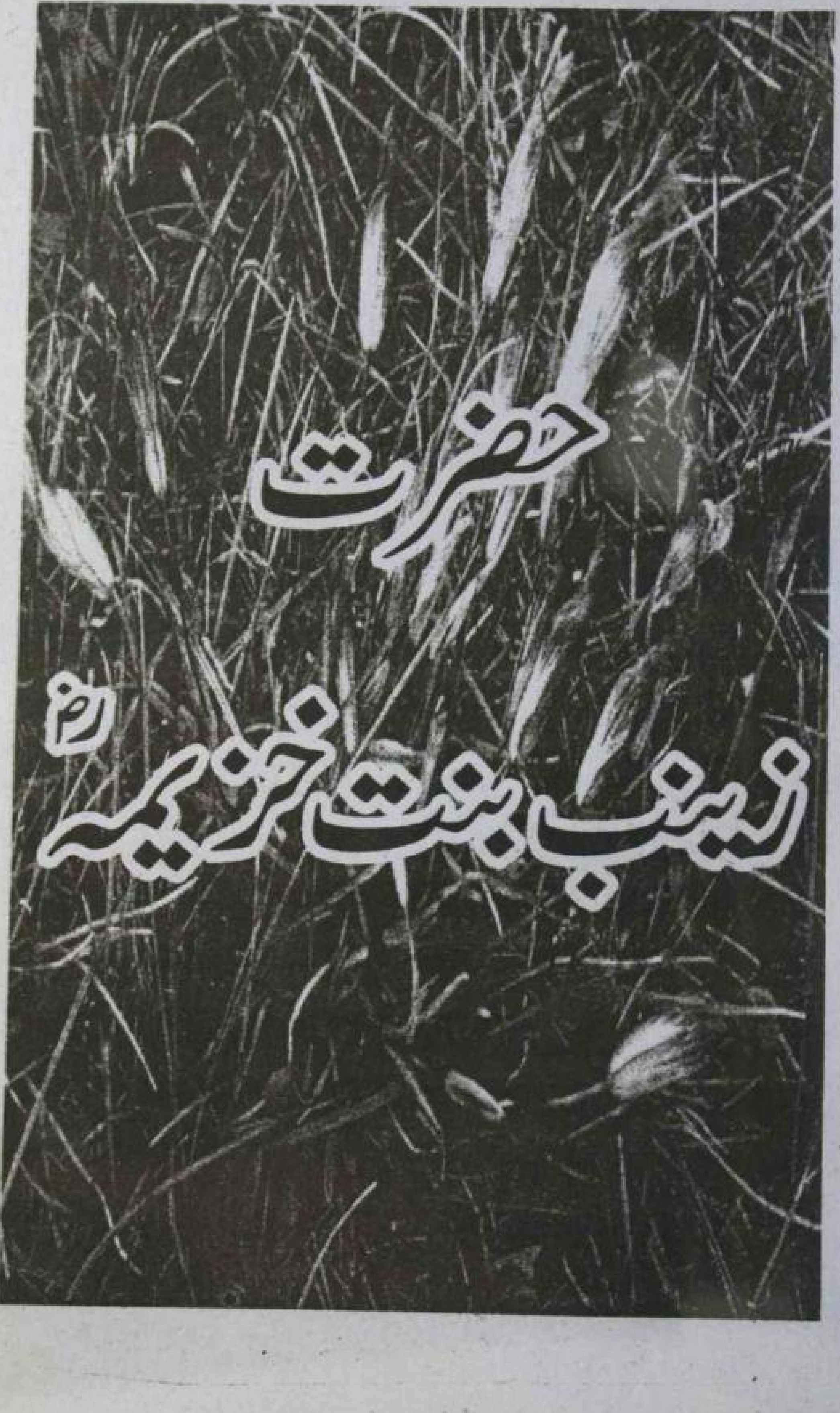
حضرت
زینب بنت خزیمہ رض

حضرت زینب بنت خزیمہؓ

محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے قبل ملک یمن میں ایک گھرانہ آباد تھا جس کے سربراہ کا نام حارث تھا۔ حارث کا تعلق حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے بنو عامر قبیلے کی ایک شاخ بنو ہلال سے تھا۔ اس لیے اسے حارث ہلالی کہتے تھے بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر بنو ہلال والوں کو یمن چھوڑنا پڑا اور وہ ہجرت کر کے حجاز پہنچے اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔

حارث ہلالی کے ہونہار بیٹے کا نام خزیمہ تھا۔ ہادی کون و مکاں ﷺ کے اعلان نبوت و رسالت سے تیرہ برس قبل خزیمہ بن حارث ہلالی کے ہاں ایک خوبصورت بیٹی نے جنم لیا۔ والدین نے اس بچی کا نام زینب رکھا۔ زینب حیات مستعار کی سیڑھی پر سالوں کے سفر طے کرتی ہوئی جب جوانی کی حدود میں پہنچی تو اس کی صورت اور سیرت کی خوشبو نے اچھی بیوی اور بہتر بہو کے متلاشی گھرانوں کو اپنی جانب متوجہ کیا اور یوں مختلف خاندانوں سے رشتے آنے لگے۔

ہر والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی بیٹی اچھے گھر کی مالکن بنے۔ زینب کے والدین نے بھی اس خواہش کو مدنظر رکھا اور کافی سوچ بچار کے بعد وہاں کے ایک شخص حارث بن مطلب کے بیٹے طفیل کا رشتہ منظور کر لیا اور بیٹی کو روایتی شان و شوکت کے ساتھ رخصت کر دیا۔ زنیب کے والدین خوش تھے کہ انہوں نے اپنی نور نظر، لخت جگر، زینب کو ایک اچھے اور سلجھے ہوئے کھاتے پیتے گھرانے میں بیاہ دیا ہے مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ طفیل بن حارث اور زینب بنت خزیمہ کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ میاں بیوی میں ناچاقی ہو گئی اور معاملہ طلاق کی

نوبت تک جا پہنچا۔

طفیل بن حارث نے زینب بن خزیمہ کو طلاق دی تو وہ واپس اپنے گھر یعنی والدین کے ہاں آ گئیں۔ والدین کو کچھ عرصہ پہلے جو خوشی حاصل ہوئی تھی وہ غم والم کی چادر لپیٹ کر ان کو نمناک کرنے لگی اور وہ افسردہ وغمزدہ رہنے لگے۔

طفیل بن حارث کے ایک بھائی تھے جن کا نام حضرت عبیدہ بن حارثؓ تھا یہ سرور کائنات ﷺ کے مقرب صحابہ کرام میں سے تھے۔ حضور اکرم ﷺ حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو بہت چاہتے تھے اور ان سے انس ومحبت کا اظہار فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبیدہ بن حارثؓ اور حضرت بلال حبشیؓ کو آپس میں اسلامی بھائی کے رشتے میں جوڑا تھا۔

قدرت خداوندی دیکھئے کہ حضرت زینب بنت خزیمہؓ کو حارث بن مطلب کے ایک بیٹے طفیل بن حارث نے طلاق دی تو دوسرے بیٹے حضرت عبیدہ بن حارثؓ نے حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح کر کے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ یہ وہ دور تھا جب سرور کائنات ﷺ اپنی نبوت ورسالت کا اعلان کر چکے تھے اور لوگوں کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ ایسے عالم میں دشمنان اسلام نے سرفروشان اسلام پر طرح طرح کی ایذارسانیوں اور سختیوں کی یلغار کر دی تھی۔ دشمنان اسلام کے ظلم وستم کے نرغے میں حضرت زینب بنت خزیمہؓ اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ بھی آ گئے مگر آپ دونوں میاں بیوی نے قابل ذکر استقامت اور ہمت و حوصلہ کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا اور عشق خدا و مصطفی ﷺ کو دلوں میں فزوں تر کرتے رہے۔

اس سنگین ناگفتہ اور نامساعد حالات کا تقاضا تھا کہ جانثاران اسلام کو دشمنان اسلام کی دست برد سے بچایا جاتا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ایک روز جب مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا حکم دیا تو حضرت عبیدہ بن حارثؓ اور حضرت زینب بن خزیمہؓ نے مکہ مکرمہ کو خیر باد کہنے کے لیے سفر کی تیاری شروع کر دی اور بالآخر اپنے خاندان کے ایک مختصر قافلے کے

ہمرکاب مدینہ منورہ کی جانب چل پڑے۔ راستے میں انہوں نے مختلف قسم کی تکالیف کا سامنا کیا تا ہم کسی نہ کسی طرح ان کے سفر کا اختتام ہوا اور یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا۔

مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت عبیدہ بن حارثؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ نے سکھ کا سانس لیا اور وہیں پر آباد ہو گئے۔ اب میاں بیوی ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔ وہ بہت پر سکون اور خوشحال تھے۔ انہیں کسی قسم کا ملال نہیں تھا بلکہ وہ محبوب رب العالمین ﷺ کی قربت کی جلوہ سامانیاں سمیٹ رہے تھے۔

حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو رسول اللہ کی نظروں میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو اپنی اعلیٰ صفات کی بناپر ''شیخ المہاجرین'' کے لقب سے نوازا گیا تھا۔ جبکہ حضرت عبیدہ بن حارثؓ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب خزیمہؓ پہلے ہی ''ام المساکین'' کے لقب سے مشہور تھی۔ ان کے دروازے سے کوئی سوالی خالی نہیں جاتا تھا اور وہ محتاجوں، ضرورت مندوں، اور مسکینوں کو جان سے عزیز جانتی تھی اور ان کی ہر مشکل میں کام آتی تھیں۔ ان کی یہ شہرت زمانہ جاہلیت میں ہی ہو چکی تھی۔ مجمع الزوائد اور اسد الغابہ میں ہے کہ ''حضرت زینب بن خزیمہؓ کا نام مساکین کو کثرت سے کھانا کھلانے کی وجہ سے ام المساکین پڑ گیا''۔

قبول اسلام کے بعد حضرت زینب بنت خزیمہؓ کا یہ وصف خاص اوج کمال کو پہنچ گیا اور آپؓ لحظہ لحظہ مساکین اور غرباء کی خدمت گزاری میں مصروف رہنے لگیں یہ سب کچھ ہادی کون و مکاں رسول رحمت ﷺ کے فیضان نظر کا اثر تھا۔

حضرت عبیدہ بن حارثؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کیے ابھی ایک سال کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ ہجری کے دوسرے سال ماہ رمضان میں سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قیادت میں جو لشکر اسلام دشمنان اسلام سے جنگ کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اس میں حضرت عبیدہ بن حارثؓ بھی شامل تھے۔ 17 رمضان المبارک کو بدر کے میدان میں پہلی بار دشمنان اسلام اور سرفروشان اسلام آمنے سامنے صف آرا

ہوئے اس دور کے جنگی اطوار کے مطابق مشرکین کے لشکر سے تین بہادر افراد عتبہ، شیبہ، اور ولید میدان میں نکلے اور مسلمانوں کو للکارا سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ نے ان کے مقابلہ کے لیے حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حمزہؓ، اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو بھیجا۔ جنگ شروع ہوتے ہی حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے اپنے مدمقابل دشمنان اسلام عتبہ اور شیبہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے شوہر نامدار حضرت عبیدہؓ دیر تک ولید کیساتھ لڑائی میں مصروف رہے۔ دونوں کا مقابلہ بہت سخت تھا دونوں ایک دوسر پر بھرپور وار کر رہے تھے اور کاری زخم لگا رہے تھے۔ دونوں لڑتے لڑتے نڈھال ہو چکے تھے۔ لیکن لڑائی کوئی فیصلہ کن صورت اختیار نہیں کر پا رہی تھی۔ حضرت عبیدہؓ کے جسم مبارک پر کافی زخم آ چکے تھے۔ اس صورت حال میں حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ دونوں آگے بڑھے اور انہوں نے ولید کو جہنم واصل کیا۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے شوہر نامدار اور محبوب خدا ﷺ کے پیارے حضرت عبیدہ بن حارثؓ کا تمام جسم زخموں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ آخر کار وہ زخموں کی شدت سے اللہ کو پیارے ہو گئے اور انہیں مقام صغرا پر سپرد خاک کر دیا گیا۔

جب مجاہدین اسلام فتح و نصرت کے ڈنکے بجاتے واپس مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت زینب بنت خزیمہؓ کو بتایا گیا کہ ان کے شوہر حضرت عبیدہ بن حارثؓ نے شہادت کا عظیم مرتبہ پایا ہے۔ حضرت زینب بنت خزیمہؓ نے دین اسلام اور عشق رسول ﷺ کی خاطر اس صدمہ کو انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ بیوہ ہو گئیں۔ ابھی آپؓ جوان تھیں۔ اس لیے عدت گزارنے کے بعد جب حضور اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے ان کو نکاح کا پیغام بھجوایا تو آپؓ نے رضامندی کا اظہار کیا اور یوں حضرت زینب بنت خزیمہؓ اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے اور باہم پیار و محبت سے زندگی بسر کرنے لگے۔

سن ہجری کا تیسرا سال تھا اور ماہ شوال کی سات تاریخ تھی کہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ آپؓ بہت بے جگری دلیری اور شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے لڑائی کو جاری رکھے ہوئے تھے حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے غزوہ احد کے موقع پر میدان جنگ میں اترنے سے پہلے دعا مانگی۔

''اے خالق حقیقی! مجھے ایسا مدمقابل عطا کر جو نہایت بہادر اور غضبناک ہو۔ میں تیری راہ میں لڑتا ہوا اس کے ہاتھوں شہید ہو جاؤں اور وہ میرے ہونٹ، ناک، اور کان کاٹ ڈالے تا کہ میں جب تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے کہ میرے ہونٹ، ناک، اور کان کیوں کاٹے گئے تو میں عرض کروں کہ اے باری تعالیٰ! تیرے اور تیرے رسول ﷺ کے لیے''۔

بارگاہ الٰہی میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی دعا قبول و منظور ہوئی۔ آپؓ اس جوش سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ حضور اکرم ﷺ نے جب یہ دیکھا تو انہیں کھجور کی ایک چھڑی عطا فرمائی جس سے انہوں نے تلوار کا کام لیا لیکن لڑتے ہوئے وہ ابوالحکم اخنس ثقفی کے ہاتھوں شہید ہو گئے شہید ہو جانے کے بعد مشرکین نے ان کے کان، ناک، وغیرہ کاٹ کر دھاگے میں پرو کر ہار پہنے۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی شہادت عظمیٰ کے بعد ایک بار پھر بیوہ ہو گئیں ان کا گھر تیسری مرتبہ سربراہ خانہ سے محروم ہو چکا تھا اس وقت حضرت زینب بنت خزیمہؓ کی عمر صرف تیس سال تھی۔ آپؓ بیوگی کی حالت میں صبر و شکر کے ساتھ دن گزار رہی تھیں کہ ایک دن حضرت زینب بنت خزیمہؓ کو نبی اکرم ﷺ کا پیغام ملا کہ آپ ﷺ انہیں حبالہ عقد میں لینا چاہتے ہیں۔ یہ نکاح دراصل راہ خدا میں جان نثار کرنے والوں کی قدردانی تھی تا کہ ان کے اہل و عیال بے سہارا نہ رہیں اور دوسروں کو بھی اس طرح کی قدردانی کی ترغیب ہو۔

حضرت زینب بن خزیمہؓ نے انتہائی مسرت و شادمانی کے ساتھ سرور کائنات ﷺ کا پیغام نکاح قبول فرمایا۔ روئے زمین پر سب سے ارفع و اعلیٰ اجمل و اکمل ذات کی طرف سے یہ

پیغام حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے لیے خوش قسمتی اور خوش بختی کا نکتہ کمال تھا۔

رسول مکرم ﷺ نے چار سو درہم مہر ادا کیا۔ حضور اکرم ﷺ سے حضرت زینب بنت خزیمہؓ کا نکاح ہونے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے حجروں سے متصل ان کے لیے حجرہ تعمیر کیا گیا۔ اس طرح حضرت زینبؓ ام المساکین کے ساتھ ساتھ با کمال عفت مآب، پاکیزہ دل و پاکیزہ سیرت ام المومنینؓ بھی بن گئیں اور یہ وہ سعادت تھی کہ جس پر جنت کی حوریں بھی رشک کناں ہوں گی کیونکہ سورۃ الاحزاب میں رب کائنات کا ارشاد پاک ہے کہ ''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو''۔

محبوب رب العالمین ﷺ کی یہ پانچویں شادی تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ جبکہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ بنت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ حرم پاک میں پہلے سے موجود تھیں۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ زینب بنت خزیمہؓ بن الحارث بن عبداللہ بن عمر بن عبدالمناف بن ہلال بن عامر آپؓ کو ہلالیہ اور عامریہ کہا جاتا تھا کیونکہ آپؓ ہلال بن عامر کے خاندان سے تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہ بنت عمرؓ حرم نبوی ﷺ میں داخل ہونے والی اپنی نئی سہیلی ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔ حضرت سودہ بنت زمعہؓ نے بھی بڑھ کر آپؓ کا استقبال کیا کیونکہ تینوں امہات المومنینؓ جانتی تھیں کہ رحمت عالم ﷺ نے انہیں ان کی دلجوئی کے لیے اپنے حرم میں شامل کیا ہے کیونکہ ان کا پہلا خاوند انہیں طلاق دے چکا تھا، دوسرے خاوند حضرت عبیدہ بن حارثؓ نے جنگ بدر میں جام شہادت نوش فرمایا، جبکہ تیسرے خاوند حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے جنگ احد میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ امہات المومنینؓ نے زینب بنت خزیمہؓ کے ساتھ ایسا مشفقانہ اور ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جس سے حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے دل کو ٹھنڈک اور اطمینان و سکون نصیب ہوا۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ کو حرم نبوت میں داخل ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ آپؓ کا آخری وقت آگیا۔ آپؓ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد سے پہلی بیوی ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی زندگی پاک میں انتقال فرمایا عیون الاثر کے مطابق حضرت زینبؓ آٹھ ماہ حرم نبوت ﷺ میں رہیں اور ربیع الثانی کے اواخر میں ہجرت سے 39 ماہ بعد اپنے خالق حقیقی سے جاملیں جبکہ حضور اکرم ﷺ نے ہجرت سے 31 ماہ بعد ان کو اپنی ازواج مطہرات کے زمرہ میں لیا تھا۔

سرور کائنات ﷺ کے حبالہ عقد میں رہنے کی مدت بعض نے دو ماہ بعض نے تین ماہ لکھی ہے۔ (الاستیعاب، طبقات ابن سعد)

حضرت زینب بنت خزیمہؓ ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپؓ کی نماز جنازہ خود سردار الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے پڑھائی اور اپنے ہاتھوں سے ام المومنینؓ اور ام المساکینؓ حضرت زینب بنت خزیمہؓ کو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دیا۔

حضرت زینب بنت خزیمہؓ نہایت عبادت گزار، صابر و شاکر اور سخی دل خاتون تھیں۔ ہمہ قسم کے حالات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنا بخوبی جانتی تھیں۔ زیادہ وقت ذکر الٰہی اور مخلوق خدا کی خدمت میں گزارتی تھیں۔ آپؓ کو رب کائنات نے ام المومنینؓ کے ارفع ترین درجے پر فائز کیا اور یوں حضرت زینب بنت خزیمہؓ کا نام رہتی دنیا تک امر ہو گیا۔ چونکہ آپؓ نے بہت کم عرصہ سرور کائنات ﷺ کے ساتھ گزارا۔ اس لیے آپؓ کے حالات کی بہت کم تفصیل سیرت نگاروں تک پہنچ سکی ہے۔

حضرت
ام سلمہ رض

حضرت ام سلمہؓ

سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پھوپھی برۃ بنت عبد المطلب کے ایک بیٹے عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی تھے جو آنحضور ﷺ کے پھوپھی زاد ہونے کے ساتھ ساتھ دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ ان کی شادی اپنے ہی خاندان کے ایک فرد حذیفہ ابوامیہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم کی ایک نیک بخت بیٹی ہند سے ہوئی۔ ہند کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن خزیمہ تھا جو قریش کے مشہور قبیلہ بنو فراس سے تعلق رکھتی تھیں اور انتہائی سخی، فیاض اور رحمدل تھیں۔ غربا اور مساکین کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔

ہند کے والد حذیفہ ابوامیہ بن عبداللہ ایک مشہور و معروف تاجر تھے اور بہت مالدار اور سخی انسان تھے۔ ان کی سخاوت اور فیاضی کا چرچا سرزمین عرب میں عام تھا۔ حذیفہ ابوامیہ تمام قبائل قریش میں نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے ساتھ سفر کرنے والے لوگ اپنے ساتھ زادِ راہ نہیں لیا کرتے تھے کیونکہ حذیفہ ابوامیہ تمام ہم سفر احباب کے اخراجات اپنی طرف سے ادا کیا کرتے تھے۔ قافلے والوں کی کفالت کرنے کی وجہ سے حذیفہ ابوامیہ کا لقب زاد الراکب مشہور تھا۔ (طبقات ابن سعد، اسد الغابہ)

اپنے والدین کی ثروت اور مال و دولت کی فروانی کے باعث ہند، سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی تھیں اور انتہائی ناز و نعم سے پرورش پائی تھی۔ جب ہند جوانی کی حدود کو پہنچیں تو والدین نے ان کی شادی بنو مخزوم کے خوبصورت، بہادر اور دولت مند جوان عبداللہ بن عبدالاسد کے ساتھ دھوم دھام اور شان و شوکت سے کی کہ جس کی مثال سرزمین عرب میں مشکل سے ملتی تھی۔ اپنی بیٹی ہند کی شادی کے موقع پر بھی حذیفہ ابوامیہ اور اس کی بیوی عاتکہ بنت عامر نے تجوریوں کے منہ

کھول دیئے اور سخاوت وفیاضی کا وہ نمونہ پیش کیا کہ زمانہ عش عش کر اٹھا۔ اس شادی پر صرف امراء اور روساء ہی مدعو نہ تھے بلکہ ہمہ قسم کے غرباء و مساکین اور نادار لوگوں کی ضیافت کے ساتھ ساتھ مالی امداد بھی کی گئی اور یوں خوشیوں، مسرتوں اور دعاؤں کی اس قابل تقلید فضا میں ہند اپنے والدین کے گھر سے رخصت ہو کر سسرال روانہ ہوئیں۔ ماں باپ نے خوشی اور محبت وشفقت کے ساتھ الوداع کیا۔

ہند اور عبداللہ بن عبدالاسد ایک علیحدہ مکان میں مسرت و شادمانی کے ساتھ رہنے لگے۔ دونوں میاں بیوی نیک سیرت بھی تھے اور خوبصورت بھی۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ گھر امن وسکون اور خوشیوں کا گہوارہ تھا۔ زندگی کے شب وروز مسرت و انبساط کے ساتھ گزرنے لگے اور گھر کے آنگن میں محبت کی بہاریں شادمانی کے پھول برسانے لگیں۔

انہی دنوں امام کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اعلان نبوت ورسالت کیا تو یہود ونصاریٰ اور مشرکین مکہ پیغام حق وصداقت کے خلاف ہو گئے۔ تاہم اس ابتدائی دور میں ساقی کوثر ﷺ کا ساتھ دینے والے گنتی کے چند جانثار ہی تھے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے نور سے منور کر دیا تھا۔ اس وقت تک کلمہ شہادت پڑھنے والوں کی تعداد دس تک پہنچی تھی۔

ہند اور عبداللہ بن عبدالاسد نے جب سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعوت اسلام کے بارے سنا تو دونوں میاں بیوی نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیوں نہ آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا جائے اور اپنا نام اسلام لانے والوں کی فہرست میں بہت پہلے لکھوایا جائے۔ دونوں میاں بیوی فوری طور پر شافع محشر حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے۔

آنحضور ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی عبداللہ بن عبدالاسد کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے دونوں میاں بیوی کو دعوت اسلام دی وہ تو پہلے ہی اسی نیت

سے آئے تھے۔ اس لیے انہوں نے آپ ﷺ کی اس دعوت کو فوری طور پر بسر و چشم قبول کر لیا۔

اس وقت تک تبلیغ اسلام کا کام خفیہ طور پر جاری تھا اور صرف قابل اعتماد رشتہ داروں اور دوستوں کو دعوت دی جاتی تھی۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا تھا۔ یوں ہند بنت ابی امیہ اور ان کے شوہر عبداللہ بن عبدالاسد جو کہ آپس میں چچازاد بھی تھے کو گیارہویں اور بارہویں مسلمان ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور یوں دونوں میاں بیوی نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کا اعزاز حاصل کر کے تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا نام یادگار بنا لیا گویا دونوں میاں بیوی السابقون الاولون میں سے تھے۔ (طبقات ابن سعد)

اگرچہ حضرت عبداللہؓ بن عبدالاسد اور حضرت ہندؓ بنت ابی امیہ دونوں میاں بیوی اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے اور ان کا مکہ میں اثر و رسوخ اور عزت و وقار بھی بہت تھا۔ لوگ ان کی دریا دلی، فیاضی اور غرباء پروری کی وجہ سے انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر جیسے ہی ان دونوں نے اسلام قبول کیا ان کے دوستوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور رفقاء نے آنکھیں بدل لیں۔ انہوں نے نہ صرف قطع تعلق کیا بلکہ ظلم و ستم اور ایذا رسانی پر اتر آئے۔

دونوں میاں بیوی سے نہ صرف تمام رشتے ناطے لین دین اور تعلقات ختم کر ڈالے بلکہ عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اور پریشانی و تکالیف کے نت نئے ہتھکنڈے اور منصوبے سوچنے اور آزمانے لگے۔ انہوں نے دونوں میاں بیوی سے کہا کہ وہ دین اسلام کی پیروی ترک کر کے دوبارہ سابقہ روش پر آ جائیں مگر حضرت ہندؓ بنت ابی امیہ اور حضرت عبداللہؓ بن عبدالاسد نے ان کی ہر قسم کی کوشش ناکام بنا دی اور ان کے ظلم و ستم کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ان بگڑے ہوئے حالات اور نا مساعد ماحول کے باوجود دین اسلام پر قائم و دائم رہے۔ انہوں نے ڈٹ کر مخالفین کا سامنا کیا۔ ان کی ثابت قدمی اور اولوالعزمی اہلیان مکہ کے لیے حیران کن ثابت ہوئی۔ ولید بن مغیرہ مخزومی شر پسند عناصر کی سربراہی کر رہا تھا۔ اس نے ان دونوں میاں بیوی کو خاص طور پر نشانہ بنایا ہوا تھا کیونکہ وہ ان کا رشتہ دار تھا اور اسے اس بات کا سخت رنج تھا کہ ان کے

خاندان کے دو افراد نے ہادی کون و مکاں حضرت محمد ﷺ کی ہدایت کو قبول کر کے جانثاران اسلام میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔

جب کہ مکہ مکرمہ میں دشمنان اسلام کی کارروائیاں نا قابل برداشت حد تک خطرناک صورت اختیار کر گئیں اور وہ تبلیغ اسلام کے کام میں قدم قدم پر روڑے اٹکانے لگے تو رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مسلمانوں کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ ان دنوں ملک حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی رحم دلی اور منصف مزاجی کے ہر طرف چرچے تھے۔ اس لیے اسلام کی پہلی ہجرت کا منصوبہ حبشہ کی طرف کوچ کرنے کا بنایا گیا۔

دربار رسالت مآب ﷺ سے اجازت کے بعد مہاجرین کا جو پہلا قافلہ حبشہ کی جانب روانہ ہوا وہ سولہ افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں بارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ ان بارہ مردوں میں حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ کے ساتھ ساتھ حضرت عبداللہؓ بن عبدالاسد بھی شامل تھے۔ اور چار عورتوں میں حضرت عثمان غنیؓ کی زوجہ حضرت رقیہؓ بنت محمد ﷺ کے ساتھ حضرت ہندؓ بنت ابی امیہ زوجہ حضرت عبداللہؓ بن عبدالاسد بھی شامل تھیں۔ گویا اسلام کی پہلی ہجرت میں پہلا قافلہ جو حبشہ کی جانب روانہ ہوا اس میں حضرت عبداللہؓ بن عبدالاسد اور حضرت ہندؓ بنت ابی امیہ دونوں میاں بیوی شامل تھے اور یہ وہ شرف اور اعزاز ہے جو سولہ افراد نے حاصل کیا اور یہ وہ لوگ تھے جو آنحضور ﷺ کے انتہائی ابتدائی ساتھیوں اور جانثاروں میں تھے۔

جب مہاجرین کا یہ قافلہ ساحل سمندر پر پہنچا تو وہاں تاجروں کی دو کشتیاں روانگی کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ یہ سب ان میں سوار ہوئے اور حبشہ کے ساحل پر صحیح سلامت اتر گئے مشرکین مکہ کو جونہی یہ حوصلہ شکن اور تعجب خیز خبر ملی کہ مسلمانوں کا ایک قافلہ چپکے سے صحیح سلامت مکہ معظمہ سے نکل کر حبشہ پہنچ گیا ہے تو وہ بہت طیش میں آئے۔ مسلمان کچھ عرصہ بعد واپس مکہ پہنچے تو انہیں اور مسلمانوں کے ہمرکاب دوبارہ ہجرت حبشہ پر مجبور کیا گیا اس میں بھی ہندؓ اور ان کے شوہر شامل تھے۔ کفار نے سوچا کہ کسی طرح ان افراد کے قافلہ کو حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس لایا جائے اور ان کی

اس حرکت کی انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ اس شیطانی منصوبے کو عملی جامعہ پہنانے کے لیے مشرکین مکہ نے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو وفد کی شکل میں حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کو مسلمانوں کے خلاف دلائل سے قائل کر کے انہیں وہاں سے نکلوا کر واپس مکہ مکرمہ لے آئیں جب یہ وفد بادشاہ نجاشی کے دربار میں پہنچا تو اس نے مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کے بے بنیاد الزامات عائد کیے اور مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال باہر کیا جائے۔

حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس نے پیغام بھیج کر مسلمانوں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا تاکہ وہ اس معاملے کی تحقیق بذات خود کر سکے۔ جب مسلمان دربار میں پہنچے تو بادشاہ نجاشی نے ان پر لگائے گئے تبدیلی مذہب کے تمام الزامات اسی طرح دہرائے جیسے مشرکین مکہ کے دورکنی وفد نے لگائے تھے۔ مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ مکہ سے چند سر پھرے لوگ بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔ وہ تخریب کار ہیں اور اس قابل نہیں کہ انہیں یہاں رہنے دیا جائے۔ وہ آپ کے لیے پریشانی کا باعث بنیں گے انہوں نے وہاں بھی گھر گھر میں فساد برپا کر دیا ہے۔ بھائی کو بھائی سے لڑا دیا ہے باپ بیٹوں میں جدائی ڈال دی ہے انہوں نے اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑ کر کوئی انوکھا دین اختیار کر لیا ہے۔ آپ کا دین بھی انہیں پسند نہیں بہتر یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے سپرد کر دیں تو ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔

نجاشی نے مسلمانوں کو اپنی صفائی بیان کرنے کو کہا تو مہاجرین کا دوسرا قافلہ جو دوسری ہجرت حبشہ میں پہنچا تھا اس میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ بھی شامل تھے۔ آپؓ نے آگے بڑھ کر بادشاہ نجاشی سے مخاطب ہو کر کہا۔

''بادشاہ سلامت! ہم جاہل قوم تھے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ہم حیوانوں کی طرح زندگی بسر کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی کے لیے ہم میں سے ایک رسولؐ بھیجا جس کی صداقت، امانت اور عفت وعصمت کے دوست دشمن بھی معترف ہیں۔ اس نے ہمیں ایک خدا کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔ جھوٹ بولنے، خیانت کرنے اور بے حیائی

کرنے سے روکا، ہمیں نماز، روزہ اور زکواۃ کا حکم دیا''۔

نجاشی نے کہا'' میں نے سنا ہے کہ نبی اقدس ﷺ پر کلامِ الٰہی نازل ہوتا ہے کیا آپؓ اس کا کوئی نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔''

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے قرآن پاک کی آیات اس سوز اور سرشاری سے تلاوت کیں کہ بادشاہ نجاشی کے جسم میں کپکپاہٹ پیدا ہوگئی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ جن سے اس کی داڑھی تر ہوگئی دربار میں سناٹا طاری ہوگیا۔ مشرکین مکہ کی امیدوں پر پانی پھر گیا نجاشی نے گرجدار آواز میں کہا۔

'' واللہ! یہ کلام جو آج میں نے سنا ہے اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا۔ ان کا منبع و مآخذ ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ سنو! یہ لوگ جب تک ان کا جی چاہے میرے ملک میں رہ سکتے ہیں۔ ان کو ہماری طرف سے ہر طرح کا تحفظ حاصل ہوگا اور دیکھو! مجھے اگر کوئی سونے کا پہاڑ دے کر یہ مطالبہ کرے کہ اس کے بدلے یہ لوگ یہ ان کے سپرد کردوں تو میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا''۔

مشرکین مکہ نے جب بادشاہ نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو بغلیں جھانکتے ہوئے پشیمانی و ندامت کو اپنے چہروں پر سجائے دربار سے نکلے اور اپنی راہ لی۔ یہ تمام داستان حضرت ہندؓ بنت ابی امیہ نے ایسے دل پذیر انداز میں بیان کی کہ واقعات سیرت کا ایک اہم حصہ بن گئی۔

حضرت ہندؓ بنت ابی امیہ مزید بیان کرتی ہیں۔ '' ہم لوگ مشرکین مکہ کے وفد کی ناکامی و نامرادی کے بعد حبشہ میں بہت پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے۔ صبح و شام خدا کا شکر بجا لاتے اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے ہدایت کے احکامات کی پابندی کرتے۔ میرے شوہر حضرت عبداللہؓ بن عبدالاسد مخزومی بھی میرے ساتھ تھے۔ ہمارا گھرانہ ہنسی خوشی حیات مستعار کے لمحات گزار رہا تھا کہ رب رحمٰن الرحیم نے ہمیں وہاں قیام کے دوران ایک چاند سی بیٹی عطا کی جس کا نام ہم نے زینب اس کے بعد ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ہم نے سلمہ رکھا۔ جس کی وجہ سے

میرے شوہر ابوسلمہ اور میں ام سلمہ کہلائی''۔

حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ اور ان کے شوہر حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی حبشہ میں زندگی کے خوش گوار دن گزار رہے تھے۔ ان کا گھر بیٹی اور بیٹے کی آمد سے مہکنے لگا۔ یہ پھول ان کے آنگن کی زینت، دلوں کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنے، حبشہ کا نیک دل حکمران نجاشی مسلمانوں پر بڑا مہربان تھا۔ اس نے میزبانی کا حق واقعی ادا کیا۔

حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ بیان کرتی ہیں۔

''ہم حبشہ میں آسودہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ نجاشی بادشاہ بڑا مہربان تھا لیکن مادر وطن مکہ معظمہ کی یاد دل سے بھلائی نہ جا رہی تھی۔ ہر دم دل میں یہی خیال جاگزیں رہتا کہ وہ کون سی گھڑی ہوگی جب ہم اپنے پیارے وطن کو واپس لوٹیں گے اور سرور کائنات ﷺ کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک، دل کو راحت اور دماغ کو فرحت پہنچائیں گے۔ محبوب رب العالمین ﷺ سے ملنے کا شوق دن بدن بڑھتا جا رہا تھا لمحہ کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا کہ ایک روز حبشہ میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب مکہ معظمہ کے حالات یکسر بدل چکے ہیں اور حضرت عمر فاروقؓ کے رعب و دبدبہ کے باعث قریش مکہ مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانے سے باز آ چکے ہیں۔

اس خبر سے ہمارے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ہم نے واپس مکہ معظمہ جانے کے لیے زاد راہ باندھنا شروع کر دیا تمام تر تیاری مکمل کر کے اور سامان وغیرہ باندھ کر ہم خوشی خوشی مکہ معظمہ کی جانب چل پڑے۔ حضرت عثمان غنیؓ بھی اپنے اہل خانہ کے ہم رکاب ہمارے ساتھ ہی واپس مکہ معظمہ پہنچے مگر مکہ معظمہ پہنچ کر ہمیں علم ہوا کہ یہ تو محض افواہ تھی اور قریش مکہ کی ایک چال تھی اور یہ کہ قریش مکہ تو پہلے سے بھی زیادہ نومسلم افراد پر ظلم وستم ڈھا رہے ہیں۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا ہم پھر ظلم وستم کی چکی میں پسنے کے لیے واپس پہنچ چکے تھے اور کفار مکہ بغلیں بجا رہے تھے۔

حضرت ابوسلمہؓ حبشہ سے مکہ واپس لوٹے تو مشرکین مکہ نے انہیں پھر ہدف اذیت

بنایا اور انہیں اس حد تک تنگ کیا کہ ایک روز انہوں نے پھر حبشہ چلے جانے کا ارادہ کر لیا تھا کہ رسول رحمت ﷺ نے اپنے جانثاروں اور سرفروشان اسلام کو صبر و استقامت کی تلقین فرمائی اور اگلی ہدایت کا انتظار کرنے کو کہا''۔

حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ مکہ معظمہ پہنچنے پر اپنے ماموں ابو طالب کے گھر چلے گئے۔ قبیلہ بنی مخزوم والوں کو جب یہ اطلاع ملی تو غم و غصہ سے پاگل ہو کر ابو طالب کے گھر پہنچے اور ان سے الجھ پڑے۔ بات بحث مباحثہ اور تکرار سے ہوتی ہوئی ہاتھا پائی تک جا پہنچی اس وقت ابولہب نے درمیان میں آ کر مصالحت کرا دی مگر یہ بات عارضی طور پر ختم ہوئی تھی۔ مسلمانان اسلام پر دشمنان اسلام کا ظلم و ستم روز بروز فزوں تر ہوتا رہا اور ان کو ایسی بھیانک اذیتیں دی جانے لگیں کہ ان کا جینا محال ہو گیا۔ جتنا عرصہ یہ لوگ ان کے ظلم و ستم سے محفوظ رہے تھے اس کی بھی کسر نکال دی۔

دشمنان اسلام کسی طرح بھی دین اسلام کی پیش رفت نہیں روک سکتے تھے۔ اب اس بات پر تل گئے تھے کہ ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ختم کر ڈالیں۔ کفار مکہ ابھی یہ منصوبے بنا رہے تھے کہ اللہ پاک نے اپنے محبوب نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ اب وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جائیں۔ آپ ﷺ نے یہ خبر مسلمانوں کو سنائی تو مدینہ منورہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت رفتہ رفتہ ہونے لگی۔ اس دفعہ بھی ہجرت کرنے والوں کے قافلے میں سب سے پہلے حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت ام سلمہؓ مکہ مکرمہ سے نکلے۔ ابن کثیر اور ابن ہشام کے مطابق یثرب کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے کی جس کو سعادت نصیب ہوئی وہ حضرت ابوسلمہؓ مخزومی تھے۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔

''میرے شوہر حضرت ابوسلمہؓ نے جب ہجرت کا پختہ عزم کر لیا تو وہ اپنی اونٹنی لے آئے۔ مجھے اس پر سوار کیا اور اپنے بیٹے سلمہؓ کو میری گود میں بٹھا دیا۔ انہوں نے اونٹنی کی نکیل

پکڑی اور منزل کی جانب روانہ ہوئے۔ میرے خاندان کے سربراہ بنو مغیرہ بن عبداللہ نے جب میرے شوہر کو اپنی بیوی بچے کے ہمراہ ہجرت کرتے دیکھا تو وہ میرے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہا، اے ابوسلمہؓ! اگر تم ہماری مرضی کے خلاف اپنا وطن چھوڑ کر چلے جانے پر مصر ہو تو تمہاری مرضی، ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے لیکن ہماری بیٹی ام سلمہ کو ساتھ لے جانے کی تمہیں اجازت نہیں دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابوسلمہؓ کے ہاتھ سے اونٹنی کی نکیل چھین لی اور مجھے اپنے ساتھ واپس لے چلے۔ حضرت ابوسلمہؓ کے خاندان والوں کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ طیش میں آ گئے۔ انہوں نے بنو مغیرہ کو آ کر کہا کہ اگر تم ہمارے بھائی حضرت ابوسلمہؓ کے ساتھ اپنی بیٹی کو بھیجنے پر رضامند نہیں تو پھر ہم بھی تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ تم ہمارا بیٹا سلمہؓ اپنے ساتھ لے جاؤ، چنانچہ انہوں نے میری گود سے میرا لخت جگر چھین لیا۔ اس کھینچا تانی میں میرے ننھے بیٹے کا باز و اتر گیا۔

میرے شوہر نے مدینہ منورہ کی طرف راہ لی۔ میں اپنے شوہر کی جدائی کے غم سے نڈھال تھی کہ میرا بیٹا بھی مجھ سے چھین لیا گیا میرے خاندان والے مجھے لے گئے اور مجھے محبوس کر دیا۔ اس طرح میرا سارا کنبہ بکھر گیا اور میرا سکون غارت ہو گیا۔ میں الگ، میرا بیٹا الگ اور میرا شوہر سب ایک دوسرے سے جدا کر دیئے گئے۔ مجھ پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

میں ہر صبح ابطح کے مقام پر پہنچتی جہاں میرا سارا کنبہ بکھرا تھا وہاں بیٹھ کر دن بھر اپنے شوہر اور لخت جگر کے فراق میں آنسو بہاتی رہتی اور شام کو واپس آ جاتی۔ سات آٹھ روز تک یہی حالت رہی لیکن خاندان کے لوگوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

میرے شوہر حضرت ابوسلمہؓ سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچے۔ یہ محرم الحرام کی دسویں تاریخ تھی۔ خاندان عمرو بن عوف نے ان کو پورے دو ماہ یعنی رسول اللہ ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری تک اپنا مہمان بنائے رکھا۔

ایک روز میں وہاں بیٹھی رو رہی تھی کہ بنی مغیرہ میں سے میرا ایک چچازاد میرے قریب سے گزرا۔ اس نے جب میری حالت زار دیکھی تو اس کا دل بھر آیا۔ واپس آ کر اس نے اپنے قبیلے والوں کو ملامت کی کہ تمہیں اس مظلوم ماں اور ستم رسیدہ بیوی پر رحم نہیں آتا۔ تم نے اس کو اس کے خاوند کو اور اس کے بچے کو جدا کر دیا اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو۔ اس کو جانے دو اور اس کا معصوم بچہ بھی اس کے حوالے کر دو۔

میرے خاندان والوں نے میرے چچازاد کی باتیں سنیں تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر تم اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔ میرے خاوند کے رشتہ داروں کو اس اجازت کا پتہ چلا تو انہوں نے میرا بیٹا سلمہ مجھے واپس کر دیا چنانچہ میں نے اپنے اونٹ پر کجاوا ڈالا۔ اس پر سوار ہوگئی پھر اپنے بیٹے کو اپنی گود میں بٹھالیا اور یکہ و تنہا مدینہ منورہ روانہ ہوگئی۔ میرے ساتھ کوئی مرد نہ تھا لیکن دیار حبیب ﷺ کا شوق مجھے کشاں کشاں لیے چلا جا رہا تھا۔

مکہ معظمہ سے باہر جب تنعیم کے مقام پر پہنچی تو وہاں مجھے عثمانؓ بن طلحہ عبدری ملے جو اس وقت ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی تھی یہ اس وقت کعبہ کے کلید بردار تھے، عثمان بن طلحہؓ کی مجھ پر نظر پڑی تو اس نے مجھے پہچان لیا کیونکہ میرے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کے اس کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات تھے۔

حضرت عثمانؓ نے مجھ سے پوچھا کہ کدھر کا قصد ہے؟ اکیلی کہاں جا رہی ہو؟

میں نے جواب دیا ''اپنے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کے پاس مدینہ منورہ جا رہی ہوں۔''

اس نے پوچھا ''کوئی مرد ساتھ نہیں ہے''۔

میں نے کہا ''کوئی نہیں بس اللہ کے سہارے جا رہی ہوں، وہی میرا حامی و ناصر ہے، وہی میری حفاظت کرے گا''۔

حضرت عثمان بن طلحہؓ نے کہا ''یہ نہیں ہو سکتا، تم تنہا کبھی نہیں جا سکتیں'' یہ کہہ کر

حضرت عثمان بن طلحہؓ نے آگے بڑھ کر میرے اونٹ کی مہار پکڑتے ہوئے کہا ''میں آپؓ کو مدینہ منورہ چھوڑ کر آؤں گا۔''

حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ فرماتی ہیں۔

''حضرت عثمان بن طلحہؓ نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور مجھے لے کر چل پڑا۔ اللہ کی قسم! ایسا نیک خصلت، شریف الطبع، کریم النفس، پاکیزہ نگاہ اور پاکیزہ دل رفیق سفر میں نے کوئی اور نہیں دیکھا۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک سفر کے دوران جب کہیں پڑاؤ کا وقت آتا تو وہ اونٹ کو بٹھاتا پھر دور ہٹ کر کھڑا ہو جاتا۔ میں بچے کو لے کر نیچے اترتی اور وہ اونٹ کو کسی درخت کے ساتھ باندھ کر خود دور جا کر لیٹ جاتا اور یوں مجھے آزادانہ آرام کرنے کا موقع مل جاتا۔ جب دوبارہ سفر شروع کرنے کا وقت آتا تو وہ اونٹ پر کجاوا کس کرلے آتا اور اونٹ کو میرے پاس لا کر بٹھا دیتا میں بچے سمیت سوار ہونے لگتی تو وہ پرے ہٹ جاتا۔ جب سوار ہو کر بیٹھ جاتی تو وہ آ کر اونٹ کی نکیل پکڑ لیتا اور چلنے لگتا۔ سارے سفر میں اس کا یہی معمول رہا۔ یہاں تک کہ ہم کئی روز کا سفر طے کر کے مدینہ منورہ کی ملحقہ آبادی قباء میں پہنچے جہاں بنو عمرہ بن عوف آباد تھے اور وہاں ہی میرے شوہر قیام پذیر تھے۔

اب حضرت عثمان بن طلحہ عبدریؒ نے کہا۔ دیکھو! ابو سلمہؓ اس گاؤں میں ہے وہاں چلی جاؤ، اچھا خدا حافظ میں اب واپس جاتا ہوں۔ اللہ پاک تمہیں برکتیں عطا فرمائے''۔ (زرقانی)

سیرت ابن کثیر میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ نے کہا۔

''بخدا میں اسلام میں کسی خاندان کو نہیں جانتی جسے ابو سلمہؓ کے خاندان سے زیادہ مصیبتیں جھیلنی پڑی ہوں اور نہ میں نے کوئی ایسا ساتھی دیکھا ہے جو عثمان بن طلحہؓ سے زیادہ شریف النفس ہو''۔

یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت ابو سلمہؓ سے اس کی بیوی چھین لی جاتی ہے ان کے لخت جگر

کو ان سے جدا کر دیا جاتا ہے مگر حضرت ابو سلمہؓ کے ایمان کی استقامت اور عزیمت قابل تقلید ہے کہ وہ اپنی منزل محبت سے رخ نہیں پھیرتے۔ سب کو اللہ کے حوالے کر کے مدینہ منورہ کی طرف والہانہ انداز میں قدم بڑھاتے ہیں معصوم بچے کو ماں اور باپ دونوں سے محروم کر دیا جاتا ہے حضرت ام سلمہؓ کو بیک وقت دو صدمے برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ ایک اپنے شوہر کا فراق، دوسرے اپنے نور نظر کی جدائی لیکن کیا مجال کہ پائے استقامت میں ذرا سی بھی جنبش آئی ہو، اور خدائے لم یزل پر اتنا بھروسہ اور توکل کہ اکیلی مدینہ منورہ کی جانب سفر کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ عشق مصطفیٰ ﷺ اور دین اسلام سے والہانہ لگاؤ کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

حضرت ام سلمہؓ جب قباء پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے اور یہ بھی پوچھتے کہ وہ کس کی بیٹی ہیں؟ اور جب آپؓ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا کیونکہ وہ حیرت میں تھے کہ اتنے بڑے باپ کی بیٹی کیسے تنہا سفر کر سکتی ہے۔ لیکن یہاں تو ایمان کی حرارت تھی جس نے رگ رگ میں جرأت اور دلیری پیدا کر دی تھی۔

مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت ام سلمہؓ بن ابی امیہ اپنے لخت جگر سلمہؓ کے ہمراہ اپنے شوہر کے مکان پر پہنچیں۔ آپؓ کے شوہر حضرت ابو سلمہؓ نے اپنی بیوی اور اپنے بیٹے کو خوش آمدید کہا اور مسرت و حیرت کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ دونوں ماں بیٹے کو گھر کے اندر لے گئے۔ حضرت ابو سلمہؓ کو خوشی اس بات کی تھی کہ ان کی بیوی اور بیٹا ان کے پاس پہنچ گئے تھے اور حیرت اس امر کی کہ یہ دونوں ماں بیٹا کس طرح مدینہ منورہ پہنچے۔ حضرت ابو سلمہؓ نے اپنی پیاری بیوی حضرت ام سلمہؓ سے اس بارے پوچھا تو انہوں نے ساری داستان بیان کر دی اور خاص طور پر حضرت عثمان بن طلحہؓ کلید بردار کعبہ کے حسن عمل اور حسن معاونت کا ذکر کیا کہ جن کی مدد سے انہوں نے یہ کٹھن سفر طے کیا تھا۔ تینوں بچھڑے ہوئے میاں، بیوی اور بچہ آپس میں ملے تو گھر جنت نظیر ہو گیا۔ میاں بیوی راضی خوشی زندگی کے دن گزارنے لگے اور حضرت ام سلمہؓ اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئیں۔

مدینہ منورہ کے لوگوں کا پیشہ اور ذریعہ آمدنی زراعت تھا۔ مکہ معظمہ سے حضرت ابوسلمہؓ یہاں پہنچے تو انہوں نے مدینہ منورہ کے مسلمانوں سے مل کر ان کے پیشہ زراعت میں ہر ممکن تعاون شروع کر دیا۔ دوسرے مہاجرین بھی جو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے یہاں پہنچے تھے مدینہ منورہ کے مسلمان بھائیوں کے ساتھ شانہ بشانہ مددگار و معاون ہو کر زندگی بسر کرنے لگے۔ مدینہ منورہ کے لوگ فطرتاً پرامن، مہمان نواز اور اخوت و محبت کے جذبات سے لبریز نیک دل اور نیک کردار تھے۔ ان لوگوں کے درمیان مکہ معظمہ کے مہاجرین کو سکون اور اطمینان نصیب ہوا۔

جب مہاجرین اپنے اپنے ٹھکانوں میں آباد ہو گئے تو انہیں اپنے رشتہ دار، عزیز و اقارب اور مال و متاع کی فکر دامن گیر ہوئی جو وہ مکہ مکرمہ میں پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ ان کے دلوں سے کافروں کا خوف اور اندیشے ختم ہو گئے تھے اور اب وہ اس نہج پر سوچنے لگے تھے کہ اپنے آپ کو دفاعی لحاظ سے مضبوط بنا کر مشرکین مکہ سے ہمہ قسم کے میدانوں میں بھرپور مقابلہ کیا جائے اور ان کو شکست دی جائے۔

چند ماہ بعد سپہ سالار اعظم حضرت محمد ﷺ نے دفاع کو مستحکم کرنے کے لیے مسلمانوں کے لشکر کی ترتیب و تشکیل شروع کر دی۔ اب مسلمانوں نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ انہیں خود اپنی بقا کی مدافعت کرنے کے لیے ہر وقت خود کو تیار اور ہوشیار رکھنا چاہیے۔

ہجری کا دوسرا سال تھا کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اطلاع ملی کہ مشرکین مکہ کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سربراہی میں ملک شام جا رہا ہے۔ آنحضور ﷺ نے اپنے حسن تدبر اور اعلیٰ عسکری حکمت عملی سے تین سو تیرہ مسلمان مجاہدین کا ایک لشکر تیار کیا جس کی قیادت آپ ﷺ نے خود سنبھالی اور مختصر ساز و سامان کے ساتھ ارفع قوت ایمانی اور رب قدیر کی مدد کے کامل یقین کے ہمرکاب مدینہ منورہ سے کوچ کر کے بدر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاں اسلام اور کفر کی پہلی جنگ لڑی گئی۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کو زبردست کامیابی نصیب ہوئی اور دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے گئے۔ غزوہ بدر میں حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کے شوہر نامدار حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد بھی شریک ہوئے۔ وہ بہت بہادری اور جرات کے ساتھ دشمنان اسلام پر ٹوٹ پڑے اور بے مثل شجاعت کے ساتھ مشرکین مکہ کو شکست فاش پر مجبور کیا۔ انہوں نے اس جنگ میں اپنی عسکری مہارت کا لوہا منوایا۔

ہجرت کے تیسرے سال جب غزوہ احد ہوا تو اس میں بھی حضرت ابو سلمہؓ نے بھرپور حصہ لیا اور ڈٹ کر دشمنان اسلام کا مقابلہ کیا۔ آپؓ بہت بہادری اور جاںثاری کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ ابو اسامہ جشمی نے آپؓ کے بازو پر نیزہ مارا جس سے بہت گہرا زخم آیا۔ مہینہ بھر اس کا علاج ہوتا رہا۔ اوپر سے تو زخم مندمل ہو گیا لیکن اندر سے خشک نہ ہوا تاہم حضرت ابو سلمہؓ نے اپنے آپ کو صحت مند اور توانا محسوس کیا اور کسی بھی قسم کی آزمائش کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے۔

غزوہ احد کو ابھی دو ماہ کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ رسول مکرم ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ بنو اسد کے افراد لوگوں کو آنحضور ﷺ اور دین اسلام کے خلاف بھڑکا رہے ہیں اور مدینہ منورہ پر حملہ کر کے لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کرنے کا مذموم ارادہ رکھتے ہیں۔ ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو جیسے ہی یہ خبر ملی تو آپ ﷺ نے لشکر اسلام کو تیاری کا حکم دیا۔ یہ لشکر ایک سو پچاس افراد پر مشتمل تھا۔ سردار الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی کو اس لشکر اسلامی کا سردار منتخب کیا۔ اس لیے اس نسبت سے اسے سریہ ابو سلمہ بھی کہا جاتا ہے۔ لشکر اسلام کو قطن کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس لشکر میں حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے تجربہ کار جلیل القدر صحابہ کرام موجود تھے۔

سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی کے ہاتھ میں لشکر اسلام کا جھنڈا تھماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ''تم سرزمین بنو اسد پر جا کر پڑاؤ کرنا اور ان پر اچانک جا کر حملہ آور ہونا تاکہ انہیں تم پر چڑھائی کرنے کا موقع میسر نہ آسکے۔ خدا تمہاری مدد

کرے اور تمہیں فتح سے ہمکنار کرے"۔

حضرت ابو سلمہؓ نے رسول رحمت ﷺ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے لشکر کی قیادت کے فرائض سرانجام دیئے بنو اسد کے علاقے قطن میں پہنچ کر مجاہدین اسلام نے دشمنان اسلام پر اچانک حملہ کر دیا۔ تلواروں کی جھنکار اور سرفروشان اسلام کی للکار دشمن پر بجلی بن کر گری۔ مجاھدین اسلام اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر سر پر کفن باندھ کر شوق شہادت کے نشہ میں مخمور میدان جنگ میں اترے تھے۔ اس معرکے کی بڑی اہمیت تھی۔ اس میں کامیابی اس لیے بھی ضروری تھی کہ غزوہ احد میں پیش آنے والی پشیمانی کا مداوئی ہو سکے۔ مزید یہ کہ گردونواح میں بسنے والے قبائل کے دلوں میں مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کی دھاک بٹھانے کے لیے ضروری تھا کہ اس معرکے میں فیصلہ کن کامیابی حاصل کی جائے۔ اس لیے ہر مجاہد جان توڑ کر لڑا۔ حضرت ابو سلمہؓ نے اپنے زخمی بازو کی پرواہ نہ کی اور بے جگری سے لڑے۔ زخم اندر سے ہرا تھا۔ وہ پھٹ پڑا لیکن حضرت ابو سلمہؓ برق رفتاری سے دشمن کو تہ تیغ کرنے میں مصروف رہے۔

بنو اسد کو اس معرکہ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے سپاہی میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ دشمن کے تین افراد قیدی بنا لیے گئے۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس معرکے میں بہت سا مال غنیمت لشکر اسلام کو حاصل ہوا۔ ۲۹ دن کے بعد لشکر اسلام ۴ ہجری ۸ صفر کو واپس مدینہ منورہ پہنچا لیکن لشکر کے قائد حضرت ابو سلمہؓ کے بازو کے زخم نے نڈھال کر دیا تھا تاہم وہ خوش تھے کہ ان کی قیادت میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تھی اور جس مشن پر انہیں سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے بھیجا تھا اس میں وہ سرخرو ہوئے۔ حضرت ابو سلمہؓ اس معرکہ سے فراغت کے بعد جب ہرے زخم کے ساتھ گھر پہنچے تو کافی نڈھال تھے اور کمزوری محسوس کر رہے تھے۔ آپؓ کی اہلیہ محترمہ حضرت ام سلمہؓ بن ابی امیہ نے اپنے شوہر نامدار کو جہاں معرکے کی کامیابی کی مبارکباد دی وہاں وہ ان کی نحیف حالت دیکھ کر گھبرا سی گئیں۔ کافی علاج معالجہ کیا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ کسی بھی دوا نے اپنا اثر نہ دکھایا۔ زخم زہر آلود تھا۔ زخم کا زہر پورے جسم کے اندر سرایت

کرنے لگا اور حضرت ابوسلمہؓ نحیف سے نحیف تر ہوتے گئے۔ حضرت ام سلمہؓ بن ابی امیہ نے اپنے شوہر کی تیمارداری اور علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ بڑے سے بڑے طبیب کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مگر تمام کوششیں بے سود ہوتی نظر آ رہی تھیں اور بستر علالت اب بستر مرگ بنتا جا رہا تھا۔

ان ساعتوں میں حضرت ام سلمہؓ بن ابی امیہ کو اپنے شوہر کے ساتھ کی گئی برسوں پہلے کی وہ گفتگو یاد آ رہی تھی جب ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شوہر حضرت ابوسلمہؓ سے کہا تھا ''میں نے سنا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر اس کی زندگی میں انتقال کر جائے اور وہ عورت اس کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرد کی زندگی میں اس کی بیوی فوت ہو جائے اور وہ مرد اس کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ آؤ ہم دونوں مل کر عہد کریں کہ ہم میں سے جو پہلے فوت ہو تو دوسرا اس کے بعد شادی نہ کرے''۔

حضرت ابوسلمہؓ نے اپنی بیوی حضرت ام سلمہؓ کی اس تجویز پر کہا تھا ''اے ام سلمہؓ! کیا تم میرا کہنا مانو گی؟''

وفا شعار بیوی حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا تھا ''اے میرے سرتاج! کیوں نہیں۔ میں آپ کا ہر کہا مانوں گی۔ اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا سعادت ہو گی''۔

حضرت ابوسلمہؓ نے فرمایا تھا ''اے ام سلمہؓ اگر میں پہلے مر جاؤں تو تم میرے بعد ضرور شادی کر لینا''۔

اس کے بعد حضرت ابوسلمہؓ نے دونوں ہاتھ بلند کر کے رب رحمٰن و رحیم سے دعا مانگی تھی ''اے دو جہان کے مالک! زندگی اور موت تیرے قبضہ قدرت میں ہے۔ اگر میں ام سلمہؓ کی زندگی میں انتقال کر جاؤں تو اے باری تعالیٰ تو اپنی رحمت سے ام سلمہؓ کو مجھ سے بہتر شخص عطا فرمانا''۔

اب جبکہ حضرت ابو سلمہؓ بستر مرگ پر پڑے حیات مستعار کی ساعتیں گن رہے تھے تو حضرت ام سلمہؓ کو اپنے شوہر نامدار کی زبان سے نکلا ایک ایک لفظ ذہن میں گردش کرنے لگا لیکن آپؓ رب ورحمن ورحیم کی رحمت سے ناامید نہیں تھیں اور کسی ایسے معجزے کی منتظر تھیں کہ جس سے ان کا شوہر تندرست وصحت مند ہو جائے۔

حضرت ام سلمہؓ انہیں سوچوں میں تھیں کہ رحمۃ للعالمین ﷺ ان کے گھر ان کے شوہر کی عیادت کو تشریف لے آئے۔ سرور کائنات ﷺ نے دیکھا کہ حضرت ابو سلمہؓ اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہے ہیں اور اب ان کے مزید زندہ رہنے کی کوئی امید نہیں تو آپ ﷺ نے حضرت ابو سلمہؓ کو تسلی دی۔ ان کے لیے دعائیہ کلمات کہے اور پیار سے تھپکی دی۔ اس موقع پر حضرت ابو سلمہؓ نے یہ دعا کی۔

''یارب العالمین! میرے بعد میرے اہل خانہ کو میرا نعم البدل عطا کرنا۔ میری بیوی ام سلمہؓ کو ایسا شوہر عطا کرنا جو مجھ سے بہتر ہو۔ جو اسے نہ کوئی غم دے اور نہ ہی تکلیف''۔

حضرت ابو سلمہؓ کی روح دیدار محبوب خدا ﷺ کی منتظر تھی۔ حالت نزع میں آنحضور ﷺ تشریف لے آئے تو دیدار جمال مصطفیٰ ﷺ کرتے ہی روح نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ہادی کون ومکاں ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حضرت ابو سلمہؓ کی دونوں آنکھیں بند کر کے فرمایا۔

''انسان کی روح جس وقت اٹھائی جاتی ہے تو اس کی دونوں آنکھیں اس کو دیکھنے کے لیے کھلی رہ جاتی ہیں۔ (طبقات ابن سعد) یوں حضرت ابو سلمہؓ جمادی الآخر 4 ہجری میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

جب حضرت ابو سلمہؓ اللہ کو پیارے ہو گئے تو حضرت ام سلمہؓ کے دل میں خیال آیا ''بھلا ابو سلمہؓ سے بہتر میرے لیے کون ہو سکتا ہے؟'' حضرت سلمہؓ بنت ابی امیہ کا بیان ہے کہ ''میں نے رسول مکرم حضرت محمد ﷺ سے عرض کی۔ ''یارسول اللہ ﷺ! میں اپنے لیے کیا دعا

کروں؟" آنحضور ﷺ نے فرمایا "تم یہ دعا مانگو کہ الٰہی! ہمیں اور ابوسلمہؓ کو بخش دے اور اس کی مناسب سے میرا انجام بہتر ہو"۔

مسند احمد اور زرقانی کی تحقیق کے مطابق حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ خود سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچیں اور اپنے شوہر نامدار حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کی خبر سنائی۔ آنحضور ﷺ جب تشریف لائے تو گھر میں کہرام مچا ہوا تھا ایک طرف پردہ کے پیچھے گھر کی عورتیں مصروف آہ و بکا تھیں۔ حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کہتی تھیں "ہائے غربت میں کیسی موت آئی!"۔

سرکار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے یہ صورت حال دیکھی تو حضرت ام سلمہؓ کو کہا "صبر کرو اور اپنے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کی مغفرت کی دعا مانگو اور کہو کہ یا الٰہی ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر" چنانچہ آنحضور ﷺ کے فرمان پر حضرت ام سلمہؓ نے یہی دعا مانگی۔

اس کے بعد آنحضور ﷺ نے حضرت ابوسلمہؓ کی نماز جنازہ نہایت اہتمام سے پڑھائی۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوسلمہؓ کی نماز جنازہ میں نو تکبیریں کہیں۔ صحابہ کرام نے نماز کے بعد دریافت کیا "یارسول اللہ! آپ ﷺ کو سہو تو نہیں ہوا! آنحضور ﷺ نے جواب دیا۔ "حضرت ابوسلمہؓ تو ہزار تکبیر کے مستحق تھے"۔

صحیح مسلم کے باب البکاء علی المیت میں لکھا ہے کہ جب حضرت ام سلمہؓ بن ابی امیہ اپنے شوہر کی وفات پر چیخی چلائیں تو ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اے ام سلمہؓ! کیا تم شیطان کو اس گھر میں داخل کرنا چاہتی ہو جس سے اللہ نے اس کو نکال دیا ہے"۔

چنانچہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ "آنحضور ﷺ کے اس فرمان کے بعد میں پھر بالکل نہ روئی"۔

حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہؓ کے ہاں ایک بچہ تولد ہوا۔ اب وہ چار بچوں کی ماں بن چکی تھیں مگر شوہر کی وفات کے بعد بے یار و مددگار رہ گئی تھیں۔ ان چاروں بچوں

کے نام حضرت سلمہ بن ابو سلمہؓ، حضرت عمر بن ابو سلمہؓ، حضرت زینب بنت ابو سلمہؓ اور حضرت درہ بنت ابو سلمہؓ تھے۔ حضرت زینب بنت ابو سلمہؓ کا نام والدین نے برہ بنت ابو سلمہؓ رکھا تھا مگر آنحضور ﷺ نے یہ نام بدل کر زینب بنت ابو سلمہؓ رکھ دیا۔

شہید کی بیوہ کی دلجوئی کے لیے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے باری باری اپنی شادی کے لیے پیغام بھیجا مگر حضرت ام سلمہؓ نے حامی نہ بھری۔ ابھی ان کی بیوگی کا زخم تازہ تھا۔ وہ چار بچوں کے ساتھ تنگی و عسرت کی زندگی گزار رہی تھیں۔ ان بچوں کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں تھا اس لیے حضرت ام سلمہؓ بہت غم زدہ رہتی تھیں۔

حضرت ام سلمہؓ کے شب و روز اسی طرح تکلیف دہ گزر رہے تھے کہ ایک روز حضرت ام سلمہؓ کو وجہ تخلیق کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیغام موصول ہوا۔ اس پیغام کو حضرت ام سلمہؓ تک پہنچانے والے حضرت عمر فاروقؓ تھے۔ حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ

''جب سردار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مجھ سے شادی کی پیشکش کی تو میں نے فوراً اسے قبول کر لیا۔ لیکن تین عذر پیش کیے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ایک غیرت مند اور غصے والی عورت ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی گستاخی نہ ہو جائے اور میرے جملہ نیک اعمال ضائع ہو جائیں۔ دوسری بات یہ کہ میں ایک عمر رسیدہ عورت ہوں اور تیسری بات یہ کہ میں کثیر الاولاد ہوں۔

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ آنحضور ﷺ نے میری تینوں باتیں تحمل اور غور سے سنیں اور پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جہاں تک تیرے غصے کا تعلق ہے میں دعا کروں گا تیرا غصہ جاتا رہے گا۔ جہاں تک تیرے عمر رسیدہ ہونے کا تعلق ہے میں بھی تیری طرح عمر رسیدہ ہوں۔ رہی بات اولاد کے زیادہ ہونے کی تو میں یہ بتادوں کہ میں نے شادی کی پیش کش ہی اس لیے کی ہے کہ تاکہ بچوں کی کفالت اپنے ذمہ لے کر تمہارا ہاتھ بٹایا جائے''۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے'' ساقی کوثر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا مدلل جواب سن کر

مجھے انتہائی مسرت ہوئی اور قلبی اطمینان ملا۔ اور آپ ﷺ کے حبالہ عقد میں آ کر ام المومنین کا اعزاز حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے سابقہ شوہر حضرت ابو سلمہؓ کی دعا کو اور میری دعا کو شرف قبولیت عطا کرتے ہوئے میرے لیے بہترین نعم البدل کا اہتمام کر دیا ورنہ میں سوچا کرتی تھی کہ حضرت ابو سلمہؓ سے بہتر میرے لیے نعم البدل کون ہو سکتا ہے؟'' سرور کائنات ﷺ اور حضرت ام سلمہؓ کی مبارک شادی ماہ شوال 4 ہجری کو ہوئی۔ سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو چکی گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمہ کی چھال بھری تھی عنایت فرمایا۔ یہی سامان آپ ﷺ نے دوسری بیویوں کو بھی دیا تھا۔ (مسند احمد)

حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہؓ بہت حیادار تھیں۔ محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جب گھر پر تشریف لاتے تو حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ فرط شرم و حیا سے اپنی لڑکی زینب کو گود میں بٹھا لیتیں۔ آپ ﷺ یہ دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہؓ کے رضائی بھائی حضرت عمار بن یاسرؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور زینب کو وہاں سے لے گئے۔ اس کے بعد جب رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے پوچھا ''زینب کہاں ہے؟''

حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہؓ نے عرض کی ''حضرت عمار بن یاسر آئے تھے اور وہ اسے لے گئے'' لیکن بعد میں یہ بات کم ہو گئی اور جس طرح دوسری ازواج مطہراتؓ رہتی تھیں۔ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ بھی اسی طرح رہنے لگیں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ ''حضرت ام سلمہؓ کا آنحضور ﷺ سے نکاح ہوا تو ان کا طریق زندگی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا مزاج دوسری ازواج سے قدرے مختلف ہے لیکن چند دنوں میں وہ بھی دوسری ازواج مطہراتؓ کی طرح اپنی زندگی گزارنے لگیں۔ (مسند احمد، فتح الباری، طبقات ابن سعد)

رسول رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہؓ سے از حد محبت

تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب تمام ازواج مطہرات ؓ کو حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے حوالے سے کچھ گزارش کی ضرورت پیش آئی تو اس موقع کے لیے سب نے حضرت ام سلمہ ؓ بنت ابی امیہ کا ہی انتخاب کیا کہ وہ ان کی نمائندگی کرتے ہوئے آنحضور ﷺ سے بات کریں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات ؓ کے دو گروہ تھے۔ ایک میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ، حضرت حفصہ ؓ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ ؓ شامل تھیں جبکہ دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ ؓ اور باقی ازواج مطہرات تھیں۔ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ آنحضور ﷺ کی زیادہ منظور نظر تھیں۔ اس وجہ سے لوگ انہی کی باری والے دن آپ ﷺ کے پاس ہدیے بھیجتے تھے۔ دوسری ازواج مطہرات ؓ نے حضرت ام سلمہ ؓ سے کہا کہ حضرت عائشہ کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کی خواہاں ہیں اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ جس کے مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدیے بھیجنا چاہیں۔ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ ؓ نے سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک یہ بات پہنچائی تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا تیسری مرتبہ فرمایا ''اے ام سلمہ! عائشہ کے بارے میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو''۔

حضرت ام سلمہ ؓ نے کہا ''یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کو اذیت پہنچانے سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں''۔

حضرت ام سلمہ ؓ اپنے شوہر نامدار سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے آرام و آسائش کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ حضرت سفینہ ؓ جو رحمتہ للعالمین ﷺ کے مشہور غلام تھے۔ درحقیقت حضرت ام سلمہ ؓ کے غلام تھے۔ حضرت ام سلمہ ؓ نے انہیں آزاد کیا اور اس شرط پر آزاد کیا کہ جب تک خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ زندہ ہیں ان کی خدمت کرنا تمہارے لیے ضروری اور لازمی ہے (مسند احمد)

حضرت ام سلمہ ؓ شوال 4 ہجری میں حریم نبوت ﷺ میں داخل ہوئیں اس کے بعد

آنحضور ﷺ کی پوری دنیوی زندگی میں آپ ﷺ کے ساتھ رہیں اور قدم قدم، لمحہ لمحہ رفاقت قائم رکھی۔ سفر و حضر دونوں میں آپ ﷺ کو بڑے قریب سے دیکھا۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کو یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ آپؓ کو رسول مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ مختلف غزوات میں ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں خاص طور پر غزوۂ خندق، غزوہ مریسیع، غزوۂ بنو قریظہ، غزوۂ خیبر، فتح مکہ، معرکہ طائف اور غزوۂ حنین قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح آپؓ اس مبارک تاریخی سفر میں بھی شریک تھیں جس میں صلح حدیبیہ یا بیت رضوان کا واقعہ پیش آیا تھا۔

غزوۂ خندق کے حوالے سے حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ فرماتی ہیں کہ ''مجھے وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب سرور کائنات ﷺ کا سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا۔ شہر کے بڑے بڑے راستوں پر دیواریں چننے کے لیے ہادی کون و مکاں ﷺ لوگوں کو اینٹیں اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعتاً آپ ﷺ کی نظر حضرت عمار بن یاسرؓ پر پڑی جو دوسروں سے زیادہ اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ سرور کائنات ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ ''اے سمیہ کے بیٹے! تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا''۔ (مسند احمد)

اسی طرح حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ روایت کرتی ہیں کہ ''میں جنگ خندق میں آنحضور ﷺ کے ہمراہ تھی۔ ان دنوں کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے خیمہ میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ آنحضور ﷺ کافی دیر تک نماز پڑھتے رہے۔ پھر آپ ﷺ خیمہ سے باہر تشریف لے گئے اور کافی دیر تک گرد و پیش کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر میں نے آنحضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ مشرکین کے سوار خندق کا طواف کر رہے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے حضرت عباد بن بشرؓ کو آواز دی۔ انہوں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ ﷺ! آنحضور ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ حضرت عباد بن بشرؓ نے عرض کی کہ اس کے ساتھ مجاہدین کا ایک گروہ ہے۔ آنحضور ﷺ نے

حضرت عباد بن بشرؓ سے فرمایا کہ اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے لو اور خندق کا چکر کاٹو۔ مجھے مشرکین کے گھڑ سوار نظر آ رہے ہیں جو خندق کے گرد گھوم رہے ہیں۔ وہ اس تلاش میں ہیں کہ انہیں کوئی تنگ جگہ ملے اور وہ وہاں سے داخل ہو کر اچانک تم پر حملہ کر دیں۔ پھر رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں دست دعا دراز کر کے عرض کی:

''اے اللہ! ان کے شر کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں ان پر فتح عطا فرما۔ اے اللہ! ان کو مغلوب کر دے کیونکہ تیرے سوا کوئی بھی ان کو مغلوب نہیں کر سکتا''۔

آنحضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت عباد بن بشرؓ اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر خندق کا چکر لگانے کے لیے روانہ ہوئے۔ اچانک وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ابوسفیان چند گھڑ سواروں کو لے کر خندق کی ایک تنگ جگہ سے گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجاہدین نے مشرکین کو للکارا اور ان پر پتھر اور تیر برسانے شروع کر دیئے۔ تیروں کی ایسی بارش کی کہ مشرکین راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے''۔

غزوہ خندق کے بعد سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بنو قریظہ کے بد عہد یہودیوں کا محاصرہ کیا تو آپ ﷺ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ انصاری کو یہودیوں سے گفت وشنید کے لیے بھیجا۔ حضرت ابولبابہؓ سے بنو قریظہ کے حلیفانہ تعلقات تھے اس لیے بنو قریظہ والوں کو یہ امید ہوئی کہ شاید وہ اس مشکل وقت میں ہماری مدد کر سکیں۔ اس وجہ سے بنو قریظہ نے آنحضور ﷺ سے درخواست کی کہ ابولبابہؓ کو ہمارے پاس بھیج دیں تا کہ ہم ان سے مشورہ کر سکیں۔ چنانچہ سردار دو عالم ﷺ نے حضرت ابولبابہ انصاریؓ کو بنو قریظہ کے پاس بھیج دیا نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''ابولبابہؓ! تمہارے حلیف تمہیں بلا رہے ہیں میری طرف سے تمہیں اجازت ہے تم ان کے پاس جا سکتے ہو''۔

جب حضرت ابولبابہؓ بنو قریظہ والوں کے پاس پہنچے تو ان کے تمام مرد تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ ان کی عورتوں نے حضرت ابولبابہؓ کے گرد حلقہ بنا کر چیخنا اور رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت

ابولبابہؓ کے ان سے دیرینہ تعلقات تھے۔ ان کی اس حالت زار کو دیکھ کر ان کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے پوچھا۔

''ابولبابہؓ ہمیں مشورہ دو کیا ہم محمد ﷺ کو اپنا حکم تسلیم کر لیں اور اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار انہیں دے دیں'' زبان سے تو حضرت ابولبابہؓ نے ہاں کر دی لیکن بے اختیاری کی حالت میں اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تمہارے قتل کا فیصلہ کریں گے۔

حضرت ابولبابہؓ کہتے ہیں! ''فوراً میرے نفس لوامہ نے مجھے جھنجھوڑا اور مجھے خیال آیا کہ ایسا کر کے میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے خیانت کی ہے'' حضرت ابولبابہؓ وہاں سے نکل کر سیدھے مسجد پہنچے یہ جرات نہ ہوئی کہ اس خیانت کے بعد سردار دو عالم حضرت محمد ﷺ کے روبرو حاضر ہوں۔ مسجد میں جا کر اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کیساتھ باندھ دیا اور کہنے لگے۔ ''میں اس جگہ سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک اللہ تعالیٰ میرا قصور معاف نہ کر دے'' حضرت ابولبابہؓ نے اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ بنی قریظہ کے ہاں پھر کبھی نہیں جائیں گے۔

جب کئی دنوں تک حضرت ابولبابہؓ دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر خدمت نہ ہوئے تو رسول رحمت ﷺ نے ان کے بارے میں پوچھا۔ آنحضور ﷺ کو ان کا تمام تر ماجرا بیان کیا گیا۔ سرور کائنات ﷺ نے تمام صورت احوال سننے کے بعد فرمایا ''اگر ابولبابہؓ غلطی کرنے کے بعد سیدھا میرے پاس حاضر ہو جاتا تو میں اس کے لیے رب رحمان سے مغفرت طلب کرتا۔ اب جب کہ اس نے یہ راستہ اختیار کر لیا ہے تو میں اسے اس ستون سے نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمالے'' (طبری، ابن کثیر)

حضرت ابولبابہؓ چھ دن اور چھ راتیں اسی ستون کے ساتھ بندھے رہے جب نماز کا وقت ہوتا تو ان کی زوجہ محترمہ وہاں جاتیں وہ انہیں ستون سے کھولتیں اور وہ نماز ادا کرتے نماز کی

ادائیگی کے بعد وہ پھر اسی ستون کے ساتھ حضرت ابولبابہ کو باندھ کر واپس گھر آ جاتیں۔

حضرت ام سلمہ بہت نرم طبیعت اور رحمدل تھیں آپ حضرت ابولبابہ کے بارے میں فکر مند رہتی تھیں۔ ایک رات ہادی کون ومکاں حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ کے ہاں تشریف فرما تھے۔ سحری کے وقت حضرت ام سلمہ نے دیکھا کہ آنحضور ﷺ نہایت خوش ہیں اور ہنس رہے ہیں۔

حضرت ام سلمہ نے عرض کی ''یارسول اللہ آپ ﷺ کے ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہمیشہ ہنستا رکھے''۔

رحمتہ للعالمین ﷺ نے بتایا! ''اے ام سلمہ۔۔۔ ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی ہے اس لیے مجھے خوشی ہو رہی ہے''۔

حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ ﷺ کی اجازت ہو تو میں حضرت ابولبابہ کو یہ خوش خبری سناؤں''

آنحضور ﷺ نے جواب دیا۔ ''اے ام سلمہ جیسے تمہاری خوشی ہو ویسے کرو'' سرور کائنات ﷺ سے اجازت ملنے کے بعد حضرت ام سلمہ حجرہ شریف کے دروازے پر آ کر کھڑی ہو گئیں یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جبکہ پردہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

حضرت ام سلمہ خود بیان کرتی ہیں ''میں نے اپنے دروازہ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا۔ ابولبابہ تمہاری توبہ کو رب رحمان ورحیم نے قبول فرمالیا ہے تمہیں مبارک ہو لوگوں نے بھی میری آواز سن لی سب لوگ مسجد کی طرف دوڑے تاکہ حضرت ابولبابہ کی زنجیر کھول دیں۔ مگر حضرت ابولبابہ نے سب کو ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا کہ خدارا مجھے کوئی نہ کھولے یہاں تک کہ سرور کائنات ﷺ خود تشریف لائیں اور اپنے دست مبارک سے مجھے رہا فرمائیں۔ اور یوں آنحضور ﷺ نماز صبح ادا کرنے کے لیے جب مسجد تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے حضرت ابولبابہ کی زنجیر کھول کر انہیں آزاد فرمایا'' (زرقانی، ابن سعد)

اسی سال پانچ ہجری میں آیت حجاب نازل ہوئی۔ اس سے قبل ازواج مطہرات بعض دور کے رشتہ داروں کے سامنے آجایا کرتی تھیں اب خاص خاص قرابت داروں اور عزیزوں کے سوا ہر ایک سے پردہ کا حکم دیا گیا۔ امام احمد حنبلؒ نے روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مکتومؓ قریش کے ایک معزز صحابیؓ اور مسجد نبوی ﷺ کے موذن تھے۔ چونکہ وہ نابینا تھے اس وجہ سے ازواج مطہراتؓ کے حجروں میں آیا کرتے تھے۔ آیت حجاب کے نزول کے بعد ایک روز وہ نابینا صحابی آئے اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ دونوں امہات المومنینؓ سے حسب معمول گفتگو فرمانے لگے۔ اتنے میں سردار الانبیاء حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے جب ازواج مطہراتؓ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ کو حضرت عبداللہ بن مکتوم سے گفتگو کرتے دیکھا تو آپ ﷺ نے دونوں ازواج مطہراتؓ سے فرمایا ''ان سے پردہ کرو''۔

حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ نے عرض کی۔ یارسول اللہ حضرت عبداللہ بن مکتومؓ تو نابینا ہیں۔ پھر بھی ان سے پردہ کیا جائے۔

ہادی کون ومکاں ﷺ نے فرمایا وہ نابینا ہے تو کیا ہوا، تم تو نابینا نہیں ہو تم تو انہیں دیکھ سکتی ہو۔ (مسند احمد)

چھ ہجری میں شافع محشر حضرت محمد ﷺ نے مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس سفر میں آنحضور ﷺ کے ہمرکاب حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ بھی تھیں چودہ سو سے پندرہ سو کے درمیان مسلمان بھی سرور کائنات ﷺ کے ہم سفر تھے۔ مکہ والوں کو جب مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے سمجھا کہ مسلمان مکہ پر قبضہ کرنے کے لیے عمرہ کے بہانے آرہے ہیں یہ سوچ کر انہوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔ اس فیصلہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے مشرکین مکہ شہر سے باہر نکل آئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ مسلمانوں کو ہر قیمت پر مکہ میں داخل ہونے سے روکا جائے اور اگر وہ نہ رکیں تو ان کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔

سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے جانثاران کے ہمراہ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں آرام کرنے کے لیے پڑاؤ کیا یہاں پر مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ مکہ کے لوگ انہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے رہے۔ آنحضور ﷺ نے حضرت عثمان غنیؓ کی سربراہی میں ایک وفد مکہ مکرمہ بات چیت کے لیے بھیجا تاکہ مشرکین کی اس غلط فہمی کو دور کیا جاسکے کہ مسلمان حملہ کی خاطر نہیں بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ اچانک کسی نے افواہ اڑادی کہ کفار نے مسلمانوں کے سفیر حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کر دیا ہے۔ اگرچہ بعد میں یہ خبر غلط ثابت ہوئی تاہم آنحضور ﷺ نے اس مقام پر بیعت رضوان لی۔

اسی اثنا میں مکہ مکرمہ سے تین آدمیوں کا وفد سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک قرارداد لے کر پہنچا۔ اس قرارداد کو موقع محل کی نسبت سے مناسب سمجھتے ہوئے آنحضور ﷺ نے قبول فرمایا اور دستخط کر دیئے اسے صلح نامہ حدیبیہ کہا جاتا ہے اس معاہدہ کی شرائط ظاہری طور پر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں۔ صلح نامہ حدیبیہ کے مطابق مسلمانوں کو اس سال بغیر عمرہ کئے ہوئے مدینہ منورہ واپس چلے جانا تھا اگرچہ یہ صلح نامہ طے پا گیا تھا مگر مسلمانوں کو اس بات کا ملال تھا کہ وہ عمرہ کا شوق لے کر یہاں آئے تھے اور عمرہ کیے بغیر واپس ہونے پر دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے۔

صلح نامہ کی تکمیل کے بعد رسول مکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا۔ اٹھو، سر منڈاؤ اور قربانی کرو۔ صحابہ کرامؓ چونکہ مغموم تھے اس لیے انہوں نے کچھ توقف کیا اس امید پر کہ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے۔

جب ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ نے صحابہ کرام کا یہ رویہ دیکھا تو آپ ﷺ اپنے خیمے میں مضطرب ہو کر پہنچے اور حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کو صحابہ کرام کی جذباتی ہلچل کے بارے بتایا اور فکر مندی کا اظہار کیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی "یارسول اللہ یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے جس کی وجہ سے وہ افسردہ دل اور افسردہ خاطر ہیں اس وجہ سے فوری طور پر

تعمیل ارشاد نہیں کر سکے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ خود باہر نکل کر قربانی کریں اور سر منڈائیں۔ صحابہ کرام خود بخود آپ ﷺ کی اتباع کریں گے"۔

چنانچہ آنحضور ﷺ کو دیکھتے ہی کہ آپ ﷺ نے قربانی کر لی ہے اور سر منڈا لیا ہے تمام صحابہ کرام نے قربانی شروع کر دی اور سر منڈا کر احرام اتارا۔ ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا۔ اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر صحابی اس عمل میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ (بخاری، فتح الباری، مسند احمد)

اس واقعہ سے حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کی اصابت رائے کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی فطرت شناسی میں ان کو کس قدر کمال حاصل تھا۔ حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ نے اس سنگین مسئلہ کو اپنی عقل وفراست سے بخوبی حل کر دیا اس طرح صحابہ کرامؓ کی جذباتی کیفیت سنبھل گئی اور وہ مطمئن نظر آنے لگے۔ زرقانی کے مطابق صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال پیش نہیں کر سکتی۔

ختم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد خیبر پر دھاوا بولنے کا حکم صادر فرمایا۔ جہاں یہودی مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ اب صلح حدیبیہ کے رو سے مکہ معظمہ والوں نے خیبر والوں کا ساتھ نہیں دینا تھا اس لیے ان پر حملہ کرنے کا یہ مناسب ترین وقت تھا اس غزوہ میں حضرت ام سلمہ بھی آنحضور ﷺ کے ساتھ تھیں۔ غزوہ خیبر میں زبردست جنگ ہوئی دونوں فریقوں نے خوب مقابلہ کیا مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور مسلمانوں کو شاندار فتح نصیب ہوئی اور بہت سامان غنیمت بھی ہاتھ لگا حضرت ام سلمہؓ کے ہمراہ بیس عورتیں مزید لشکر اسلام میں شامل ہو گئی تھیں جن کا کام زخمیوں کی خدمت کرنا پانی پلانا مرہم پٹی کرنا اور تیمارداری کرنا تھا۔

مسلمانوں نے فتح خیبر فتح مکہ اور فتح حنین کے بعد طائف کی طرف پیش قدمی کی حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ بھی آنحضور ﷺ کے ساتھ رہیں۔ سپہ سالار اعظم حضرت محمد

ﷺ نے جب سے مدینہ منورہ چھوڑ کر غزوات شروع کیے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ اور ام المومنین حضرت زینبؓ ہر جگہ موجود ہوتیں ان دونوں ازواج مطہراتؓ کے خیموں کے درمیان معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے۔

10 ہجری میں حجۃ الوداع ہوا حضرت ام سلمہؓ اگرچہ اس زمانہ میں علیل تھیں تاہم دوسری ازواج مطہراتؓ کے ساتھ آپ بھی آنحضور ﷺ کے ساتھ آئیں۔(مسند احمد) اس موقع پر طواف کے بارے میں آنحضور ﷺ نے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ سے ارشاد فرمایا۔ جب نماز فجر کھڑی ہو تو اونٹ پر سوار ہو کر طواف کر لینا۔ چنانچہ زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ نے ایسا ہی کیا۔(بخاری)

حضرت ام سلمہؓ بنت ابی ابی امیہ کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ قرآن پاک کی چند آیات محبوب رب العالمین حضرت محمد ﷺ پر اس وقت اتریں جبکہ آپ ﷺ ام المومنین حضرت ام سلمہ بنت امیہؓ کے حجرے میں تھے۔ مثلاً سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 33 جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور گزشتہ زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے گھر والو تم سے ناپاکی دور کرے اور تمہیں خوب پاک کرے"۔ نازل ہوئی تو آنحضور ﷺ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کے حجرے میں تشریف فرما تھے اس آیت میں ازواج مطہراتؓ سے خطاب کیا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 102 جب سرور کائنات ﷺ پر نازل ہوئی تو رسول رحمت ﷺ اس وقت بھی حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ اس آیت میں خدائے بزرگ و برتر کا فرمان ہے "کچھ اور بھی ہیں کہ انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا ہے انہوں نے اپنے نیک اور بد کاموں کو ملا دیا ہے۔ قریب ہے کہ اللہ انہیں معاف کر دے"۔

غزوہ تبوک میں تین صحابہ کرامؓ حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت بلال بن امیہؓ، اور

حضرت مرارہؓ بن الربیع لشکر اسلام سے بغیر کسی شرعی عذر کے پیچھے رہ گئے تھے۔ جس کی وجہ سے فخر موجودات حضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرام نے ان سے مکمل بائیکات کر لیا تھا۔ یہ لوگ مسلسل اپنے جرم کی تلافی کے لیے رب رحمان و رحیم کی بارگاہ میں توبہ استغفار کرتے رہے۔ اس مقاطعہ کے زمانہ میں کئی مرتبہ حضرت ام سلمہؓ نے حضرت کعب بن مالکؓ کے لیے آنحضور ﷺ سے سفارش کی۔ آخر کار رب کائنات نے ان کی توبہ قبول فرمائی رسول مکرم ﷺ حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کے حجرے میں محو استراحت تھے کہ رات کے پچھلے پہر آپ ﷺ بیدار ہوئے تو وحی کے ذریعے یہ آیت نمبر 118 سورۃ التوبہ نازل ہوئی۔

''اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہو گئی، اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ سوائے اللہ کی طرف آنے کے کوئی پناہ نہیں پھر وہ اپنی رحمت سے ان پر متوجہ ہوا تا کہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے''۔

آنحضور ﷺ پر جب وحی نازل ہو چکی تو آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہؓ کو بتایا کہ ''کعب بن مالکؓ اور اس کے ساتھیوں کی اللہ تعالی نے توبہ قبول کر لی ہے''۔ حضرت ام سلمہ نے آنحضور ﷺ سے محبت بھرے انداز میں پوچھا ''یارسول اللہ ﷺ! کیا ان کو اسی وقت خوشخبری سنا دی جائے اگر آپ ﷺ کی اجازت ہو تو میں ان کے پاس کسی کو بھیج دوں جو انہیں یہ خوشخبری سنا آئے''۔

رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا۔ اس وقت نہیں، اب ان کے آرام میں خلل پیدا ہو گا، چنانچہ نماز فجر کے بعد انہیں بلا کر مبارک باد دی گئی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے کسی نے بتایا کہ حضرت جبریلؑ تشریف لائے ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ سے مصروف گفتگو ہیں۔ میں حضرت جبریل علیہ السلام کی زیارت کے لیے گئے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضور ﷺ اپنے جانثار صحابی حضرت وجیہ

کلبیؓ سے باتیں کر رہے ہیں اور ام المومنین حضرت ام سلمہ بھی وہاں تشریف فرما ہیں۔ جب باتیں ختم ہوئیں اور حضرت وجیہ کلبیؓ تشریف لے گئے تو رسول رحمت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے پوچھا۔ ''کیا تم جانتی ہو کہ یہ کون تھے''۔

حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ نے کہا ''یارسول اللہ ﷺ! یہ آپ ﷺ کے قریبی صحابی حضرت وجیہ کلبی ہیں''

سرور کائنات ﷺ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ''یہ جبریل علیہ السلام تھے جو حضرت وجیہ کلبیؓ کے روپ میں تشریف لائے تھے''۔

حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ نے اپنے بچوں کی تربیت بڑی توجہ اور محنت سے کی تھی۔ آپ کے بڑے بیٹے حضرت سلمہؓ کی شادی خلق مجسم حضرت محمد ﷺ نے اپنے چچا حضرت امیر حمزہؓ کی بیٹی حضرت امامہؓ سے کرادی تھی۔ حضرت عمر بن ابو سلمہؓ آپؓ کے دوسرے بیٹے تھے انہیں حضرت علی المرتضیٰؓ کے دور میں فارس اور بحرین کا گورنر بنایا گیا۔ حضرت ام سلمہؓ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زجریؓ نے اسلام کی بہت مخالفت کی تھی مگر جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو ممدوح کائنات حضرت محمد ﷺ کی شان میں شاعری کرنے لگے۔ انہوں نے غزوات میں بھی حصہ لیا ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے ماں شریک بھائی عبداللہؓ بن امیہ نے بھی اسلام کی شدید مخالفت کی لیکن جب مسلمان ہو گئے تو فتح مکہ غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں حصہ لیا اور جام شہادت نوش فرمایا (بخاری)

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ہادی کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے پوچھا ''یارسول اللہ ﷺ! اگر میں اپنے پہلے شوہر کے بچوں پر کچھ خرچ کروں تو کیا مجھے ثواب ہوگا۔ اور یہ کہ میں ان کی خبر گیری کیسے چھوڑ دوں جب کہ وہ میرے ہی پیٹ کی اولاد ہیں''۔

رحمت للعالمین ﷺ نے فرمایا ، بے شک تو جو کچھ ان پر خرچ کرے گی اس کا ثواب تجھے ملے گا''

حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کو حدیث کی سماعت کا بے حد شوق تھا۔ آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ کوئی بھی حدیث آپؓ کی سماعت سے رہ نہ جائے۔ ایک روز آپؓ بال گندھوا رہی تھی کہ رہبر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خطبہ دینے کے لیے منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے پہلا لفظ ''یا ایھا الناس'' (اے لوگو) نکلا حضرت ام سلمہؓ نے اسی وقت مشاطہ سے فرمایا۔''بال باندھ دو''۔

اس نے کہا ''اتنی بھی کیا جلدی ہے ابھی تو ہادی کون و مکاں حضرت محمد ﷺ کی زبان مبارک سے یا ایھا الناس کا لفظ ہی نکلا ہے۔

حضرت ام سلمہؓ نے کہا کیا خوب! کیا ہم ایھا الناس میں داخل نہیں۔

اس کے بعد آپؓ کھڑی ہوگئیں اپنے بال خود باندھے اور کھڑے ہو کر مکمل توجہ اور خشوع و خضوع کے ساتھ معلم کائنات ﷺ کا پورا خطبہ سنا۔ (مسند احمد)

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد نبی مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی۔ ایک روز آپ ﷺ کے مرض میں زیادہ شدت پیدا ہوئی تو علاج کی غرض سے ازواج مطہراتؓ نے آپ ﷺ کو دوا پلانا چاہی مگر آنحضور ﷺ نے انکار فرمایا۔ جب آپ ﷺ پر غشی طاری ہوئی تو اس حالت میں حضرت ام سلمہؓ نے ایک اور زوجہ مطہرہؓ کے ساتھ مل کر آپ ﷺ کا منہ کھول کر دوا کے قطرے حلق میں ڈال دیئے۔ جب سرور کائنات ﷺ ہوش میں آئے تو آپ ﷺ نے قصاص کے طور پر سب امہات المومنینؓ کو جو وہاں موجود تھیں دوا پینے کو کہا (بخاری)

بیماری کے دوران جب آنحضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مکان میں منتقل ہو گئے تو حضرت ام سلمہؓ اکثر آپ ﷺ کو دیکھنے کے لیے وہاں جایا کرتی تھیں۔ ایک دن آنحضور ﷺ کی طبیعت زیادہ علیل ہوگئی تو حضرت ام سلمہؓ اس صدمہ سے چیخ اٹھیں سرکار دو عالم ﷺ نے دیکھا تو حضرت ام سلمہؓ سے کہا۔ یہ مسلمانوں کا طریقہ اور شیوہ نہیں ہے۔ (طبقات

ابن سعد)

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ نے شروع زندگی سے ہی اور آغاز اسلام ہی سے لے کر آنحضور ﷺ کے وصال تک زمانے کے بہت سے انقلابات دیکھے تھے۔ دین اسلام کی قبولیت سے انہیں بہت سی اذیتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سرور کائنات ﷺ کے حبالہ عقد میں آنے کے بعد آنحضور ﷺ کی تعلیمات وتربیت کی روشنی میں اپنے تجربات اور دانشمندی سے وہ کندن بن چکی تھیں۔ آنحضور ﷺ کے وصال سے ان کا آنحضور ﷺ سے سات سال کا ازدواجی بندھن ٹوٹ گیا۔ بیوہ ہونے کے بعد آپؓ شب و روز دین کی تعلیم میں مصروف رہتی تھیں۔ آپؓ کے پاس احادیث مبارکہ کا انمول خزانہ تھا جن کی تعداد تین صد ستاسی 387 ہے۔

حضرت ام سلمہؓ نے آنحضور ﷺ کے موئے مبارک سنبھال کر ایک ڈبیہ میں رکھے ہوئے تھے۔ جب کوئی بیمار ہوتا تو آپؓ کے پاس چلا آتا۔ آپؓ ان مبارک و متبرک بالوں کو پانی میں ہلا کر مریض کو پلا دیتی تھیں جس سے مریض کی بیماری میں افاقہ ہو جاتا تھا۔ آپؓ ایک غیرت مند، بردبار اور خوددار خاتون تھیں۔ کثرت سے روزے رکھا کرتی تھیں۔ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''وہ عورت جس کے انتقال کے وقت اس کا خاوند اس سے راضی ہو، وہ جنتی ہے''۔

حضرت ام سلمہؓ بہت فضائل و کمالات کی مالک تھیں طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات احادیث کا خزانہ تھیں تاہم حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا ان میں کوئی حریف و مقابل نہ تھا۔ رضاعت اور طلاق کے مسائل پر حضرت ام سلمہؓ کی گہری نظر تھی حضرت عبداللہ بن عباس بعض شرعی احکام کے بارے میں ان سے دریافت کیا کرتے تھے۔ (مسند احمد)

حضرت ام سلمہؓ قرآن حکیم بہت اچھا پڑھتی تھیں۔ بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کے طرز

اور لہجہ میں پڑھتی تھیں چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا ''آنحضور ﷺ کس طرح قرات کرتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے خود اسی طرح پڑھ کر بتلایا۔(مسند احمد)

حضرت ام سلمہؓ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بہت بڑی جماعت ہے۔ جن میں حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت عروہ بن زبیرؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حدیث کے علاوہ فقہ میں بھی حضرت ام سلمہ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں۔

حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اگر حضرت ام سلمہؓ کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ جن صحابہ کرام کا فتویٰ چلتا تھا ان میں سر فہرست ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا نام آتا ہے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فصاحت و بلاغت میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھیں آپؓ جب گفتگو کرتیں تو جملے نپے تلے ہوتے جب کوئی عبارت لکھتیں تو اس میں ادبی چاشنی پائی جاتی تھی آپ اپنے والد کی طرح بے حد سخی تھیں اور دوسروں کو بھی سخاوت کی تلقین کرتی تھیں۔ یہ ناممکن تھا کہ ان کے گھر سے کوئی سائل خالی ہاتھ چلا جائے۔ تھوڑا بہت جو کچھ ہوتا سائل کو دے دیتیں دنیا داری کی طرف آپ کی توجہ بالکل نہ تھی امر و نواہی کا بہت خیال رکھتی تھیں نماز کے مستحب اوقات کا خاص طور پر خیال رکھتی تھیں۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے لمبی عمر پائی خلافت راشدہ کا پورا دوران کی نظروں کے سامنے گزرا واقدی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کا انتقال 59 ہجری میں ہوا عیون الاثر میں ہے کہ آپ کا انتقال 60 ہجری میں ہوا ابن ابی خثیمہ نے آپؓ کا سن وفات 61 ہجری جبکہ المعجم الکبیر اور مجمع الزاوئد میں آپ کا سن وفات 62 ہجری لکھا ہے وفات کے وقت آپ کی عمر 84 سال جبکہ بعض روایات کے مطابق 90 سال تھی سب ازواج مطہراتؓ کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی۔ وفات سے پہلے آپ نے وصیت فرمائی کہ میری نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہؓ پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آپؓ کی نماز جناہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

حضرت

زینبؓ بنت جحش

حضرت زینبؓ بنت جحش

لوگوں کا ہجوم تھا کہ امڈا چلا آتا تھا۔ ایک جم غفیر تھا جو حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ دور و نزدیک سے ان گنت افراد یہاں اکٹھے ہوئے تھے۔ مگر ان میں افراتفری اور بھگدڑ نہیں تھی۔ ایک خاص نظم وضبط اور مثالی قرینہ وسلیقہ تھا۔ اگر چہ ان کی دلچسپیاں اور پسند و ناپسند مختلف تھیں۔ ان کے قبیلے اور برادریاں جدا جدا تھیں لیکن سب کی امنگ اور ترنگ ایک تھی۔ تسبیح کے دانوں کی طرح سب ایک ہی لڑی میں پروئے نظر آتے تھے۔ یہاں کھیل تماشے ہورہے تھے۔ کشتیاں ہو رہی تھیں۔ تلوار زنی اور نیزہ بازی کے مقابلے ہورہے تھے۔ خرید وفروخت کے لیے ہمہ قسم کی اشیاء دستیاب تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہاں نیلامی ہورہی تھی۔ چیزوں کی نیلامی نہیں بلکہ انسانوں کی نیلامی اور ان انسانوں کی نیلامی جنہیں کمتر انسان سمجھا جاتا تھا۔ جنہیں غلام بنا کر جانوروں کی طرح ہانکا جاتا تھا اور یہ سب کچھ عربوں کے مشہور اجتماع میں ہو رہا تھا جسے وہ ''عکاظ کا میلہ'' کہتے تھے۔

اس میلے میں ایک لڑکا ایسا بھی نیلامی کے لیے لایا گیا تھا جس کا تعلق غلاموں کے خاندان سے نہیں تھا بلکہ وہ عرب کے معزز اور اعلیٰ قبیلے کا ایک فرد تھا۔ اس کے والد کا نام حارثہ بن شرجیل تھا جو یمن کے ایک قبیلہ بنو قضاعہ سے تعلق رکھتا تھا جبکہ اس کی والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا جو قبیلے طے کی ایک شاخ بنی معن سے تعلق رکھتی تھی۔ اس بچے کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔ اس کی والدہ اسے اس کے ننھیال بنی معن لے گئی تھی جہاں وہ کھیل کود کی غرض سے باہر نکلا ہی تھا کہ بنی قین کے ڈاکوؤں نے اسے اغوا کر لیا۔ اور اب وہ لٹیرے اس اغوا شدہ بچے کو عکاظ کے میلے میں نیلام کرنے لائے تھے۔

اب جب کہ عکاظ کے میلے میں اس کی نیلامی ہو رہی تھی۔ اس کی بولی لگ رہی تھی تو وہ گم سم چپ چاپ بت بنا کھڑا تھا۔ اسے نیلامی اور غلامی کا کوئی علم نہیں تھا۔ وہ لوگوں کو بولی لگاتے دیکھتا تو حیران و پریشان ہوتا کہ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنی بدقسمتی پر آٹھ آٹھ آنسو بہانا چاہتا تھا مگر ڈاکو اسے ایک دھمکی دے کر خاموش کرا دیتے تھے۔ وہ سارے ہجوم میں اپنے ماں، باپ، نانی، نانا اور دوسرے رشتہ داروں کے علاوہ کسی واقف کار کو بھی انکھیوں سے تلاش کرتا رہا تا کہ دہائی دے کر رہائی پا سکے مگر اسے کوئی ایسا شخص بھی نظر نہ آیا جو اس کی حالت زار اس کے والدین یا ننھیال والوں تک پہنچا سکے۔

میلہ پورے جوبن پر تھا۔ ہر کوئی اپنی مستی میں مست تھا۔ جو بھی آٹھ سالہ اغوا شدہ زید بن حارثہ کے قریب سے گزرتا تو اس کی بولی لگاتا مگر ڈاکوؤں کو ان کی بولی کم محسوس ہوتی۔ ڈاکو سمجھ رہے تھے کہ وہ اتنی دور سے بڑی مشکل کے ساتھ اغوا کر کے لائے ہیں۔ اس لیے انہیں معقول قیمت ملنا چاہیے۔ کسی نے اس کی بولی ایک سو درہم لگائی تو کسی نے دو سو۔ بالآخر بولی تین سو درہم پر آ کر رک گئی۔ کوئی بھی اس کم عمر غلام کے لیے اتنے پیسے دینے کو تیار نہیں تھا مگر بیچنے والے ڈاکوؤں کا مطالبہ تھا کہ وہ اسے اس سے زیادہ قیمت پر بیچیں گے۔

رب رحمٰن و رحیم جب مہربان ہوتا ہے تو حضرت ابراہیمؑ کے لیے بھڑکائی گئی آگ کو گلزار بنا دیتا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو چھری کے وار سے بچا لیتا ہے اور حضرت موسیٰ کو دریا کی بے رحم اور تند و تیز موجوں سے محفوظ و مامون رکھتا ہے۔ اغوا شدہ بچے زید بن حارثہ پر رحمت خداوندی جب سایہ فگن ہوتی ہے تو اس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ وہ اپنی بولی لگنے کا تماشا خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اتنے میں وہاں سے حکیم بن حزام کا گزر ہوتا ہے۔ وہ زید بن حارثہ کو دیکھتا ہے تو یہ بچہ پہلی نظر میں ہی اس کے دل کو بھا جاتا ہے۔ وہ اس کی بولی چار سو درہم لگاتا ہے۔ ڈاکوؤں کو اپنی خواہش کے مطابق رقم ملتی نظر آتی ہے تو وہ فوراً اس کا سودا کر دیتے ہیں اور یوں زید بن حارثہ اپنے مالک حکیم بن حزام کے ہمراہ چل پڑتا ہے۔

حکیم بن حزام جنہوں نے زید بن حارثہ کو چار سو درہم دے کر خریدا۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ حکیم بن حزام نے زرخرید غلام کو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے گھر جا کر اسے ان کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا تا کہ وہ ان کی پھوپھی کی خدمت گزاری کے کام آسکے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ایک رحمدل، خوش اخلاق اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ انہوں نے زید بن حارثہ کو انتہائی محبت و شفقت کے ساتھ رکھا۔ زید بن حارثہ بھی ایک فرمانبردار اور صالح لڑکا تھا۔ اس نے اپنی مالکن کی خدمت گزاری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور پھر بعد ازاں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے زید بن حارثہ کو اپنے شوہر نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ اور یوں زید بن حارثہ اللہ کی رحمت سے رحمۃ للعالمین ﷺ کی صحبت میں پہنچ گیا۔

ادھر زید بن حارثہ کے والدین اپنے بیٹے کی جدائی سے نڈھال تھے۔ ان کے دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو چکی تھی۔ انہوں نے بہت تلاش کیا۔ چہار جانب کھوجی دوڑائے مگر کوئی بھی ان ڈاکوؤں کا کھوج نہ لگا سکا جو ان کے بیٹے کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ انہیں ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا کہ وہ کون تھے؟ کہاں سے آئے اور کس طرف چلے گئے؟ وہ اپنے پیارے کمسن بیٹے کی گمشدگی سے از حد پریشان اور غمزدہ تھے۔ دن رات آہیں بھرتے تھے۔ اس کے والدین کو یہ تک خبر نہ تھی کہ ان کا بیٹا زندہ ہے یا نہیں؟ جنگل میں ہے یا شہر میں۔ جوں جوں وقت کا پنچھی لمحوں کے پر لگا کر اڑتا چلا جا رہا تھا۔ دن، ہفتوں میں اور ہفتے، مہینوں میں بدلتے جا رہے تھے مگر زید بن حارثہ کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ تمام کوششیں بے سود اور تمام کارروائیاں لاحاصل رہی تھیں۔

اسی زمانے میں بنی کلب کے کچھ سرکردہ افراد مکہ مکرمہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہاں اتفاقاً ان کی نگاہ حارثہ بن شرجیل کے بیٹے زید بن حارثہ پر پڑی۔ انہوں نے پہلے ہی لمحے اور پہلی ہی نظر میں بچے کو پہچان لیا۔ ان کے علم میں تھا کہ زید بن حارثہ اغوا ہو چکا ہے۔ اور اس کا والد اس کے غم میں نیم جاں ہے۔ ان کی حارثہ بن شرجیل کے قبیلہ بنو قضاعہ سے قرابت داری بھی تھی۔ اس ناطے انہوں نے جیسے ہی زید بن حارثہ کو دیکھا تو انہوں نے اس

بچے کو پیار سے اپنے پاس بلایا اور پوچھا ''بیٹا! تم یہاں کیسے؟ کس طرح اور کس کے ہاں؟''

زید بن حارثہ نے جواب دیا ''میں آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ ان کے گھر رہتا ہوں اور ان کی خدمت کرتا ہوں۔''

انہوں نے زید بن حارثہ سے مزید پوچھا ''تم یہاں پہنچے کیسے؟'' زید بن حارثہ نے مکمل داستان انہیں سنائی تو وہ مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔

تمام معلومات کے ہمراہ بنی کلب کے افراد جب اپنے قبیلے میں پہنچے تو انہوں نے زید بن حارثہ کے والد حارثہ بن شرجیل کو تمام کہانی سنائی اور خوشخبری دی کہ اس کا لخت جگر، نور نظر زندہ ہے۔ خوش وخرم ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے گھر ہے۔ زید بن حارثہ کے والد کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ اس نے بار بار ان سے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا اور دریافت کیا ''کیا واقعی وہ زید ہی تھا؟ تمہیں کہیں دھوکہ تو نہیں ہوا؟'' بنی کلب کے لوگوں نے حارثہ بن شرجیل کو بتایا کہ وہ اس کے بیٹے سے باقاعدہ ملاقات کر چکے ہیں۔ تمام حال احوال پوچھ چکے ہیں کہ کیسے وہ اغوا ہوا۔ کس طرح نیلام ہوا اور کیسے ہادی برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے گھر تک پہنچا۔

زید بن حارثہ کے والد نے فوری طور پر مکہ مکرمہ پہنچنے کا پروگرام ترتیب دیا۔ اس کے بھائی کعب بن شرجیل نے کہا ''میں بھی اپنے بھتیجے زید بن حارثہ کو لینے آپ کے ہمرکاب مکہ مکرمہ چلوں گا۔ یوں ہمارا سفر بھی اچھا کٹے گا اور وہاں زید بن حارثہ کو غلامی سے رہائی کے لیے بات چیت کرنے میں بھی آسانی ہوگی۔''

حارثہ بن شرجیل نے اپنے بھائی کعب بن شرجیل سے کہا ''میرے لیے اس سے زیادہ خوش قسمتی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم دونوں ایک ساتھ جا کر زید بن حارثہ کو گھر لے آئیں۔'' چنانچہ دونوں بھائیوں نے رخت سفر باندھا اور مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر انہوں نے لوگوں سے آنحضور ﷺ کے گھر کا پتہ دریافت کیا اور سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی ''ہم اپنے بیٹے زید بن

حارثہ کو لینے آئے ہیں۔ جتنی رقم آپ کہیں ہم فدیہ کے طور پر دینے کو تیار ہیں۔ آپ از راہ صد لطف وکرم ہمارے لخت جگر کو ہمارے ساتھ بھیج دیں اور اس کو غلامی سے رہائی دے دیں۔'' زید بن حارثہ کا والد حارثہ بن شرجیل شدت جذبات سے رو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ چچا کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ دونوں بھائیوں نے بڑے دل گداز انداز میں زید بن حارثہ کی رہائی کے لیے التجا کی۔

رحمتہ للعالمین ﷺ نے زید بن حارثہ کے والد حارثہ بن شرجیل اور چچا کعب بن شرجیل کی درخواست غور سے سنی اور فرمایا ''جو زید پسند کرے وہی مجھے منظور ہے۔ میں زرفدیہ کے طور پر ایک کوڑی بھی نہیں لوں گا۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں زبردستی اسے اپنے سے جدا نہیں کروں گا''۔

ساقی کوثر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا'' زید وہ دیکھو تمہارے والد اور تمہارے چچا آئے ہیں۔''

زید بن حارثہ نے جیسے ہی اپنے والد اور چچا کو دیکھا تو وہ دوڑا ہوا ان کے پاس گیا اور ان کے گلے لگ گیا۔ باپ نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا۔ چوما، پیار کیا، حارثہ بن شرجیل کو ایسے محسوس ہوا جیسے اسے کھویا ہوا خزانہ مل گیا ہو۔ دنیا کی بہت بڑی نعمت میسر آ گئی ہو۔

زید بن حارثہ نیک عادات واطوار کی وجہ سے سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی بہت پسند تھا جب کہ زید بن حارثہ تو آنحضور ﷺ پر اپنی جان نچھاور کرتا تھا۔ آنحضور ﷺ نے زید بن حارثہ کو غلاموں کی طرح نہیں رکھا تھا۔ وہ گھر کے ایک فرد کی طرح وہاں رہ رہا تھا۔ وہ بھی اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اور اطاعت میں اپنی خوشی اور دونوں جہانوں کی بھلائی سمجھتا تھا۔ بہر حال میل ملاقات کے بعد حارثہ بن شرجیل نے اپنے لخت جگر، نور نظر زید بن حارثہ سے کہا۔

''بیٹا ہم نے تمہاری جدائی میں بہت غم برداشت کیے ہیں۔ ہمارا ایک ایک پل بے کل

و بے چین گزر رہا ہے۔ تمہاری جدائی ہم پر غموں کا پہاڑ بن کر ٹوٹی تھی۔ اب جب کہ تم ہمیں زندہ سلامت مل گئے ہو۔ اس لیے اپنا بوریا بستر یہاں سے سمیٹو اور ہمارے ساتھ چلو۔ تمہاری والدہ تمہارے انتظار میں راہ تک رہی ہوگی''۔

زید بن حارثہ نے جب اپنے والد محترم کی یہ بات سنی تو وہ گہری سوچ میں پڑ گیا مگر اس نے فیصلہ کرنے میں کوئی دیر نہ لگائی۔ اس نے اپنے والد محترم سے کہا ''ابا جان! میں آپ کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گا۔ میں آپ کے ہاں کی آزادی پر رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی غلامی کو ترجیح دیتا ہوں۔ میں آنحضور ﷺ کے ساتھ ہی رہوں گا اور آپ ﷺ کی خدمت میں ہی زندگی گزار دوں گا۔ آپ بے شک وقتاً فوقتاً مجھے ملنے کے لیے آ سکتے ہیں لیکن میں مستقل طور پر آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا''۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے چونکہ فیصلہ کا اختیار زید بن حارثہ کو دیا تھا اور اس کے والد اور چچا اس بات پر متفق بھی ہوئے تھے لہٰذا زید بن حارثہ کے والد حارثہ بن شرجیل اب کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھے تاہم اسے اپنے بیٹے سے اس قسم کے جواب کی مطلقاً توقع نہ تھی۔ اپنے بیٹے کے اس جواب سے وہ حیران و ششدر ہو کر رہ گئے مگر کر بھی کیا سکتے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کا منہ تکتے رہ گئے اور سکتے میں آ گئے۔

ہادی کون و مکاں حضرت محمد ﷺ نے زید بن حارثہ کا یہ جواب سنا تو از حد خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کے والد اور چچا سے مخاطب ہو کر فرمایا ''اگر زید اپنی خوشی سے آپ کے ساتھ چلا جاتا تو میں اسے فوراً آزاد کر دیتا۔ مگر اب ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اپنے ترجیح دینے والے پر میں کسی اور کو ترجیح دوں۔ اب زید یہیں رہے گا غلام بن کر نہیں بلکہ میرا بیٹا بن کر۔''

سرور کائنات ﷺ نے اس لمحے زید بن حارثہ کو اپنے ساتھ لیا اور اس کے والد اور چچا کے ہمراہ خانہ کعبہ پہنچے آپ ﷺ نے وہاں جا کر بیانگ دہل اعلان کیا کہ ''آج سے زید بن حارثہ میرا غلام نہیں بلکہ میرا بیٹا اور وارث ہے۔ میں اسے فدیہ لیے بغیر غلامی سے رہائی دیتا

ہوں۔"

جب معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے چار افراد میں زید بھی شامل تھا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ غلاموں میں سب سے پہلا غلام جس نے اسلام قبول کیا زید بن حارثہ تھا۔ زید تو پہلے ہی حضرت محمد ﷺ کی خدمت اقدس میں رہتا تھا لیکن جب سے اسے سرور کائنات ﷺ کے منہ بولے بیٹے کی حیثیت حاصل ہوئی تھی اس کی قدر و منزلت اور عزت و وقعت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اب دوسرے لوگوں کا اس کے ساتھ برتاؤ سرور کونین ﷺ کے بیٹے کے طور پر ہوتا تھا۔ یوں ایک اغوا شدہ بچہ غلامی محمد ﷺ میں آیا تو اس کے مقدر جاگ اٹھے۔

ہادی کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آیا کا نام برکہ تھا جس کی کنیت ام ایمنؓ تھی۔ آنحضور ﷺ ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی جنتی عورت سے شادی کرنا چاہے تو وہ عورت ام ایمنؓ ہے"۔

حضرت زیدؓ نے اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے تو فوراً دل میں فیصلہ کیا کہ وہ جنتی عورت سے شادی کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ اگرچہ حضرت ام ایمنؓ کی عمر حضرت زید بن حارثہؓ سے دوگنا تھی تاہم آنحضور ﷺ کی خوشنودی اور حضرت زیدؓ کی رضامندی سے ان دونوں کا نکاح ہو گیا۔ حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ام ایمنؓ کو رب کائنات نے بیٹے جیسی نعمت سے سرفراز فرمایا تو انہوں نے اپنے بیٹے کا نام اسامہ بن زیدؓ رکھا۔ حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ نے محبوب رب العالمین ﷺ کی خدمت گزاری اور اطاعت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جب کہ آنحضور ﷺ بھی دونوں باپ بیٹے کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور انہیں کبھی احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ غلام ہیں۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تو دنیا میں تشریف ہی اس لیے لے آئے تھے کہ غلامی جیسی لعنت کو جڑ سے

اکھاڑ پھینکیں۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں غلاموں کو بہت حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت سے یہ رسم چلی آ رہی تھی کہ چاہے غلام کو آزاد بھی کر دیا جاتا، انہیں معاشرے میں اچھا مقام نہیں دیا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ برادرانہ سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔ انہیں معاشرے میں ہمیشہ کم تر سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ معزز اور شرفاء اپنے بچوں کے رشتے ناطے ان سے نہیں کرتے تھے۔ وہ غلاموں سے رشتے کرنا تو دور کی بات، ان سے راہ و رسم رکھنا بھی اپنی توہین سمجھتے تھے۔ جب کہ ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نسلی برتری کا تعصب اور امتیاز ختم کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ جاہلیت کے پرانے رسم و رواج کو مٹانے کی خاطر کوئی ٹھوس مثال قائم کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ کوئی ایسا کارنامہ کرنا چاہتے تھے جو دوسروں کے لیے رہتی دنیا تک مشعل راہ بن سکے۔

☆☆☆☆☆

ہجرت کر کے جو لوگ مدینہ منورہ پہنچے تھے ان میں قریش کے قبیلہ بنو اسد خزیمہ کے لوگ بھی شامل تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ، حضرت ابو احمد بن جحشؓ، حضرت محمد بن عبد اللہ بن جحشؓ، حضرت زینب بنت جحشؓ، حضرت ام حبیبہ بنت جحشؓ اور حضرت حمنہ بنت جحشؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ آنحضور ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ان میں حضرت زینب بنت جحشؓ کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبد المطلب تھا جو آنحضور ﷺ کی سگی پھوپھی زاد تھیں۔ حضرت زینب بنت جحشؓ قریش خاندان سے تھیں۔ وہ ایک بیوہ خاتون تھیں۔ اور بہت خوبصورت اور خوب سیرت تھیں۔

آقا و غلام کی تمیز کے خاتمہ کے لیے سرور کائنات ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ کے لیے حضرت زینب بنت جحشؓ کو نکاح کے لیے تجویز کیا۔ حضرت زینب بنت جحشؓ کو ایک آزاد کردہ غلام سے نکاح کرنے میں ہچکچاہٹ تھی۔ حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ بھی اس شادی کے لیے رضامند نہیں تھے۔ دونوں

بہن بھائی اس تذبذب میں تھے کہ ایک آزاد کردہ غلام سے نکاح کرنے سے معاشرے میں ان کا مقام بلند نہیں ہوگا۔ ان دونوں کے دل اس رشتہ کو بے جوڑ سمجھتے تھے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ نے کہا۔

''میں حضرت زید بن حارثہؓ سے نسب میں بہتر ہوں''

لوگوں کو جب اس رشتہ کی تجویز کا علم ہوا تو انہوں نے بھی اسے اچھا محسوس نہ کیا کہ آنحضور ﷺ اپنی سگی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحشؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی یہ بات چیت چل رہی تھی کہ رب ذوالجلال نے اس سلسلہ میں وحی نازل فرمائی۔ رب کائنات نے سورۃ الاحزب میں ارشاد فرمایا:

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا''۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو یہ امر واضح ہو گیا کہ جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی حکم ہو تو کوئی اس میں خود اپنی مرضی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ارشاد ربانی کی روشنی میں حضرت زینب بنت جحشؓ اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ دونوں بہن بھائی کو حضرت زید بن حارثہؓ کے رشتہ کو منظور کرنا پڑا۔ اور یوں معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کی شادی حضرت زینب بنت جحشؓ سے کرا دی۔ آپ ﷺ نے خود حق مہر دس دینار اور ساٹھ درہم ادا کئے۔ شادی سے پہلے حضرت زید بن حارثہؓ اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس ہی رہتے تھے اب سرور کائنات ﷺ نے شادی کے بعد دونوں میاں بیوی کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام فرمایا اور ضروری کپڑے و گھریلو سامان بھی مہیا کیا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ نے ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل میں حضرت زید بن حارثہؓ

سے نکاح تو کرلیا تھا لیکن مزاج اور طبیعت کا تفاوت قائم رہا۔ حضرت زید بن حارثہؓ ایک صابر انسان تھے جبکہ حضرت زینب بنت جحش کا مزاج ذرا تیز تھا۔ اس لیے دونوں کے مزاجوں کی ہم آہنگی نہ ہوسکی۔ حضرت زینب بنت جحشؓ کو اپنے عالی خاندان اور شریف النسب ہونے پر جو فخر تھا اس سے ان کی خانگی زندگی تلخیوں سے دوچار ہوتی رہتی تھی۔ حضرت زید بن حارثہؓ آئے دن کی ان تلخیوں سے تنگ آچکے تھے۔ ان کا پیمانہ صبر لبریز ہوچکا تھا۔ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ان کی ساری کوششیں ناکام ہوچکی تھیں۔ سال بھر کی ترش کلامی کے باعث حضرت زید بن حارثہؓ دلبرداشتہ ہوگئے۔ باہمی مودت والفت جاتی رہی۔ اور طلاق کے بغیر اس الجھن کا انہیں کوئی حل نظر نہیں آتا تھا لیکن چونکہ یہ شادی آنحضور ﷺ کی خواہش پر ہوئی تھی اس لیے حضرت زید بن حارثہؓ کی یہ مجال نہیں تھی کہ چپکے سے حضرت زینب بنت جحشؓ کو طلاق دے کر فارغ کر دیتے۔

حضرت زید بن حارثہؓ نے ضروری خیال کیا کہ تمام صورت حال سے سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مطلع کریں۔ چنانچہ حضرت زید بن حارثہؓ نے بارگاہ رسالت ﷺ میں بپتا کہہ سنائی اور یہ ارادہ بھی ظاہر کیا کہ طلاق کے سوا نہیں اور کوئی حل نظر نہیں آتا۔

آنحضور ﷺ کو حضرت زید بن حارثہؓ کے اس ارادے سے بڑی تشویش ہوئی کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ لوگ کیا کہیں گے کل سرورِ کائنات ﷺ نے جو شادی خود اپنے ہاتھوں سے کرائی تھی آج حضرت زید بن حارثہؓ نے طلاق دے کر اسے ختم کر دیا۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو سمجھایا کہ وہ اپنے اس ارادے سے باز رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا

''کل میں نے بڑے شوق سے تمہارا نکاح کرایا ہے آج اگر تم طلاق دے دو گے تو حضرت زینبؓ اور ان کے عزیزوں کی دل شکنی ہوگی۔''

لیکن حضرت زید بن حارثہؓ کے لیے یہ ممکن نہ رہا تھا۔ اصلاح احوال کے لیے انہوں

نے سارے جتن کیے تھے اور ہر امکانی کوشش کی تھی لیکن حضرت زینب بنت جحشؓ کے مزاج کو بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

آخر حضرت زید بن حارثہؓ نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحشؓ کو طلاق دے دی۔ ان کی ازدواجی زندگی کا عرصہ محض ایک سال پر محیط تھا۔ اس وقت حضرت زینب بنت جحشؓ کی عمر 35 سال تھی۔

اس کے بعد خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کا نکاح حضرت ام کلثومؓ بنت عقبہ سے کر دیا حضرت ام کلثومؓ حضور اکرم ﷺ کی پھوپھی ام بیضاء بنت عبدالمطلب کی بیٹی اروٰی بنت کریز کی بیٹی تھیں۔ یعنی حضرت عثمان غنیؓ کی ماں شریک بہن تھیں۔ ان سے ایک لڑکی رقیہؓ بنت زیدؓ اور ایک لڑکا زید بن زیدؓ پیدا ہوا۔

عرب قبائل میں یہ رواج تھا کہ لے پالک بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ کے ساتھ منہ بولے باپ کا نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لیکن رب کائنات کو دور جاہلیت کی اس رسم کو مٹانا مقصود تھا۔ اس لیے ایک روز حضرت جبریل امین نے امام کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیغام دیا کہ زینب بنت جحشؓ آپ ﷺ کی بیوی بنے گی۔ حضور اکرم ﷺ نے اگرچہ یہ سوچا کہ اس سے مخالفین ایک طوفان کھڑا کر دیں گے اور طرح طرح کی باتیں بنائیں گے لیکن اگر ہادی کون ومکاں ﷺ اللہ پاک کے حکم سے ایسا جرات مندانہ اقدام نہ فرماتے تو اور کون اصلاح کرتا۔ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی یہی تھا کہ ہر قسم کے جاہلانہ رسوم و رواج اور عقائد و خیالات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے اور معاشرے کی ہر اس رسم کا خاتمہ کیا جائے جو برائی کی شکل اختیار کر چکی ہے اور اس کے خاتمہ سے معاشرہ میں اصلاح و فلاح کی روشنی پھیلتی ہو۔

صاحب ضیاء القرآن کے مطابق دراصل جو رسمیں کسی معاشرے میں جڑ پکڑتی ہیں تو لوگ ان کے اتنے گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ ان کو چھوڑنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ رسمیں کتنی ہی نقصان دہ اور بے ہودہ کیوں نہ ہوں۔ عوام الناس تو محض قدامت پسندی میں ان رسوم کو ترک

کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ جب کہ اہل دانش اس خوف سے ایسا کرنے کی جرات نہیں کرتے کہ اس طرح ان کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ قوم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جائے گی اور لاقانونیت پھیل جائے گی۔ اس لیے عوام اپنے نقطہ نظر سے اور خواص اپنے اندیشوں کے باعث مروجہ رسوم کو نہیں چھوڑتے اور اگر کوئی شخص ان میں ردوبدل اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو اس کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

عرب میں دیگر لغو رسموں کے ساتھ ساتھ یہ بے ہودہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا متبنیٰ بنا لیتا تو اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے جو حقیقی فرزند کو حاصل ہوتے۔ وہ متبنیٰ بنانے والے کے مرنے کے بعد اس کا وارث ہوتا۔ اس کی بیوی کی وہی حیثیت ہوتی جو حقیقی بیٹے کی بیوی کی ہوتی اس طرح اس رسم کے باعث طرح طرح کی خرابیاں مرتب ہو رہی تھی۔ نسب میں خلط ہو رہا تھا بیٹا وہ کسی کا ہوتا لیکن متبنیٰ بننے سے اپنے اصلی خاندان سے کٹ جاتا اور دوسرے خاندان کا فرد شمار ہوتا۔ اگر کسی کی حقیقی اولاد نہ ہو تو اس کے دوسرے قریبی رشتہ دار اس کے مال متروکہ کے حقدار بنتے ہیں لیکن متبنیٰ ہونے کی صورت میں وہ خونی اور نسبتی قرابت رکھنے والے قریبی رشتہ دار بھائیوں اور بھتیجوں وغیرہ کے حقوق وراثت کو ان سے محروم کر دیتا یہ صریح ظلم تھا۔

زمانہ قدیم کی رسم کے مطابق فخر الانبیاء حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنا متبنیٰ بنایا تھا اس حیثیت سے وہ آپ ﷺ کا وارث تھا۔ آپ ﷺ نے اسے منہ بولا بیٹا کہا تھا عرب کے دستور کے مطابق منہ بولے بیٹے کے وہی حقوق بنتے تھے جو ایک حقیقی بیٹے کے ہو سکتے ہیں۔ جب کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح بھی عرب کے دستور کے مطابق جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔

صحیح مسلم اور مسند امام احمد میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب بنت جحشؓ کی عدت کی معیاد گزر چکی تھی۔ تو سرور کائنات ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو بلا کر انہی کی طلاق شدہ بیوی حضرت زینب بنت جحشؓ کے گھر بھیجا کہ وہ جا کر حضور اکرم

ﷺ کا انہیں نکاح کے لیے پیغام دیں۔ حضرت زید بن حارثہؓ تعمیل حکم کے لیے حضرت زینب بنت جحشؓ کے گھر تشریف لے گئے حضرت زید بن حارثہؓ فرماتے ہیں کہ ''جب میں وہاں حضرت زینب بنت جحشؓ کے گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ آٹا گوندھ رہی ہیں میں نے شرماتے ہوئے اپنا رخ دوسری طرف کر کے کہا کہ اے زینبؓ میں تمہارے لیے ایک خوشخبری لے کر آیا ہوں کہ رسول رحمت ﷺ نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تمہیں اپنے حبالہء عقد میں لے کر ازواج مطہراتؓ کی فہرست میں شامل کر لیا جائے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت زینب بنت جحشؓ نے بغیر نظریں اٹھائے آٹا گوندھتے ہوئے ارشاد فرمایا ''میں اپنے اللہ سے مشورہ کرنے کے بعد ہی اس معاملے میں کچھ کہہ سکتی ہوں''۔

اس کے بعد حضرت زینب بنت جحشؓ مصلے پر کھڑی ہو گئیں وہ ابھی حالت نماز میں ہی تھیں کہ اللہ پاک نے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ پر وحی نازل فرمائی کہ:

''اے نبی! یاد کرو (اس وقت کو) جب تم اس شخص سے جس پر اللہ پاک نے انعام فرمایا تھا اور تم نے بھی اس پر احسان کیا تھا یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو (طلاق نہ دو) اور اللہ سے ڈرو (کیونکہ طلاق دینا اللہ کو پسند نہیں) تم اس بات کو چھپا رہے ہو جو تمہارے دل میں ہے۔ حالانکہ اللہ پاک خود ہی اس بات کو ظاہر کر دے گا اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے (اے نبی ﷺ) اس (مطلقہ خاتون) کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔'' (سورۃ الاحزاب)

الاصابہ میں ہے کہ جب یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں تو حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے آیات تلاوت فرمائیں اور کہا کہ کوئی ہے جو زینب بنت جحشؓ کو یہ بشارت دے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ ''جب حضور اکرم ﷺ یہ آیات تلاوت فرما چکے تو مجھے یہ خیال آیا کہ حضرت زینب بنت جحشؓ میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس کمال پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ پاک نے آسمان پر کیا''

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خادمہ سلمٰی دوڑی دوڑی حضرت زینب بنت جحشؓ کے گھر پہنچی اور کہا ''اے زینبؓ! تمہیں بے حد وحساب مبارک ہو خدائے بزرگ و برتر نے تمہارا نکاح اپنے محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے کر دیا ہے اور وحی کے ذریعے آیات نازل ہوئی ہیں۔ جنہیں میں خود حضور اکرم ﷺ کی زبان اطہر سے سن کر تمہیں خوشخبری دینے آئی ہوں۔ تمہیں ''ام المومنین'' بننے کی سعادت مبارک ہو''۔

حضرت زینب بنت جحشؓ نے یہ بات سنی تو انہیں از حد خوشی ہوئی اور انہوں نے رب کائنات کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا۔ یہ ہجری کا پانچواں سال تھا۔ جب حضرت زینب بنت جحشؓ حضور اکرم ﷺ کے حبالہ عقد میں داخل ہوئیں۔ اس طرح اللہ پاک نے متبنیٰ کی زوجہ سے نکاح حرام ہونے کی رسم قبیح کا خاتمہ کر کے بہت سی پریشانیوں کا ازالہ کر دیا۔

بعض سیرت نگاروں کے نزدیک حضرت زینب بنت جحشؓ کا حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نکاح تین ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ حافظ ابن سید الناس کا قول ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ 4 ہجری میں حضور اکرم ﷺ کی زوجیت میں آئیں۔ حضرت زینب بنت جحشؓ کا مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔

صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ''جب حضرت زینب بنت جحشؓ دلہن بنا کر حجرے میں بھیجی گئیں تو سرور کائنات ﷺ نے نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا۔ ساقی کوثر مالک کون ومکاں ﷺ نے اس موقع پر ایک بکری ذبح کرائی اور روٹی گوشت تیار کرایا۔ آپ ﷺ نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا جس قدر کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے ولیمہ میں فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو بلانے کے لیے

مجھے مقرر فرمایا، میں نے سب کو دعوت دی اور کوئی باقی نہ رہا کچھ لوگ آتے اور کھانا کھا کر چلے جاتے سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔

آخر میں نے عرض کیا"یارسول اللہ! اب تو کوئی باقی نہیں رہا جس کو دعوت دوں"

آپ ﷺ نے فرمایا:"نہیں کوئی باقی نہیں رہا، اب کھانا اٹھالو"

"میں نے خاتم الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حکم کی تکمیل میں کھانا اٹھالیا۔ سب لوگ تو چلے گئے مگر تین اشخاص وہاں بیٹھے رہے اور گفتگو میں مشغول رہے حضور اکرم ﷺ نے شدت حیاء کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا لیکن مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے تا کہ وہ سمجھ جائیں سرور کائنات ﷺ وہاں سے اٹھ کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے پر گئے اور سلام کیا۔ اس کے بعد تمام بیبیوں کے حجروں پر گئے اور سلام کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ ساتھ تمام بیبیوں نے آپ ﷺ کو نکاح کی مبارک باد دی اور خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا۔

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ جب لوٹ کر حضرت زینب بنت جحشؓ کے حجرے میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ تینوں آدمی اب تک بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ معلم کائنات ﷺ کے مزاج میں بہت شرم وحیا تھی۔ آپ دوبارہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے کی طرف چلے گئے۔ ان لوگوں نے جب دیکھا کہ سردار الانبیاء ﷺ گھر تک آکر واپس چلے گئے ہیں تو وہ سمجھ گئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کو مطلع کیا گیا کہ وہ تین آدمی چلے گئے ہیں۔ تو آپ ﷺ حضرت زینب بنت جحشؓ کے حجرے میں تشریف لے آئے"۔

اس موقع پر قرآن پاک کی سورۃ الاحزاب کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

"اے ایمان والو! نبی ﷺ کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت تمہیں کھانے کی اجازت دی جائے۔ ایسی صورت میں اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تمہیں بلایا جائے (کہ کھانا تیار ہے) تب جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر بیٹھے نہ رہا کرو اس بات سے نبی ﷺ کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور

اللہ پاک صاف صاف کہنے سے کسی کا لحاظ نہیں کرتا اور جب تم بیبیوں سے ضرورت کی کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے اور تمہیں جائز نہیں کہ تم نبی کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ ہی جائز ہے کہ تم آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے تم خواہ کوئی بات چھپاؤ اللہ کو ہر بات کا علم ہے''۔

یہ آیت حجاب کی آیت کے نام سے مشہور ہوئی۔ آیت حجاب کے نزول کے بعد معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تمام ازواج مطہراتؓ کے حجروں (گھروں) کے دروازوں پر پردے لٹکا دیئے۔ لوگوں نے بھی آپ ﷺ کی تقلید کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیئے اور لوگوں کو نصیحت کی گئی کہ دوسرے گھروں کے اندر نہ جایا کریں۔ خصوصاً حضور اکرم ﷺ کے گھروں کا خاص خیال رکھیں۔

آیت حجاب کے نزول کے بعد امہات المومنینؓ پردہ کی سختی سے پابندی کرتی تھیں حضرت عباسؓ نے اپنے بیٹے فضل کو اور ربیعہ بن حارث نے اپنے بیٹے عبدالمطلب کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں روزگار کے لیے بھیجا۔ فضل اور ربیعہ دونوں حضور اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔ جب کہ حضرت زینب بنت جحشؓ فضل کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں مگر وہ ان دونوں کے سامنے نہ آتی تھیں اور حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں پردے کے پیچھے سے ان سے بات کر لیتی تھیں۔

حضرت زینب بنت جحشؓ سے شادی کے بعد جب سرور کائنات ﷺ نے لوگوں کو دعوت پر بلایا تو کچھ لوگ آپ سے قدرے بے تکلفی سے مخاطب ہوئے۔ یہ بات نہ تو حضور اکرم ﷺ کو پسند آئی اور نہ ہی رب کائنات کو۔ چنانچہ اس بارے وحی نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو حضور اکرم ﷺ سے مؤدب ہو کر باسلیقہ خطاب کی تلقین کی گئی۔ سورۃ النور میں ارشاد ربانی ہے۔

''مسلمانو! اپنے درمیان رسول اللہ ﷺ کو بلانے کے لیے ایسا نہ سمجھو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو، بے شک اللہ پاک کو معلوم ہے جو لوگ تم سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں۔ جو لوگ (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی آفت ہی آ پڑے یا تکلیف دہ عذاب ان پر نازل ہو''۔

بخاری، نسائی، مسلم اور احادیث کی دوسری کتب میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ''ہادی کون و مکاں نے حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح فرمایا تو میری والدہ محترمہ حضرت ام سلیمؓ (جو کہ رشتہ میں حضور اکرم کی خالہ تھیں) نے انتہائی خوشی اور شادمانی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر میری والدہ نے مالیدہ بنایا جو انتہائی لذیز اور خوش ذائقہ تھا۔ میری والدہ محترمہ نے اس مالیدہ سے ایک طشت بھر لیا اور وہ طشت مجھے دے کر کہا ''اے انسؓ! اسے سرکار دو جہاں ﷺ کی خدمت اقدس میں انتہائی احتیاط اور سلیقے سے لے جاؤ اور انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کرو اور عرض کرنا کہ یہ میری والدہ نے بصد خلوص و عقیدت بھیجا ہے۔ وہ آپ ﷺ کو سلام کہتی ہیں اور عرض گزار ہے کہ یہ ہماری طرف سے اس خوشی کے موقع پر قلیل سے ہدیہ کو قبول فرمائیں تو ہمارے لیے باعث اعزاز اور وجہ افتخار ہوگا''۔

حضرت انسؓ مزید فرماتے ہیں۔ ''میں والدہ کی طرف سے بھیجا گیا مالیدہ کا طشت لے کر ختم المرسلین ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے پہلے اپنی والدہ کا سلام عرض کیا سرور کائنات نے سلام کا جواب دیا پھر میں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں مالیدہ کا طشت پیش کر کے کہا کہ یہ میری والدہ نے آپ ﷺ کی حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ نکاح کی خوشی میں ہدیہ بھیجا ہے۔ اسے قبول فرمائیں شافع محشر ﷺ نے اسے مسرت کے ساتھ قبول فرمایا اور مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور فلاں فلاں کو بلا لاؤ۔ ان کے علاوہ بھی جو مسلمان راستے میں ملے اسے بھی بلا لاؤ آپ ﷺ نے جن لوگوں کے نام لیے تھے میں فرداً فرداً ان کے پاس گیا اور انہیں حضور اکرم ﷺ کی طرف سے دعوت کا پیغام دیا مزید یہ کہ راستہ میں بھی جو لوگ ملتے گئے

میں انہیں مدعو کرتا گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک مجمع لگ گیا اور کوئی تین سو کے قریب لوگ جمع ہو گئے"۔

"جب ساقی کوثر ﷺ نے دیکھا کہ سب لوگ پہنچ چکے ہیں تو آپ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا "اے انس! وہ مالیدہ کا طشت لاؤ چنانچہ میں حکم رسول اللہ ﷺ کی تعمیل میں مالیدہ کا طشت لے آیا۔ اس وقت صفہ اور آپ ﷺ کا حجرہ لوگوں سے بھر گیا تھا۔ رسول رحمت ﷺ نے فرمایا کہ دس دس کا حلقہ بنالو اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے چنانچہ لوگوں نے کھانا شروع کیا مالیدہ چونکہ لذیذ تھا دوسرے رسول اللہ ﷺ کی دعوت دی اس لیے سب لوگ بڑی رغبت اور محبت سے مالیدہ نوش کر رہے تھے۔ ایک گروہ داخل ہوتا اور باہر نکلتا پھر دوسرا داخل ہوتا اور سیر ہو کر باہر نکلتا یہاں تک کہ سب کا پیٹ بھر گیا اور کھانے کی حاجت نہ رہی۔

پھر سردار دو جہاں نے مجھے فرمایا۔ "اے انس! اب اس طشت کو اٹھالو" جب میں نے طشت کو اٹھایا تو میں نہیں سمجھتا تھا کہ جب میں نے اس کو رکھا تھا اس وقت وہ مالیدہ زیادہ تھا، یا اس وقت جب میں نے اس کو اٹھایا"۔

سرور کائنات ﷺ کے حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ نکاح کی چند خصوصیات ایسی نمایاں منفرد اور ممتاز ہیں کہ وہ کسی اور کے نکاح میں نہیں پائی جاتیں۔ یہ ایسا بے مثل نکاح تھا کہ اس میں ولی اور گواہوں کی بجائے قرآنی حکم کو بنیاد بنایا گیا۔ یہ نکاح آسمانوں پر ہوا جبکہ اور بیویوں کے نکاح ان کے ولی اور گواہوں نے پڑھائے۔ اس نکاح سے جاہلیت کی اس قدیم رسم کو توڑ دیا گیا کہ متبنیٰ کی مطلقہ بیوی سے منہ بولے باپ کی شادی کرنا معیوب تصور کیا جاتا تھا۔ اس نکاح سے مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد غلام اور آقا و مالک کی تمیز ختم ہو گئی۔ اس نکاح میں پردے کا حکم نازل ہوا اور اس نکاح کے لیے وحی الٰہی اتری اللہ پاک نے اس نکاح کے موقع پر لے پالک بیٹوں کے بارے میں وضاحتی حکم فرمایا کہ وہ تمہارے حقیقی بیٹے نہیں ہیں اسی طرح یہ بھی فرمایا گیا کہ محمد عربی ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اور یہ کہ آپ خاتم النبین ہیں۔

حضرت زینب بنت جحشؓ حضور اکرم ﷺ کی دوسری بیویوں سے فخریہ کہا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تو تمہارے ولیوں نے کیے جب کہ میرا نکاح تو خود رب کائنات نے ساتویں آسمان پر کیا۔ اسی سلسلہ میں طبری، بلاذری اور زرقانی کا بیان ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ سرکار دو عالم سے کہا کرتی تھیں کہ مجھے تین باتوں پر آپ ﷺ پر ناز ہے۔ اور آپ ﷺ کی کوئی بیوی اس بارے میں ناز نہیں کر سکتی اور وہ تین باتیں یہ ہیں کہ

۱۔ میرا اجدامجد اور آپ کا جدامجد ایک ہے۔

۲۔ میرا آپ ﷺ سے نکاح اللہ پاک نے آسمان پر پڑھایا۔

۳۔ میرے معاملہ کا سفیر جبریل امین تھا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ کی محبوب رب العالمین ﷺ کے ساتھ شادی کے بعد لوگوں پر یہ نکتہ واضح ہو گیا کہ منہ بولے بیٹے کی طلاق شدہ بیوی سے باپ شادی کر سکتا ہے۔ منافقین اور مشرکین نے خوب افواہیں پھیلائیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا ہے۔ ان کا اعتراض تھا کہ اگرچہ زید بن حارثہؓ حضور اکرم ﷺ کا بیٹا نہیں تھا لیکن اگر وہ منہ بولا بیٹا بھی تھا تو اس کے مطلقہ سے سرور کائنات ﷺ کو شادی نہیں کرنا چاہیے تھی حالانکہ یہ نکاح اللہ پاک نے خود اپنی مرضی سے کیا تھا۔ دراصل مخالفین اسلام تاڑ میں لگے رہتے تھے کہ کب انہیں موقع ملے اور وہ سرکار مدینہ ﷺ کے بارے میں کسی بات کو رائی کا پہاڑ بنائیں۔ حضرت زید بن حارثہؓ چونکہ حضور مکرم ﷺ کے سگے بیٹے تو نہیں تھے اس لیے وحی کا نزول ہوا رب تعالیٰ نے فرمایا۔

''اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ کا) بیٹا نہیں بنا دیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی باتیں ہیں اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ تم لے پالکوں کو ان کے اصلی باپ کے نام پکارا کرو، یہی بات اللہ پاک کے نزدیک درست ہے۔ اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین کے بھائی اور دوست ہیں اور تمہیں اس میں بھول چوک ہو جائے تو اس سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

لیکن اس بات پر گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو، اللہ غفور والرحیم ہے۔"

جو لوگ حضرت زید بن حارثہؓ کو زید بن محمد ﷺ کہنے لگے تھے اس وحی کے نزول کے بعد پھر سے زید بن حارثہؓ کہنے لگے اس کے علاوہ بعض افراد کو حضور اکرم ﷺ کی پانچویں شادی پر بھی اعتراض تھا حضور اکرم ﷺ کی پہلے چار ازواج مطہراتؓ حضرت سودہؓ بنت زمعہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت حفصہؓ، اور حضرت ام سلمہؓ موجود تھیں تو یہ پانچویں شادی کیسے ہو گئی؟ مخالفین نے اور دشمنان اسلام نے اس حوالے سے خوب افواہیں پھیلائیں اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع کر دیں تو رب تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ارشاد فرمایا۔

"نبی ﷺ کے لیے کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہو، یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ان سب انبیاء کے معاملہ میں رہی ہے۔ جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ (یہ اللہ کی سنت ان لوگوں کے لیے ہے) جو اللہ پاک کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں، اور اللہ پاک کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ پاک خود ہی حساب کرنے والا کافی ہے۔" (الاحزاب)

محبوب عالم ﷺ کی شادیوں کے حوالے سے دشمنان کی چہ مگوئیاں اور نکتہ چینی کے خاتمہ کے لیے رب ذوالجلال نے وجہ تخلیق کائنات حضرت محمد مصطفیٰ کو اجازت خاص مرحمت کرتے ہوئے مزید وضاحت کے ساتھ سورۃ الاحزاب میں فرمایا۔

"اے نبی ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کی بیویاں جن کو آپ ﷺ نے مہر دے دیے ہیں حلال کر دی ہیں۔ اور آپ ﷺ کی لونڈیاں جو اللہ پاک نے بطور مال غنیمت دلوائی ہیں آپ ﷺ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ ﷺ کے ماموؤں کی بیٹیاں، آپ ﷺ کی خالاؤں کی بیٹیاں جو آپ ﷺ کے ساتھ وطن چھوڑ کر آئی ہیں (سب حلال ہیں) اور کوئی مومن عورت اگر اپنا آپ نبی ﷺ کو ہبہ کر دے بشرطیکہ نبی ﷺ بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ بھی حلال ہیں۔ اور یہ اجازت خاص آپ ﷺ ہی

کے لیے ہے سب مسلمانوں کے لیے نہیں ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے۔ مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں تا کہ آپ ﷺ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

حضور اکرم ﷺ کی جتنی شادیاں ہوئیں ان سے دین کی تبلیغ اور اشاعت میں بڑا فائدہ ہوا ان سے مقصود یا تو اپنے دوستوں اور جانثاروں کی دلجوئی تھی یا شہداء اسلام کی بیوگان کی سرپرستی تھی اور یا دشمن قبائل کے ساتھ محبت اور مودت کے تعلقات کا قیام تھا ان شادیوں میں سے کسی شادی کو عشرت کوشی کی علامت کسی صورت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

یہی صورت حال حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ شادی کی تھی جو ایک شہید کی بیوی اور عیال دار تھیں تاہم پھر بھی آپ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے کر دی جسے آپ نے متبنیٰ بنایا ہوا تھا اور دشمنان اسلام نے یہ سب فتنہ پردازی حضرت زید بن حارثہؓ کو متبنیٰ بنانے ہی کی وجہ سے کی تھی۔ ورنہ حضور اکرم ﷺ کا سرے سے بیٹا تھا ہی نہیں۔ چونکہ آپ ﷺ خاتم النبین ہیں اس لیے ضروری تھا کہ اس رسم جاہلیت کا خاتمہ بھی وہ خود اپنے ہاتھ سے کریں اس ضمن میں خدائے بزرگ و برتر نے وحی نازل فرمائی اور واضح طور پر اعلان کیا کہ

''محمد ﷺ! تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں، اور سب نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے'' (الاحزاب)

سرور کائنات ﷺ کی حضرت زینب بنت جحشؓ کے ساتھ شادی کے حوالے سے جہاں اور آیات مقدسہ اتریں وہاں ازواج مطہراتؓ کی عظمت و رفعت کا تعین بھی کر دیا گیا اور مومنوں کو تلقین کی گئی کہ:

''بلاشبہ نبی ﷺ مومنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی بیویاں ان کی (مومنوں کی) مائیں ہیں'' (الاحزاب)

رب تعالیٰ نے ازواج مطہرات ؓ کو مومنوں کی مائیں کہہ کر نہ صرف ان کے حوالے سے کسی قسم کی فتنہ سازی سے روک دیا بلکہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد ان سے نکاح کرنے بھی منع فرمادیا کیونکہ وہ بہر صورت مومنوں کی مائیں ہیں۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش ؓ ایک سمجھ دار قابل اور فہمیدہ خاتون تھیں۔ آپ ؓ کو رب رحمان ورحیم نے صورت اور سیرت دونوں میں کمال عطا فرمایا تھا۔ آپ ؓ کے میکے والے تقریباً شروع ہی سے مسلمان ہو گئے تھے اور یوں وہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ سے براہ راست فیض یاب ہوتے رہے تھے۔ حضرت زینب بنت جحش ؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش ؓ ابتدائے اسلام ہی سے رضا کارانہ طور پر ایک مجاہد اور سرفروش کی طرح اسلام کی ترویج واشاعت میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے غزوہ بدر اور غزوہ احد میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ داد شجاعت پائی اور غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش ؓ اور اپنے چچا حضرت امیر حمزہ ؓ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا کیونکہ دونوں قریبی رشتہ دار تھے دراصل حضرت زینب بنت جحش ؓ حضرت حمزہ ؓ کی بھانجی تھیں جبکہ حضرت عبداللہ بن جحش ؓ حضرت امیر حمزہ ؓ کے بھانجے تھے۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش ؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش ؓ ہی کی قیادت میں ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حکم کی تکمیل میں بنو جحش خاندان کا قافلہ مدینہ منورہ سے ہجرت کی غرض سے روانہ ہوا تھا جس میں حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ ساتھ آپ ؓ کے دوسرے بھائی ابو احمد بن جحش ؓ جو بینائی سے محروم مگر قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ بھی شامل تھے انہیں شاعر اسلام کہا جاتا تھا۔ آپ ؓ نے ایک قصیدہ لکھا جس میں ہجرت کے اسباب قریش کے ظلم وستم اور جاںنثاران اسلام کی ایمان افروز داستان تفصیل سے بیان کی۔ اس قصیدہ کو عربی ادب کا شاہکار تصور کیا گیا۔

جب بنو جحش کا پورا خاندان مکہ معظمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ چلا گیا تو ان کے مکہ معظمہ میں

عالی شان مکان پر قریش کے سردار ابوسفیان نے قبضہ کر لیا۔ جب یہ علم ہوا کہ جس گھر میں اللہ پاک کی عبادت ہوا کرتی تھی قرآن مجید کی تلاوت سے فضا معطر ہوا کرتی تھی۔ دعاؤں اور التجاؤں سے در و دیوار منور ہوا کرتے تھے اب اس گھر پر دشمن اسلام قابض ہے تو حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی حضرت عبداللہ جحشؓ رنجیدہ اور نم دیدہ ہوئے اور رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی۔

''یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان میرے گھر پر ابوسفیان قابض ہو گیا ہے۔ جس کا مجھے از حد افسوس اور دکھ ہے مجھے بتائیے کہ اس صورتحال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

رسول رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے جانثار ساتھی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو پریشان حال دیکھا تو ارشاد فرمایا۔

''اے عبداللہ بن جحشؓ کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں اس سے بہتر گھر عطا کر دے''۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے جب یہ سنا تو بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے ''یارسول اللہ ﷺ مجھے بخوشی منظور ہے''۔ رحمۃ للعالمین محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ''اے عبداللہ بن جحشؓ! یقین رکھو جنت میں تجھے اس سے بہتر گھر ملے گا''۔

حضرت زینب بنت جحشؓ کے تیسرے بھائی کا نام عبیداللہ بن جحشؓ تھا۔ عبیداللہ بن جحشؓ نے اپنی بیوی رملہؓ بنت ابوسفیان کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت حبشہ میں دونوں شامل بھی تھے مگر بعد میں عبیداللہ بن جحشؓ نے حبشہ پہنچنے پر عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اس کی بیوی رملہؓ بنت ابوسفیان اپنی کنیت ام حبیبہؓ کے نام سے مشہور تھیں اور بعد ازاں ام المومنینؓ بنیں۔

حضرت زینب بنت جحشؓ کی دو حقیقی بہنیں تھیں۔ ایک کا نام ام حبیبہ بنت جحشؓ تھا۔ ان کی شادی عشرہ مبشرہ کے ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے ہوئی تھی۔ دوسری بہن کا نام

حضرت حمنہ بنت جحشؓ تھا۔ ان کا پہلا نکاح حضرت مصعب بن عمیرؓ جبکہ دوسرا نکاح طلحہ بن عبید اللہؓ سے ہوا تھا کیونکہ ان کے پہلے شوہر حضرت مصعب بن عمیرؓ نے غزوہ احد میں جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ حضرت زینب بنت جحشؓ حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کی بھی بھانجی تھیں اور یہی خاندانی وجاہت، شرافت اور نجابت تھی جس پر حضرت زینب بنت جحشؓ فخر کیا کرتی تھیں۔

معلم کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ نماز عصر کے بعد تمام ازواجؓ کے پاس تشریف لے جاتے، تھوڑی دیر بیٹھتے، حال احوال پوچھتے اور عدل و انصاف کے تقاضے قائم رکھتے ہوئے ہر ایک زوجہ مطہرہؓ کے پاس ایک جیسا وقت گزارتے۔

ایک مرتبہ چند روز سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کے ہاں قدرے زیادہ وقت گزارا جو دوسری ازواج مطہراتؓ نے محسوس کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ادب واحترام سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے کسی عزیز نے شہد بھیجا ہے چونکہ شہد ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مرغوب اور پسندیدہ غذا تھی اس لیے حضرت زینب بنت جحشؓ سرور کائنات ﷺ کو شہد پیش کرتیں اور آپ ﷺ اسے نوش فرماتے۔ اس طرح حضرت زینب بنت جحشؓ کے ہاں قدرے زیادہ وقت لگ جاتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت حفصہ بنت عمرؓ اور حضرت سودہ بنت زمعہؓ نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ جب رسول رحمت ﷺ ان تینوں میں سے جس کے پاس بھی آئیں تو وہ ایک جیسی بات کریں کہ ''یارسول اللہ ﷺ! آپ کے دہن مبارک سے خوشبو کی بجائے ہلکی بو سی محسوس ہو رہی ہے''۔

جب ہادی کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک جیسی بات یکے بعد دیگرے تین ازواج مطہراتؓ سے سنی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''میں نے شہد کے علاوہ تو کھایا پیا نہیں''۔ چونکہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بہت زیادہ نفاست پسند تھے۔ آپ ﷺ خوشبو پسند

فرماتے تھے اور ہلکی سے بو کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ اس لیے جب آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ آپ ﷺ کے دہن مبارک سے خوشبو کی بجائے ناگواری بو آ رہی ہے تو آپ ﷺ نے آئندہ کے لیے شہد استعمال نہ کرنے کا اعلان کر دیا۔

ازواج مطہراتؓ کی طرف سے یہ منصوبہ بندی دراصل ان کی آپ ﷺ سے محبت، عظمت اور قدر و منزلت کی بناء پر تھی اور ہر بیوی کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اس کے ہاں زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں۔ جس کی ترکیب حضرت زینب بنت جحشؓ نے شہد پلانے کی صورت میں نکالی جبکہ دوسری تین ازواج مطہراتؓ کے لیے آپ ﷺ کی تاخیر ناقابل برداشت تھی لیکن جب آپ ﷺ نے اپنی تینوں ازواج مطہراتؓ کی بات کا یقین کر کے شہد نہ پینے کا اعلان کیا تو رب کائنات نے فوراً یہ حکم نازل فرمایا:

''اے نبی ﷺ! اللہ تعالیٰ نے جو تیرے لیے حلال کیا ہے اپنی ازواج کی خوشنودی کے لیے اس کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔ (التحریم)

چونکہ محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہر ادا شرعی قانون کی بنیاد بن جاتی ہے اس لیے اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک شہد کو حلال قرار دے کر اسے استعمال کرنے کا حکم دیا مزید یہ کہ اس طرح ازواج مطہراتؓ کی آپ ﷺ سے بے پناہ محبت و عقیدت اور آنحضور ﷺ کی اپنی ازواج مطہراتؓ کی خوشنودی کا بھی تذکرہ کر کے مہر تصدیق لگا دی۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ، عبادت گزار، شب زندہ دار اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں ہر لحظہ سرگرم رہنے والی خاتون تھیں۔ آپؓ نے اپنے گھر کے ایک کونے میں چھوٹی سی مسجد بنا رکھی تھی جس میں وہ اکثر اوقات عبادت میں مصروف رہتیں۔ آپؓ کا معمول یہ تھا کہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے استخارہ ضرور کیا کرتی تھیں۔ آپؓ اپنے روحانی بیٹوں کی رہنمائی بھی کرتی تھیں اور یاد الٰہی کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔

سن ہجری کا دسواں سال تھا اور ذی قعدہ کا مہینہ تھا کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تمام ازواج مطہراتؓ کے ہمرکاب حج کا ارادہ فرمایا۔ اس سفر میں حضرت زینب بنت جحشؓ بھی ہمراہ تھیں اور انہوں نے انتہائی غور و فکر اور انہماک و اشتیاق کے ساتھ ختم المرسلین ﷺ کا میدان عرفات میں الوداعی خطبہ سنا اور اس کے تمام نکات دل پر نقش کر لیے۔

جب سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہجری کے گیارہویں سال مالک و خالق حقیقی سے جا ملے تو حضرت زینب بنت جحشؓ کا آنحضور ﷺ کے ساتھ چھ سال کا ازدواجی بندھن ختم ہو گیا۔ بیوہ ہونے کے بعد آپؓ نے اپنے آپؓ کو امت مسلمہ کی تربیت و تعلیم اور اصلاح و فلاح کے لیے وقف کر دیا۔

حضرت زینب بنت جحشؓ نے حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں رہ کر روحانی کمالات اور زہد و تقویٰ میں عبور حاصل کر لیا تھا۔

اعلیٰ و ارفع فہم و فراست اور قابل ذکر دانائی و حکمت کی وجہ سے حضرت زینب بنت جحشؓ کی کنیت ام الحکیم مشہور تھی۔ علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ آپؓ زہد و عبادت میں بھی خاص مقام رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت عمر فاروقؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ حضرت زینب بنت جحشؓ نماز اور دعا میں مشغول ہیں آپ ﷺ یہ دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا:

''بے شک زینبؓ بڑی بردبار، نرم دل اور خدا کی طرف رجوع کرنے والی ہے''۔
(المعجم الکبیر، مجمع الزوائد)

اسی طرح ایک دفعہ محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مہاجرین کے گروہ میں مال فئے تقسیم فرما رہے تھے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ جو کہ وہاں موجود تھیں کسی بات پر بیچ میں بول پڑیں۔ جس پر حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں بولنے سے منع فرمایا رسول رحمت ﷺ نے جب یہ دیکھا تو حضرت عمر فاروقؓ سے کہا:

''اے عمرؓ! زینبؓ کو کچھ نہ کہو۔ یہ بڑی عابدو زاہد ہیں''۔ (زرقانی، الاصابہ)

حضرت زینب بنت جحشؓ بہت متبع شریعت تھیں جب ان کے بھائی کا انتقال ہوا تو تین دن بعد انہوں نے خوشبو منگوائی اور اس کو اپنے جسم اور کپڑوں پر لگایا پھر فرمایا ''اللہ کی قسم! مجھے خوشبو لگانے کی ضرورت تو نہ تھی مگر میں نے یہ کام صرف اس لیے کیا ہے کہ رسول رحمت ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ شوہر کے مرنے پر چار مہینہ دس دن سوگ کرنا چاہیے''۔ (بخاری)

حضرت زینب بنت جحشؓ انتہائی فیاض، سخی اور کھلے ہاتھ کی مالک تھیں ۔ غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی سرپرستی کرتی تھیں ۔ جو کچھ پاتی تھیں صدقہ کر دیتی تھیں حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں خوشی محسوس کرتی تھیں جس کی وجہ سے ان کے گھر کو ماوی المساکین یعنی مسکینوں کا ٹھکانہ کہا جانے لگا۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ وہ خوش بخت خاتون ہیں جنہیں رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جنت کی بشارت اس انداز میں دی کہ ایک روز آپ ﷺ نے ازواج مطہراتؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''تم میں سے سب سے جلد مجھے وہ ملے گی جس کا ہاتھ تم میں سے سب سے زیادہ لمبا ہوگا''۔

رسول مکرم ﷺ کا اشارہ اگرچہ سخاوت اور فیاضی کی طرف تھا مگر ازواج مطہراتؓ نے اس کو ظاہر پر محمول کیا چنانچہ سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وصال کے بعد ازواج مطہراتؓ جب جمع ہوئیں تو باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتیں کہ کس کا ہاتھ لمبا ہے۔ حضرت زینب بنت جحشؓ کا قد دوسری ازواج مطہراتؓ کی نسبت چھوٹا تھا اور ہاتھ بھی اسی تناسب سے چھوٹے تھے۔ لیکن جب سے پہلے حضرت زینب بنت جحشؓ کا انتقال ہوا تو تب معلوم ہوا کہ ان کا ہاتھ صدقہ و خیرات میں سب سے لمبا تھا کیونکہ آپؓ اپنے دست و بازو سے کماتی تھیں اور ان سب پیسوں کو اللہ

کے راستے میں خیرات کر دیتی تھیں۔

حضرت زینب بنت جحشؓ نے اپنا کفن اپنی زندگی ہی میں تیار کرا لیا تھا۔ جب آپؓ کا انتقال کا وقت آیا تو حضرت زینب بنت جحشؓ نے وصیت فرمائی کہ "میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے غالباً حضرت عمر فاروقؓ بھی امیر المومنینؓ ہونے کے ناطے میرے لیے کفن بھیجیں گے۔ ایک کفن میرے لیے استعمال کرنا اور دوسرا صدقہ کر دینا" چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کی وفات پر پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لیے بھیجے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے بھیجے ہوئے کفن میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو حضرت زینب بنت جحشؓ نے خود تیار کر رکھا تھا اس کو ان کی بہن حضرت حمنہ بنت جحشؓ نے صدقہ کر دیا۔ (ابن سعد)

ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ نے یہ بھی وصیت کی کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے تابوت پر اٹھایا جائے اس سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس تابوت پر قبر تک پہنچایا جا چکا تھا۔ آپؓ پہلی خاتون تھیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد تابوت نبوی ﷺ پر اٹھائی گئیں۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کی نماز جنازہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے پڑھائی۔ آپؓ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اس دن سخت گرمی تھی جہاں قبر کھودی جا رہی تھی وہاں حضرت عمر فاروقؓ نے خیمہ لگوا دیا تھا کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو جنت البقیع میں کسی قبر پر لگایا گیا۔

اس وقت ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کی عمر مبارک ترپن (53) برس تھی (طبقات ابن سعد، مجمع الزوائد، المعجم الکبیر)

جب ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا:

"افسوس آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی، عبادت گزار اور

یتیموں، بیواؤں کی غمگسار تھی"۔ (الاصابہ)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

"قدر و منزلت کے اعتبار سے حضرت زینب بنت جحشؓ میرے ساتھ مقابلہ کیا کرتی تھیں لیکن میں نے اپنی حیات مستعار میں زینب بنت جحشؓ سے بڑھ کر کوئی دوسری صدقہ کرنے والی، صلہ رحمی سے پیش آنے والی اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کا شوق رکھنے والی نہیں دیکھی۔ جس دن مجھ پر جھوٹا الزام عائد کیا گیا میرے خلاف مدینہ منورہ میں طوفان بدتمیزی پیدا کیا گیا۔ منافقین کی ریشہ دوانیوں سے فضا مکدر ہو گئی لیکن جب میرے شوہر نامدار محبوب خدا حضرت محمد مصطفی ﷺ نے حضرت زینب بنت جحشؓ سے میری اخلاقی حالت کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ "یارسول اللہ ﷺ! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں۔ جس واللہ! عائشہؓ کے بارے میں سوائے خیر اور بھلائی کے اور کچھ نہیں جانتی" (بخاری، مسلم)

یعنی جو چیز میری آنکھ نے نہیں دیکھی اور جو بات میرے کان نے نہیں سنی وہ میں اپنی زبان سے کیسے کہہ سکتی ہوں۔ اب تک میرا علم اور یقین ان کی بابت سوائے خیر کے کچھ نہیں۔ اگر ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ چاہتیں تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دربار رسالت مآب ﷺ میں اپنی حریف اور سوکن کے بارے کوئی بھی منفی کلمہ کہہ سکتی تھیں لیکن صحبت رسول ﷺ نے ان کمزوریوں سے حضرت زینب بنت جحشؓ کو بالا بنا دیا تھا چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس واقعہ کے حوالے سے فرماتی ہیں کہ: "اللہ نے ورع اور تقویٰ کی بدولت زینب بنت جحشؓ کو اس فتنہ سے محفوظ رکھا۔" (بخاری) ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ:

"حضرت زینب بنت جحشؓ بڑی روزے رکھنے والی اور بڑی تہجد گزار تھیں۔ بڑی کمانے والی تھیں جو کماتی تھیں سارے کا سارا مساکین پر صدقہ کر دیتی تھیں"۔ (الاصابہ)

برزہ بنت رافعؓ فرماتی ہیں کہ "حضرت عمر فاروقؓ نے جب پہلی مرتبہ حضرت زینب بنت جحشؓ کو وظیفہ بھیجا تو آپؓ یہ سمجھیں کہ یہ سب ازواج مطہراتؓ کا ہے اور یہ فرمایا کہ اللہ عمر

فاروقؓ کی مغفرت کرے پھر جب حضرت زینب بنت جحشؓ کو بتایا گیا کہ یہ سب آپؓ کا ہے تو انہوں نے اس مال پر کپڑا ڈلوا دیا اور مجھے کہا کہ اپنا ہاتھ اس کپڑے کے نیچے لے جا کر جتنا ہاتھ میں آتا ہے وہ فلاں بن فلاں کو دے آؤ۔ فلاں یتیم کو دے آؤ فلاں مسکین کو دے آؤ چنانچہ اسی طرح مال تقسیم ہوتا رہا جب تھوڑا بچ گیا تو مجھے کہا کہ بقایا تم لے لو۔ میں نے دیکھا تو وہ پچاسی درہم تھے۔ اس تقسیم کے بعد حضرت زینب بنت جحشؓ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا ''اے اللہ! اس سال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا وظیفہ مجھے نہ پائے چنانچہ سال گزرنے نہ پایا کہ آپؓ کا انتقال ہو گیا''۔ (زرقانی، ابن سعد)

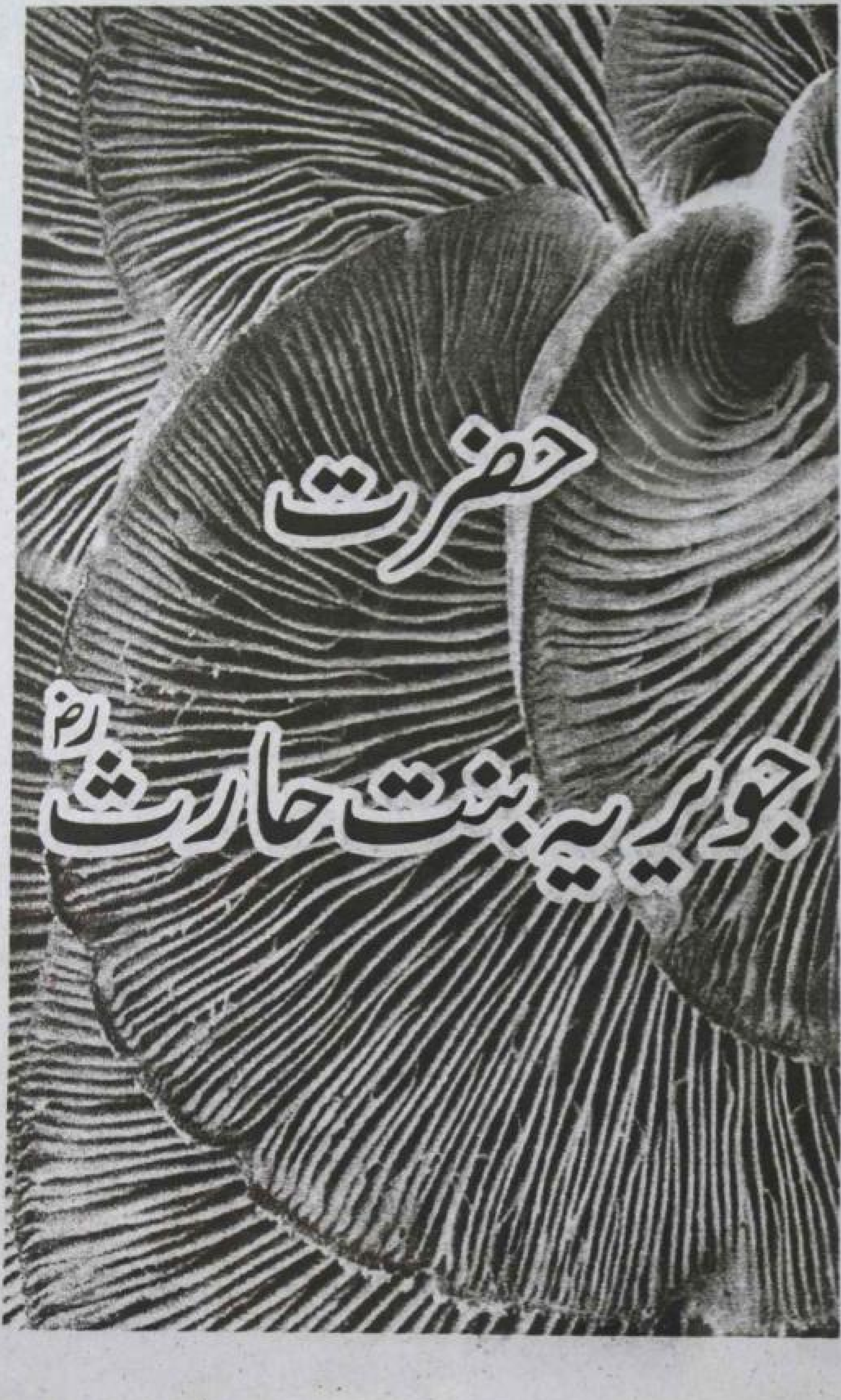

حضرت

جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

حضرت جویریہ بنت حارثؓ

وسیع و عریض عرب کی سرزمین جہاں صحراؤں، ریگستانوں، پہاڑوں، چشموں اور میدانوں میں منقسم تھی وہاں اس کے باشندے مختلف فرقوں، مذہبوں اور قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے کچھ قبائل اعلیٰ وارفع مقام کے مالک تھے تو کچھ ادنیٰ وحقیر سمجھے جاتے تھے۔ کوئی آقا تھا تو کوئی غلام کوئی انتہائی امیر تھا تو کوئی انتہائی غریب۔ تاہم اکثر افراد کا ذریعہ معاش ایک ہی تھا اور وہ تھا بھیڑ، بکریاں اور اونٹ پالنا جس کے پاس جانوروں کی جتنی زیادہ تعداد ہوتی تھی وہ معاشرے میں اتنی ہی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ البتہ کچھ لوگ مال تجارت لے کر فروخت کیلیے دوسرے ممالک بھی پہنچتے تھے اور کچھ تلاش معاش میں نقل مکانی کرتے رہتے تھے تاکہ امیر سے امیر تر ہوتے ہوئے امیر ترین ہوسکیں۔ اسی طرح کچھ لوگ معاشی مقاصد کے حصول کے لیے دوسرے ممالک سے عرب پہنچتے تھے اور جب انہیں جہاں کہیں کاروباری فضا سازگار ملتی تھی تو وہاں مستقل سکونت اختیار کر لیتے تھے۔

ایسے ہی افراد میں ایک نامور فرد عمرو بن عامر اپنی اہلیہ اور تین بیٹوں ثعلبہ، جفنہ اور حارثہ کے ہمرکاب ملک یمن سے سفر کرتا ہوا بحیرہ قلزم کے راستے جزیرہ نما عرب میں داخل ہوا یہاں کی معاشی و معاشرتی فضا کو خوشگوار پایا اور یہیں آباد ہو گیا اس نے اپنے تینوں بیٹوں کی شادیاں کیں۔ کافی مال کمایا اور خوش وخرم زندگی گزارنے لگا۔ اس کے بیٹے بھی معاشی طور پر مستحکم تھے اور معاشرے میں عزت ورفعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

عمرو بن عامر کے بیٹے ثعلبہ کو رب کائنات نے دو بیٹوں کی نعمت سے سرفراز فرمایا تو اس نے ایک بیٹے کا نام اوس، دوسرے کا نام خزرج رکھا۔ ختم المرسلین، نبی آخر الزمان حضرت محمد

ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار کر کے دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں لحہ لحہ مست و مگن رہنے لگے۔

عمرو بن عامر کے دوسرے بیٹے جفنہ کی اولاد غسان کے نام سے مشہور و معروف ہوئی۔ انہوں نے عرب کو خیر باد کہا اور ملک شام میں چلے گئے۔ وہاں کا معاشی و معاشرتی ماحول انہیں راس آیا اس لیے انہوں نے وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

عمرو بن عامر کے تیسرے بیٹے حارثہ کی اولاد کو بنی خزاعہ کے نام سے شہرت و عزت ملی۔ اس قبیلے نے شجاعت و بہادری میں بڑا نام کمایا اور عرب کے عظیم قبیلوں میں اس کا شمار ہونے لگا یہ لوگ تہامہ میں سکونت پذیر ہوئے اور وہاں کی مقتدر شخصیات کی حیثیت سے جانے پہچانے گئے۔

عمرو بن عامر کے تیسرے بیٹے حارثہ کی اولاد کے قبیلہ بنی خزاعہ کی دوسری شاخ میں ایک شخص جزیمہ بن سعد تھا۔ جزیمہ بن سعد کی اولاد کو بنی مصطلق کے نام سے شہرت ملی۔ قبیلہ بنی مصطلق کے افراد نے جدہ اور رابغ کے درمیان، بحر احمر کے ساحل پر قدید کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ اس قبیلہ کے سردار کا نام حارث بن ابی ضرار تھا۔ حارث بن ابی ضرار کے تعلقات مکہ معظمہ کے قریشیوں سے بڑے قریبی، گہرے اور دوستانہ تھے اور یہ دوستی اس حد تک تھی کہ دونوں ایک دوسرے کے نہ صرف دکھ سکھ میں شریک ہوتے تھے بلکہ بوقت ضرورت اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

قبیلہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار بہت امیر کبیر تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی اور ہمہ قسم کی خدائی نعمت کی فراوانی تھی۔ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے دو برس پہلے حارث بن ابی ضرار کے ہاں ایک خوب صورت بچی نے جنم لیا۔ اس بچی کا نام خاندان والوں کے مشورہ سے برہ رکھا گیا۔ برہ کی پرورش انتہائی ناز و نعم سے اور شاہانہ ماحول میں ہوئی۔ اس کیلیے کنیزیں رکھی گئیں اور خدام مقرر کیے گئے والد کے پاس پیسے کی کمی نہیں تھی۔ اس لیے برہ کی پر

داخت و تربیت پر دل کھول کر خرچ کیا گیا۔ وقت کا پنچھی تیزی سے اڑتا رہا۔ ہفتوں نے مہینوں کا اور مہینوں نے سالوں کا روپ دھارا تو برہ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ برہ ایک باوقار، با سلیقہ، اور انتہائی خوبصورت نقوش کی مالک حسین و جمیل لڑکی تھی۔ وہ اپنے قبیلے کی حسین ترین لڑکی مشہور تھی۔ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ خوب سیرت بھی تھی۔ اس لیے مختلف جگہوں سے رشتے آنا شروع ہو گئے۔ برہ کے والد حارث بن ابی ضرار نے اپنی اہلیہ سے اس بارے مشورہ کیا اور یوں والدین نے کافی سوچ و بچار کے بعد شاہی محل میں پلی اپنی لخت جگر برہ کا رشتہ اپنے ہی قبیلے کے ایک نامور جوان مسافع بن صفوان سے طے کر دیا۔

ان دنوں مدینہ منورہ اسلامی ریاست کا دارالحکومت بن چکا تھا۔ اسلام کی نور بھری کرنیں چہار جانب اپنی رنگینیاں بکھیر رہی تھیں۔ رہبر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات سے اذہان و قلوب منور ہو رہے تھے در و دیوار بقعہ نور بنے ہوئے تھے۔ شمع اسلام کے پروانے رب ذوالجلال کی سر بلندی اور محبوب رب العالمین ﷺ کی سرفرازی کے لیے لمحہ لمحہ سرگرم عمل تھے۔ جانثاران اسلام اور فدایان مصطفیٰ ﷺ جدھر کا رخ کرتے فتح و نصرت ان کے قدم چومتی تھی۔ اسلامی سلطنت کے رقبے میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور خدا کے نام لیواؤں کی فہرست دن بدن طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی تھی۔

ایسے لمحات میں جبکہ مسلمانوں نے مشرکین مکہ کو غزوہ بدر میں شکست فاش سے دوچار کیا تھا۔ برہ بنت حارث بن ابی ضرار کے والد اور شوہر دونوں قریش مکہ کی دوستی میں اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ سسر اور داماد دونوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف گھناؤنے منصوبے بنانا شروع کر دیے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے دلوں میں دین اسلام کے خلاف نفرت کا بیج تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا تھا اور اب غزوہ بدر میں شکست نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا۔ حارث بن ابی ضرار اور مسافع بن صفوان کے دلوں میں کدورت اور حقارت تو پہلے ہی اسلام کے خلاف بھری ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی فتح نے اس چنگاری کو مزید ہوا دے کر بھڑکا دیا۔ حارث

بن ابی ضرار اور مسافع بن صفوان کے دلوں میں انتقام کے شعلے بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک لشکر تیار کرنا شروع کر دیا۔ قریش مکہ بھی ان کا مکمل ساتھ دے رہے تھے قبیلہ بنی مصطلق نے اپنے سردار حارث بن ابی ضرار کی سربراہی میں دیگر قبائل سے رابطہ کر کے افرادی اور عسکری قوت میں اضافہ کیا اور مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کے ارادہ سے ہر قسم کی جنگی تیاریاں مکمل کرنے لگے۔ شعبان ۵ ہجری میں سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ایک شخص نے اطلاع دی کہ قبیلہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار اور اس کا داماد مسافع بن صفوان ایک لشکر تشکیل دے رہے ہیں تاکہ مدینہ منورہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ختم کیا جا سکے۔ آنحضور ﷺ کو جیسے ہی یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فوری طور پر حضرت بریدہ بن حصیبؓ کو تصدیق و تحقیق کے لیے قبیلہ بنی مصطلق کی جانب روانہ کیا تاکہ صحیح معلومات کی روشنی میں بر وقت اور قابل عمل منصوبہ بندی کی جائے اور دشمن کو یہاں پہنچنے سے پہلے ہی دندان شکن جواب دیا جائے۔

حضرت بریدہ بن حصیبؓ نے تعمیل حکم رسول اللہ ﷺ میں بنو مصطلق کے قبیلہ میں پہنچ کر وہاں کے سرکردہ افراد سے ملاقات کی۔ قبائلی جوانوں کی تیاریاں اور جنگی ساز و سامان کی فراوانی دیکھی۔ ان کے عزائم معلوم کیے تو انہیں پتہ چلا کہ ہر ایک کے دل و دماغ پر لڑائی کا بھوت سوار ہے وہ اپنی عسکری قوت کے خمار میں مست ہے۔

حضرت بریدہ بنت حصیبؓ نے واپس آ کر سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو وہاں کی مکمل اور مفصل صورت حال سے آگاہ کیا۔ ان کے خطرناک عزائم کی نشاندہی کی اور ان کے جنگی ساز و سامان کی فراوانی اور قبائلی جوانوں کی بھرپور تیاریوں کی اطلاع دی۔

تمام تر معلومات کی آگاہی کے بعد سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مجاہدین اسلام کو تیاری کا حکم دے دیا آپ ﷺ کا خیال تھا کہ اس سے پہلے کہ دشمن مکمل تیاریاں کر کے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو۔ اسے اس کے علاقے میں ہی پسپا کر دیا جائے۔ چنانچہ مدینہ منورہ سے

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیر قیادت لشکر اسلام نے کوچ کیا۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد ایک ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی۔ اس غزوہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ بھی ہمرکاب تھیں۔

رسول مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے لشکر اسلام کی قیادت کرتے ہوئے ۵ ہجری ماہ شعبان میں بنی مصطلق کے اہم ترین مرکزی مقام مریسیع پر پڑاؤ کیا۔ یہاں پانی کا ذخیرہ تھا جسے بنی مصطلق پینے اور دیگر ضروریات کے لیے استعمال کرتے تھے۔ مسلمانوں نے پانی کے اس ذخیرے پر قبضہ کر لیا۔ مقام جنگ میں پانی پر قبضہ کرنا رسول اکرم ﷺ کی جنگی حکمت عملی کا ایک اہم ترین حصہ تھا۔

اس غزوہ میں صحابہ کرام کے پاس تیس (۳۰) گھوڑے تھے جن میں دس مہاجرین کے اور بیس انصار کے تھے اس لشکر میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی مال غنیمت کی طمع میں منافقین کی ایک اچھی خاصی تعداد لیکر شامل ہو گیا تھا۔ یہ لوگ اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوئے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت زید بن حارثہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور تیز رفتاری کے ساتھ چل کر اسلامی لشکر نے ناگہاں اور اچانک دشمنان اسلام پر حملہ کر دیا۔

بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کو لشکر اسلام کی اچانک آمد اور حملے کا پتہ چلا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس پر مسلمانوں کی جرأت اور شجاعت و مردانگی کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ دیگر قبائلی جوانوں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو وہ اپنی جانیں بچاتے ہوئے بھاگ نکلے۔ قبیلے کا سردار حارث بن ابی ضرار بھی خوف زدہ ہو کر روپوش ہو گیا لیکن قبیلہ بنی مصطلق کے افراد خم ٹھونک کر میدان میں نکل آئے۔

رسول رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان کی طرف اسلام قبول کرنے کا پیغام بھیجا کہ تم کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤ تو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ یہ سب کچھ تمہاری ملکیت میں رہے گا اور تمہارے جان و مال محفوظ و مامون رہیں گے۔ انہوں نے اسلام

قبول کرنے کی بجائے مقابلہ کرنے کو ترجیح دی بلکہ ایک ناعاقبت اندیش نے تیر چلا دیا جو ایک مجاہد کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ پھر کیا تھا لڑائی بھڑک اٹھی رسول مکرم حضرت محمد مصطفی ﷺ نے مجاہدین کو صف بندی کا خیال رکھتے ہوئے یکبارگی حملہ کرنے کا حکم دیا۔ دشمن میں سے ایک کو بھی میدان سے بھاگنے کی مہلت نہ ملی۔ دشمنان اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دس افراد موت کے منہ میں اتار دیے گئے اور باقی گرفتار کر لیے گئے جن کی تعداد چھ سات سو تھی۔ برہ بنت حارث بن ابی ضرار جو کہ سردار قبیلہ بنی مصطلق کی بیٹی تھی وہ بھی گرفتار ہوئی جبکہ اس کا خاوند مسافع بن صفوان میدان جنگ میں قتل ہوا۔ مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

مدینہ منورہ پہنچ کر مال غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ مرد اور عورتیں غلاموں اور کنیزوں کی صورت میں مسلمان مجاہدین میں بانٹ دیے گئے۔ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی برہ بنت حارث بن ابی ضرار تقسیم کے وقت حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصے میں آئیں۔ وہ شاہی خاندان کی فرد تھیں۔ ناز و نعم میں پلی تھیں۔ اب وہ اسیر ہو کر لونڈی بن چکی تھیں۔ اس کے سر پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ بہت اذیت ناک لمحات سے دوچار تھیں۔ وہ حضرت ثابت بن قیسؓ سے مکاتبہ یعنی معاہدہ آزادی کے لیے تیار تھی مگر اس کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔ وہ موقع پاتے ہی رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور انتہائی سلیقے اور باوقار طریقے سے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ میں سردار کی بیٹی ہوں۔ ناز و نعمت سے پلی ہوں۔ اب حالات کی ستم ظریفی کے سبب بے دست و پا ہوں۔ سنہری تخت سے گر کر بستر خاک پر آن پڑی ہوں۔ میری آزادی کا معاہدہ نو اوقیہ سونے کی ادائیگی پر حضرت ثابت بن قیسؓ انصاری کیساتھ ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ جانتے ہیں کہ میں اتنی بڑی رقم کیسے ادا کر سکتی ہوں۔ میں یہ غلامی کی زندگی کیونکر گزار سکوں گی۔ یارسول اللہ ﷺ! مجھ ناتواں، بے بس اور لاچار پر نظر کرم فرمائیں۔'' (ابوداؤد)

اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی آنحضور ﷺ کے پاس تشریف رکھتی

تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ”جب میں نے بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی برہ بنت حارث بن ابی ضرار کو دیکھا تو اس کے حسن و جمال، چہرے کی تروتازگی اور گفتگو کرنے کے سلیقہ کو دیکھ کر میں دنگ رہ گئی“

برہ بنت حارث بن ابی ضرار نے آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری کے موقع پر اپنی عرضداشت پیش کرتے ہوئے دین اسلام قبول کرنے کی بھی حامی بھرلی۔ برہ بنت حارث بن ابی ضرار مسلمان ہوگئیں تو اسلام قبول کرتے ہی وہ حضرت ثابت بن قیسؓ کی غلامی سے آزاد کر دی گئیں۔

غزوہ بنی مصطلق میں سردار قبیلہ حارث بن ابی ضرار میدان جنگ سے فرار ہوگیا تھا۔ مگر جب اسے اپنی بیٹی برہ کے اسیر ہونے کی اطلاع ملی تو وہ واپس آگیا۔ عبداللہ بن زیاد سے مروی ہے کہ حارث بن ابی ضرار بہت سے اونٹ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہوا تا کہ فدیہ دے کر اپنی بیٹی کو چھڑا لائے۔ جب وہ منزل کے قریب پہنچا تو اس نے اپنی پسند کے دو اعلیٰ نسل کے اونٹ وادی عتیق میں چپکے سے چھپا دیے۔ جس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

حارث بن ابی ضرار باقی اونٹ لے کر سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور فدیہ کے طور پر اونٹ دے کر اپنی بیٹی کو آزاد کرانا چاہا۔ آنحضور ﷺ نے حارث بن ابی ضرار سے پوچھا ”وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم وادی عتیق میں چھپا کر آئے ہو؟“

حارث بن ابی ضرار نے آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے تو مجسمہ حیرت بن گیا کیونکہ ان دو اونٹوں کا سوائے اس کے کسی کو پتہ نہ تھا۔ اس نے سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے پوچھا ”آپ ﷺ کو کیونکر اطلاع ہوئی کہ دو اونٹ چھپا دیے گئے ہیں؟“

ہادی کون و مکان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”مجھے رب تعالیٰ نے اطلاع دی ہے۔“

یہ سنتے ہی حارث بن ابی ضرار سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کا قائل

ہو گیا۔اس نے فوراً کہا ''اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداًعبدہ و رسولہ''
(عیون الاثر، الاصابہ)

حضرت حارثؓ بن ابی ضرار کے مسلمان ہوتے ہی اس کے تمام ساتھیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت حارثؓ بن ابی ضرار کی بیٹی حضرت برہؓ بنت حارثؓ بھی چونکہ مسلمان ہو چکی تھیں اور اب اسیر بھی نہ رہیں تھیں، وہ اپنے والد کے ساتھ جانے کو تیار نہ تھیں۔ آنحضور ﷺ حضرت برہؓ بنت حارثؓ سے بہت متاثر ہوئے اور آپ ﷺ نے اس کے والد حضرت حارثؓ سے اس کی بیٹی برہؓ سے نکاح کیلیے اپنا نام تجویز کیا۔ حضرت حارثؓ بن ابی ضرار کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ خوشی خوشی رضامند ہو گیا۔ جب حضرت برہؓ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا ''میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔'' (طبقات ابن سعد، ابن عساکر)

چنانچہ حضرت برہؓ کا نکاح سردار دو جہاں، ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بعوض چار سو درہم مہر طے ہوا۔ مہر ادا کر دیا گیا اور ان کا عقد ہو گیا۔ آنحضور ﷺ کو برہ نام پسند نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ نے اپنی پسند کا نام جویریہؓ رکھ دیا۔ اب حضرت برہؓ ام المومنین حضرت جویریہؓ بن گئیں تھیں۔ ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش، ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارثؓ اور حضرت زینب بنت ام سلمہؓ کے نام بھی برہ ہی تھے۔ یہ نئے نام آنحضور ﷺ نے رکھے۔

ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حضرت جویریہ بنت حارثؓ سے نکاح کے حوالے سے امام بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ:

''ام المومنین حضرت جویریہؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اقدس ﷺ کی آمد سے تین راتیں پہلے خواب میں دیکھا کہ چاند مدینہ منورہ کی جانب سے چلتا ہوا آیا اور میری گود میں گر گیا۔ میں نے یہ خوب کسی کو بتانا پسند نہ کیا جب ہم گرفتار ہوئے تو میں نے خواب پورا ہونے کی امید کی تو آپ ﷺ نے مجھے آزاد کر دیا اور میرے ساتھ شادی کر لی۔''

علامہ ذہبی اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں حضرت جویریہؓ کی روایت لکھتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ شادی کی جب کہ میری عمر بیس سال تھی۔''

ساقی کوثر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ سے نکاح کے بعد خوشی میں بنی مصطلق کے چالیس غلاموں کو آزاد کر دیا۔ دوسرے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ بنی مصطلق تو سرور کائنات ﷺ کا سسرال بن چکا ہے تو انہوں نے آنحضور ﷺ کی تقلید کرتے ہوئے اپنے اپنے حصے کے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اس نکاح کی برکت سے بنی مصطلق کے تمام قیدی غلامی سے نجات حاصل کر کے آزاد ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک بار اس عظیم المرتبت خاتون کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''ہم نے کوئی خاتون حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے باعث برکت نہیں دیکھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے بنی مصطلق کے سینکڑوں افراد خانہ کو آزادی عطا کی۔'' (مسند احمد، طبقات ابن سعد، مستدرک حاکم)

ان افراد نے آزادی کے بعد دین اسلام قبول کر لیا اور یوں حضرت جویریہ بنت حارثؓ کو ام المومنین کی سعادت حاصل کرنے کے دو اعزاز اور بھی حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ ان کے سبب قوم کے افراد آزاد ہوئے اور دوسرا یہ کہ انہیں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت جویریہ بنت حارثؓ کا بھائی عبداللہ بن حارثؓ بھی میدان جنگ سے فرار ہو گیا تھا جب اسکے علم میں آیا کہ اس کی بہن مسلمانوں کی قید ہو کر کنیز بن گئی ہے تو وہ کچھ اونٹ لے کر بطور فدیہ پیش کرنے کے لیے معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تا کہ فدیہ دے کر اپنی بہن کو آزاد کرا سکے مگر اسے معلوم ہوا کہ اس کا والد بھی مسلمان ہو چکا ہے۔ اس کی بہن نہ صرف مسلمان ہو چکی ہے بلکہ ام المومنینؓ کا مرتبہ حاصل کر چکی ہے تو عبداللہ بن حارثؓ بھی مسلمان ہو گیا۔

آنحضور ﷺ نے حضرت جویریہ بنت حارثؓ کے لیے مسجد نبوی ﷺ کے قریب ہی حجرہ بنوا دیا۔ اس سے پہلے آپ ﷺ کے نکاح میں امہات المومنینؓ حضرت سودہؓ بنت زمعہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ موجود

تھیں۔ حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ کی بھی دیگر ازواج مطہراتؓ کی طرح باری مقرر ہوگئی۔

ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ ظاہری حسن وجمال کے ہمرکاب باطنی حسن و جمال کی دولت سے بھی مالا مال تھیں۔ آپؓ نہایت عبادت گزار خاتون تھیں۔ آپؓ اپنے شوہر نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت شعار تھیں۔ آپؓ کے تعلقات باقی تمام ازواج مطہراتؓ سے بہت خوشگوار تھے۔ آنحضور ﷺ تمام ازواج مطہراتؓ کی طرح حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ سے مشفقانہ سلوک کرتے تھے اور آپؓ کی تمام ضروریات کا خیال فرماتے تھے۔

ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ اکثر اوقات عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف رہتیں۔ آپؓ نے اپنے گھر میں ایک جگہ عبادت کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔ امام مسلم، امام احمد بن حنبل اور زرقانی کی روایت ہے کہ حضرت جویریہ بنت حارثؓ فرماتی ہیں کہ:

''ایک روز رسول کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے صبح کا وقت تھا۔ میں تسبیح میں مشغول تھی۔ پھر آپ ﷺ دوپہر کے وقت تشریف لائے۔ اس وقت بھی میں تسبیح میں مصروف تھی۔ مجھے اس طرح دیکھ کر آنحضور ﷺ نے فرمایا ''تو ابھی تک بیٹھی ہوئی ہے؟''

میں نے جواب دیا ''جی ہاں! یا رسول اللہ ﷺ!'' اس پر رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ''میں تجھے کچھ کلمات ایسے نہ سکھادوں جو وزن میں اس تمام تسبیح کے برابر ہوں جو تو اب تک پڑھ چکی ہے۔'' میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ ﷺ! ضرور فرمائیے'' سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

''وہ کلمے یہ ہیں۔ سبحان اللہ عدد خلقہ، سبحان اللہ وزنۃ عرشہ، سبحان اللہ رضا نفسہ، سبحان اللہ مداد کلماتہ۔ ان چاروں کلموں کو تین تین بار پڑھو۔''

ان کلمات کا مفہوم یہ ہے کہ میں اللہ کی تسبیح کرتا ہوں بقدر اس کی مخلوقات کے عدد کے۔ بقدر اس کے عرش کے وزن کے، بقدر اس کی مرضی اور خوشنودی کے اور بقدر اس کے کلمات کی مقدار کے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک جمعتہ المبارک کو ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ کے گھر تشریف لائے تو آپؓ روزہ سے تھیں۔ چونکہ سرور کائنات ﷺ ایک روزہ مکروہ سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ سے پوچھا ''کل بھی روزہ سے تھیں؟'' آپؓ نے جواب دیا ''نہیں یارسول اللہ ﷺ!''

آپ ﷺ نے پھر پوچھا ''کیا کل روزہ سے رہو گی؟''

آپؓ نے جواب دیا ''نہیں یارسول اللہ ﷺ!''

رسول رحمت ﷺ نے فرمایا ''تو پھر تم کو روزہ افطار کر لینا چاہیے۔'' روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے ان تین دنوں میں ایک دن جمعہ کا ضرور ہوتا تھا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک احتیاط اسی میں ہے کہ جمعہ کے روز کے ساتھ کم از کم ایک روزہ اور ملا لیا جائے۔

ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ کی شادی کو ابھی چھ سال کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ قرآن مجسم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؓ بیوہ ہو گئیں۔ اس وقت آپؓ کی عمر چھبیس سال تھی رسول مکرم ﷺ کے اس دار فانی سے کوچ کر جانے کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ تمام ازواج مطہراتؓ کے اخراجات کیلیے برابر رقم فراہم کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنے دور خلافت میں ازواج مطہراتؓ کا وظیفہ ۱۲ ہزار درہم مقرر کر دیا لیکن ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ اور ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی کا وظیفہ چھ چھ ہزار مقرر کیا۔ دونوں نے یہ وظیفہ لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا ''میں نے دیگر ازواج مطہراتؓ کا وظیفہ دوگنا ان کی ہجرت کی بنا پر کیا ہے۔''

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا ''رسول رحمت ﷺ ہم میں ہر چیز برابر تقسیم کیا کرتے تھے'' یہ بات سن کر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے سب ازواج مطہراتؓ کا وظیفہ برابر ۱۲ ہزار مقرر کر دیا۔ ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ نے ربیع الاول ۵۰ ہجری میں

وفات پائی۔ ایک روایت ۵۶ ہجری کی بھی ہے اس وقت حضرت امیر معاویہؓ کا دور تھا اس زمانے میں مدینہ منورہ میں مروان بن الحکم گورنر تھے۔ انہوں نے ام المومنین حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپؓ کو باقی ازواج مطہراتؓ کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (عیون الاثر، ابن سعد، ابن ہشام)

حضرت
ام حبیبہ رض

حضرت ام حبیبہؓ

آدھی رات کا وقت تھا۔ چہار جانب گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا تھا۔ چاند اور تارے رخصت پر تھے کیونکہ یہ ماہ رواں کے آخری دن تھے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ گلیاں اور بازار سونے پڑے تھے گویا ایک ہو کا عالم طاری تھا۔ ساکنان شہر مکہ اپنے اپنے گھروں میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے مگر اس مشہور شہر کے ایک محلے میں چار اشخاص ایسے بھی تھے جو ابھی تک جاگ رہے تھے۔ نیند کی ملکہ ان سے روٹھ چکی تھی۔ وہ چاروں انتہائی قریبی دوست تھے۔ دکھ سکھ کے ساتھی، ایک دوسرے کے ہمدرد اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر مسئلے پر باہمی غور و فکر کے رفیق اور ہمدم و ہمراز تھے۔ یہ دوست جہاں قابل ذکر فہم و فراست کے مالک تھے وہاں ان کے دلوں میں وطن سے محبت اور قوم کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

آج بھی وہ ایک اہم مسئلے پر گفتگو اور سوچ بچار کرنے کے لیے ایک خفیہ مکان میں اکٹھے ہوئے تھے۔ چراغ کی مدہم لو میں ان کے جذبات اور محسوسات کی ضو بڑی تیز اور فکر آمیز تھی۔ ان دوستوں میں سب سے زیادہ عالم فاضل دوست ورقہ بن نوفل نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ''دوستو! آپ سب دیکھ رہے ہیں کہ سرزمین عرب میں بت پرستی عام ہو چکی ہے، ہر کام اور ہر شعبے کا الگ الگ دیوتا مقرر ہے۔ قریش اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی مورتیوں کو اپنا مشکل کشا گردانتے ہیں۔ ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ان کی دل و جان سے تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ان کے سامنے نذر و نیاز کے انبار لگا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ عقل و خرد سے بعید اور انسانی وقار کے منافی ہے''۔

دوسرے دوست عثمان بن حویرث بن اسد نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا'' یہ بڑے تعجب اور حیرانی کی بات ہے کہ ان لوگوں کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھر کے بت جو نہ سن سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں اور نہ حرکت کر سکتے ہیں کس طرح ان کی مدد کر سکتے ہیں! آخر یہ معمولی سا نکتہ ان لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا! یہ کب تک ان کو پوجتے رہیں گے! نہ جانے انہیں کب عقل آئے گی!''۔

تیسرے دوست زید بن عمرو بن نفیل نے کہا '' قریش مطلقاً راہ راست سے بھٹک چکے ہیں۔ یہ ایک تاریک دور ہے۔ لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ نہ تو اپنی عقل استعمال کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کے سمجھانے سے سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی ان کو سمجھانے کی کوشش بھی کرے تو اسے کم فہم، جاہل اور بے وقوف گردانتے ہیں۔ ہمیں اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالنا چاہیے''۔

چوتھے دوست عبیداللہ بن جحش نے اگرچہ سب سے آخر میں رائے دی مگر اس کی بات سب دوستوں سے وزنی اور اور قابل عمل تھی۔ عبیداللہ بن جحش نے کہا '' یہ سچ ہے کہ قریش نے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا ہے مگر اس کا میری نظر میں صرف ایک ہی حل ہے کہ ہمیں حقیقت کی تلاش میں سر توڑ کوشش کرنا چاہیے۔ ہمیں دین ابراہیمؑ کا کھوج لگانا چاہیے۔ اسی میں ہمارے لیے فلاح و اصلاح کی راہ مضمر ہے۔ دین ابراہیمؑ ہی قریش کی تمام تر گمراہی کا توڑ ثابت ہو گا اور مجھے یقین ہے کہ اگر دین ابراہیمؑ کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو گئے تو ہم اپنی منزل پالیں گے''۔

ورقہ بن نوفل، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو نے عبیداللہ بن جحش کی رائے سے مکمل اتفاق کیا مگر ورقہ بن نوفل نے کہا'' ہمیں یہ کام انتہائی احتیاط اور رازداری سے کرنا ہو گا۔ اگر قریشیوں میں سے کسی ایک کے کان میں بھی اس کی بھنک پڑ گئی تو وہ سب کو مطلع کر دے گا اور یوں یہ جاہل لوگ ہمارا جینا دوبھر کر دیں گے۔ اس لیے ہمیں پھونک پھونک کر قدم بڑھانا ہو گا''۔

چنانچہ چاروں دوستوں کے مابین معاہدہ ہوا کہ وہ انتہائی ہوشیاری، چابکدستی مگر

رازداری کے ساتھ ماہرانہ منصوبہ بندی کے ساتھ دینِ ابراہیمؑ کی تلاش جاری وساری رکھیں گے اور وقتاً فوقتاً اکٹھے ہو کر پیش رفت سے ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہیں گے۔ یوں چاروں دوست یہ طے کر کے محفل برخواست کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔

زمانہ اپنی نپی تلی رفتار کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ ہر روز کا سورج نکلتا اور ڈوبتا رہا۔ چاروں دوست بھی منزل کی جستجو اور تلاشِ حق کی آرزو میں مقدور بھر کوشش میں مصروف رہے۔ ورقہ بن نوفل نے تورات اور انجیل کو نہ صرف زبانی یاد کر لیا بلکہ اس میں غور وفکر کی کئی منزلیں بھی طے کر لیں۔ اس حوالے سے اسے یقین تھا کہ ہادیٔ برحق، نبی آخرالزماں کا دور مسعود اور ورود سعید قریب ہے۔ وہ دعا کیا کرتا تھا کہ کاش وہ اس وقت تک زندہ سلامت رہے۔ ورقہ بن نوفل تورات اور انجیل کا بہت بڑا عالم ہونے کے باعث اس امر سے واقف تھا کہ ختم المرسلین ﷺ کی آمد کی کیا کیا نشانیاں ہیں اور یہ کہ اہل مکہ اس نبی ﷺ کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ یہ شخص ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا قریبی رشتہ دار تھا۔ چنانچہ جب خاتم الانبیا، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر پہلی وحی کا نزول ہوا اور آپ ﷺ نے قدرے گھبراہٹ محسوس کی تو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے ورقہ بن نوفل سے تمام ماجرا بیان کر کے اس کی رائے لی تو اس نے تورات وانجیل کی روشنی میں بتایا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو پہلے انبیاء علیہ السلام پر وحی لے کر آیا کرتا تھا۔ ورقہ بن نوفل نے یہ بھی بتایا کہ قوم آنحضور ﷺ کی دشمن ہو جائے گی اور ان کو اپنے ہی شہر مکہ سے ہجرت کرنا پڑے گی۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر وہ اس وقت تک زندہ رہا تو سرورِ کائنات ﷺ کی ہمہ قسم کی مدد کرے گا۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ورقہ بن نوفل آنحضور ﷺ کے اعلانِ نبوت سے قبل ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔

ورقہ بن نوفل تو اپنی عمر کی زیادتی اور ضعیفی کے باعث مکہ مکرمہ میں ہی رہا لیکن عثمان بن حویرث کو مکہ مکرمہ میں مکمل جاہلیت اور تاریکی نظر آئی تو وہ حق کی تلاش میں سرگرداں سرزمین شام کی طرف چلا گیا۔ وہاں جا کر نصرانیت کا بہت بڑا عالم اور مبلغ بنا۔ یوں اسے شاہ روم قیصر کا

قرب حاصل ہوا جس نے اسے پوپ کے درجے پر فائز کر دیا۔ عثمان بن حویرث نے بھی آنحضور ﷺ کی بعثت سے پہلے وفات پائی۔

تیسرے ساتھی زید بن عمرو نے نہ تو نصرانیت قبول کی اور نہ ہی یہودیت البتہ وہ اپنے دوسرے تینوں دوستوں کی طرح بت پرست نہیں تھا اور بتوں کے نام پر ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت کھانا بھی حرام سمجھتا تھا۔ بچیوں کو زندہ درگور کرنے کو گناہ عظیم سمجھتا تھا۔ زید بن عمرو اکثر و بیشتر رب ابراہیم کا نام لیا کرتا تھا اور دعا کیا کرتا تھا کہ خدا اسے سیدھا راستہ جلد سے جلد دکھائے۔ مگر عمر نے اس کے ساتھ وفا نہ کی اور وہ رسول رحمت ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے ہی خالق حقیقی سے جا ملا۔

چوتھا ساتھی عبیداللہ بن جحش دین ابراہیمؑ کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ وہ اسی تلاش میں ہی تھا کہ مکہ مکرمہ میں نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے نبوت کا اعلان کر دیا۔ آپ ﷺ نے تمام بتوں کو جھٹلاتے ہوئے ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔ آنحضور ﷺ کی دعوت سے سرداران قریش کے تن بدن کو آگ لگ گئی۔ تمام قبائل آپ ﷺ کی مخالفت پر اتر آئے اور آپ ﷺ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ اگرچہ اس زمانے میں عرب میں بہت سے چھوٹے بڑے قبائل آباد تھے مگر قریش کے تمام قبائل میں سے دو قبیلے انتہائی معزز، محترم اور مکرم و معظم سمجھے جاتے تھے۔ ان دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ بنو ہاشم اور دوسرا بنو امیہ کہلاتا تھا۔ قبیلہ بنو ہاشم سب سے زیادہ ممتاز اور نمایاں تھا۔ اس کے ذمہ خانہ کعبہ کی دیکھ بھال، حفاظت و مرمت اور عوام الناس کی خدمت تھی۔ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔

دوسرے درجہ پر قبیلہ بنو امیہ تھا۔ یہ قبیلہ قریش کا علم بردار تھا۔ اس کے پاس دفاع کی ذمہ داری تھی۔ قبیلہ بنو امیہ کے سردار کا نام صخر بن حرب تھا مگر وہ اپنی کنیت ابوسفیان سے زیادہ مشہور تھا۔ ابوسفیان کا شجرہ نسب قصی پر چوتھی پشت میں آنحضور ﷺ سے جا ملتا ہے۔ ابوسفیان کا آبائی پیشہ اگرچہ تجارت تھا مگر جنگ و جدل کے مواقع پر سب قبائل اسے متفقہ طور پر اپنا سربراہ

منتخب کر لیتے تھے اور ابوسفیان کے مشوروں اور فیصلوں کے مطابق جنگ لڑتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابوسفیان جاہ وجلال اور حوصلہ مند شخصیت کا مالک اور جنگ کے موقع پر اپنی عسکری فراست کے باعث جنگ کا پانسہ اپنے حق میں پلٹنے میں مہارت رکھتا تھا۔ بہادری اور تجربہ نے اس کی شخصیت کی ایک نمایاں شناخت بنا دی تھی۔

ابوسفیان کی شادی اپنی چچازاد صفیہ بنت ابوالعاص بن امیہ سے ہوئی جو کہ حضرت عثمان غنیؓ کی پھوپھی تھیں۔ ابوسفیان اور صفیہ بنت ابوالعاص کو رب کائنات نے ایک چاند سی خوبصورت بیٹی سے نوازا جس کا نام انہوں نے رملہ رکھا۔ گھر میں دولت کی فروانی تھی۔ اس لیے رملہ کی پرورش بڑے ناز ونعم اور شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ ہوئی۔ وہ ایک سردار کی بیٹی تھی۔ ایسا سردار جو متمول بھی تھا اور بارسوخ بھی۔ ممتاز بھی تھا اور قریش مکہ کے لیے باعث افتخار واعزاز بھی۔

وقت کا پودا درخت کی شکل اختیار کرنے میں دیر نہیں لگاتا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے رملہ کو پیدا ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے۔ ابھی اس کی پیدائش کی خوشی کے شادیانوں کی آواز کانوں میں گونجتی محسوس ہوتی تھی کہ وقت نے آواز دی کہ رملہ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ دیا ہے۔ ابوسفیان اور صفیہ بنت العاص کو اپنی بیٹی رملہ کی شادی کے خیال نے اس لمحے چونکا دیا جب اس کے لیے رشتے آنا شروع ہوئے۔ ایک نامور سردار کی بیٹی سے شادی کی خواہش اکثر قبیلوں کے نوجوان رکھتے تھے مگر جو صاحب ثروت وحیثیت تھے انہوں نے ہی رشتہ بھیجنے کی جسارت کی۔

ورقہ بن نوفل، عثمان بن حویرث بن اسد اور زید بن عمرو نفیل اگرچہ اپنے چوتھے ساتھی عبیداللہ بن جحش کے ساتھ ہی تلاش حق میں نکلے تھے مگر پہلے تین ساتھی وقت کے ساتھ موت کی آغوش میں جا چکے تھے۔ البتہ عبیداللہ بن جحش اپنی کم عمری کے باعث ابھی تک زندہ تھا۔ عبیداللہ بن جحش کے والد کا نام جحش بن رباب تھا جبکہ والدہ کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب تھا جو کہ آنحضور ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ جحش بن رباب کا تعلق خاندان بنی اسد بن خزیمہ سے تھا۔

تلاش حق اور دین ابراہیمؑ کی جستجو میں سرگرداں چوتھے ساتھی عبیداللہ بن جحش کے

والدین کو جیسے ہی ابوسفیان کی بیٹی رملہ کے جوان ہونے اور دوسرے لوگوں کے رشتہ بھیجنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے بھی اپنے خوبصورت، نڈر اور نیک سیرت بیٹے عبید اللہ بن جحش کے لیے ابوسفیان کے ہاں اس کی بیٹی رملہ کے رشتہ کی بات چلائی۔ ابوسفیان کو عبید اللہ بن جحش کا رشتہ تمام سے موزوں و مناسب اور بہتر و برتر محسوس ہوا اور اس لیے ہاں کر دی۔ یوں ابوسفیان کی چاندسی بیٹی رملہ کی شادی جحش بن رباب اور عبد المطلب کی بیٹی امیمہ کے قابل فخر بیٹے عبید اللہ بن جحش کے ساتھ بڑے تزک و احتشام اور دھوم دھام سے ہوئی جس میں عرب کے تمام سرداران قبائل نے شرکت کی۔ تمام اکابرین اور زعماء بھی شریک ہوئے۔ شاندار جشن منایا گیا اور ڈھولوں کی تھاپ اور باجوں کی گونج میں رملہ بنت ابوسفیان کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ عبید اللہ بن جحش کے والدین نے بھی اپنے باکردار اور صالح بیٹے کی شادی کی زیب و زینت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور یوں نوبیاہتا جوڑا ایک نئے گھر میں ہنسی خوشی حیات مستعار کے دن بسر کرنے لگا۔

انہی ایام میں چونکہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اعلان نبوت فرما چکے تھے اس لیے دشمنان اسلام ابوسفیان کی قیادت میں آنحضور ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ ابو سفیان اسلام قبول کرنے والوں کو ظلم و ستم کی چکی میں پیس رہا تھا۔ کوئی ایسا حربہ نہیں تھا جو اس نے اسلام کا راستہ روکنے کے لیے استعمال نہ کیا ہو۔ کوئی ایسا ظلم نہیں تھا جو اس نے جانثاران اسلام کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کے لیے نہ آزمایا ہو مگر اسلام ایک ایسا آب حیات تھا کہ جس نے بھی چکھا وہ اس کی خاطر کٹ مرا لیکن دین اسلام سے نہیں پھرا۔

رب کائنات کی قدرت دیکھئے کہ فرعون کے گھر میں موسیٰ پرورش پاتا ہے۔ یہی حال ابو سفیان کے گھر کا ہوا۔ وہ دوسروں کو اسلام سے روکتا رہا مگر بے پناہ دنیاوی وسائل ہونے کے باوجود اپنے ہی گھر میں اپنی لاڈلی بیٹی رملہ کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے نہ روک سکا۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی کے دل و دماغ پر پہرہ نہیں بٹھایا جا سکتا۔ آذر کے گھر میں ابراہیمؑ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اسی طرح ابوسفیان کے گھر میں اس کی شادی شدہ بیٹی نے اشھد ان لا الہ الا اللہ ہد

ان محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھ کر دین اسلام کو دل و جان سے قبول کیا اور ابوسفیان دیکھتا رہ گیا۔ بیٹی نے بہانگ دہل دین اسلام قبول کیا اور حضرت محمد ﷺ کی ذات پاک کو آخری نبی ﷺ ہونے کی گواہی دی۔ باپ کا ظلم و جور اسے اس پاکیزہ اور نیک ارادے سے باز نہ رکھ سکا۔ اللہ جسے چاہے ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے۔ ابوسفیان کو جیسے ہی پتہ چلا کہ اس کی بیٹی رملہ دین اسلام کو قبول کر چکی ہے تو وہ بہت پیچ پا ہوا۔ بہت سٹپٹایا اس کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ اسے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ وہ جن قبائل کا سردار ہے اور جو لوگ اس کی سربراہی میں اسلام کے خلاف نبرد آزما ہیں انہیں کیا منہ دکھائے گا مگر خدا کی کرنی ہمیشہ ہو کر رہتی ہے۔ ابوسفیان نے بیٹی کو بہت سمجھایا۔ پیار سے، مار سے، لالچ سے، دھمکی سے مگر اس کی بیٹی رملہ اپنے والد ابوسفیان کے بار بار مطالبے کے باوجود دین اسلام پر قائم و دائم رہی۔ بڑے ظلم سہے مگر اسلام کا دامن ایک دفعہ تھاما تو تا حیات اس پر مستقل مزاجی کے ساتھ عمل کیا۔

ابوسفیان کی بیٹی رملہ دین اسلام میں داخل ہوئی تو اس کا خاوند عبید اللہ بن جحش جو پہلے ہی دین ابراہیمؑ کی تلاش میں تھا فوراً آنحضور ﷺ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اس کے دو بھائی عبداللہ بن جحشؓ اور ابواحمد بن جحشؓ بھی مسلمان ہو گئے جبکہ اس کی بہنوں زینب بنت جحشؓ اور حضرت حمنہؓ بنت جحش بھی اسلام کی نعمت عظمیٰ سے مالا مال ہوئے۔ حضرت زینب بنت جحش کو ام المومنینؓ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا جبکہ حضرت حمنہ بنت جحش مشہور و معروف صحابی حضرت مصعب بن عمیرؓ کی رفیقہ حیات بنیں اور یوں یہ خاندان خوش بخت و خوش نصیب ٹھہرا کہ اس کے اکثر افراد نے اسلام کے اس ابتدائی دور میں اسے قبول کیا جب اسلام کے ماننے والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے۔

ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے شروع میں دین اسلام کی تبلیغ خفیہ طور پر جاری رکھی۔ آہستہ آہستہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا مگر اس کی رفتار بہت کم تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان اپنے مذہب کے بدلنے کا اظہار کھلم کھلا نہیں کر سکتے تھے۔ مشرکین مکہ سے انہیں

بھلائی کی مطلقاً توقع نہ تھی بلکہ وہ تو مسلمانوں کی جان کی دشمن تھے۔ تاہم سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خفیہ طور پر تین سال تک اسلام کی تبلیغ خاموشی کے ساتھ کرتے رہے۔ اس وقت آپ ﷺ صرف قریبی رشتہ داروں، قریبی دوستوں اور قابلِ اعتماد افراد کو دعوتِ اسلام دیتے تھے۔ یوں دینِ اسلام قبول کرنے والوں کا قافلہ ایک ایک فرد کی شمولیت سے آہستہ آہستہ منزل کی جانب رواں دواں تھا۔ راستہ اگرچہ کٹھن تھا۔ دشوار گزار تھا۔ قدم قدم پر تکالیف اور پریشانیوں کے اژدھے منہ کھولے کھڑے تھے مگر رہبرِ کائنات ﷺ اور آپ ﷺ کے ماننے والوں کے پائے استقلال میں ہلکی سی جنبش بھی نہیں آتی تھی بلکہ دشمنانِ اسلام کا ظلم و ستم ان کے ارادوں میں مضبوطی اور ان کے ایمان کی پختگی کا باعث بنتا تھا۔

اعلانِ نبوت کے تین سال بعد ہادیٔ کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ربِ ذوالجلال کے حکم پر علی الاعلان تبلیغ شروع کر دی۔ پھر کیا تھا، مشرکینِ مکہ نے اذیت رسانی، مخالفت، مخاصمت اور عداوت کی انتہا کر دی۔ دشمنانِ اسلام کا صرف ایک ہی مشن تھا کہ کسی طرح دینِ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھا جائے۔ مگر روشنی کی ایک کرن بھی بہت بڑے اندھیرے کو بھگانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کی تھوڑی تعداد بھی مشرکینِ مکہ کے لیے پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی۔ وہ تو مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتے تھے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ ایک بھی مسلمان باقی نہ رہے اور اس سارے عمل اور کارروائی میں قریشِ مکہ کا سردار، حضرت رملہ کا والد اور حضرت عبید اللہ بن جحش کا سسر ابوسفیان پیش پیش تھا۔ وہ مسلمانوں کو ایذا رسانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا تاکہ اس کی سرداری قائم و دائم رہے۔

جب حالات روز بروز بگڑتے گئے اور قابو سے باہر ہو گئے تو سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ نے مسلمانوں کو ہجرتِ حبشہ کا حکم دیا۔ چنانچہ پہلا قافلہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جب ملک حبشہ پہنچا تو اس میں صرف پندرہ لوگ تھے۔ اس کے بعد دوسرا قافلہ حبشہ کو ہجرت کے لیے روانہ ہوا تو اس میں 103 افراد تھے۔ اس ہجرت کرنے والے قافلے میں اور مسلمانوں کے ہمرکاب ابو

سفیان کی بیٹی حضرت رملہؓ اور اس کا داماد حضرت عبید اللہ بن جحشؓ بھی شامل تھے۔ اس وقت حضرت رملہؓ کی عمر 23 سال تھی۔ اس قافلے میں حضرت رملہؓ سمیت 20 عورتیں شامل تھیں۔

براعظم افریقہ میں بحیرہ قلزم کے کنارے ملک یمن کے بالمقابل حبشہ واقع ہے اسے ایتھوپیا بھی کہا جاتا ہے اور بوسینیا بھی۔ ملک حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا تھا۔ حبشہ میں مذہبی آزادی تھی اور ماحول پر امن اور پر سکون تھا اس لیے معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مشیت ایزدی کے مطابق مسلمانوں کو حبشہ جانے کا حکم دیا۔ حبشہ کے لوگوں کا رویہ عربوں کے ساتھ دوستانہ تھا کیونکہ عرب کے لوگوں کی تجارت کی غرض سے حبشہ آمد و رفت جاری رہتی تھی۔

مسلمان جب وہاں پہنچے تو خوشی خوشی رہنے لگے ان کے لیے یہ ملک کوئی زیادہ اجنبی نہیں تھا۔ حبشہ کا بادشاہ ایک نیک دل، مہربان اور ہمدرد طبیعت انسان تھا۔ مسلمان جب حبشہ پہنچے تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اگر چہ انہیں اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی یاد ستاتی تھی مگر وہ دشمنان اسلام کے ظلم و ستم سے محفوظ ہو چکے تھے اور حیات مستعار کے دن سکون و اطمینان سے گزار رہے تھے۔

مشرکین مکہ کو جب یہ پتہ چلا کہ مسلمان حبشہ میں اطمینان و سکون سے رہ رہے ہیں تو انہیں بہت غصہ آیا۔ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ مسلمان ہمہ وقت پریشان رہیں۔ انہیں مسلمانوں کا سکون کب گوارا تھا۔ وہ سٹپٹا گئے اور غصے کے عالم میں اپنے دو آدمی عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجے تاکہ مسلمانوں کو واپس مکہ مکرمہ لایا جاسکے اور یوں پھر سے انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے۔ مگر حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے تمام صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد کفار کے وفد کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا اور یوں دشمنان اسلام کو اس مہم میں ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔

قیام حبشہ کے دوران حضرت عبید اللہؓ بن جحش اور حضرت رملہؓ بنت ابوسفیان کو خدائے بزرگ و برتر نے ایک حسین و جمیل بیٹی عطا کی۔ والدین نے کافی سوچ و بچار کے بعد اس کا نام حبیبہ رکھا۔ یوں حضرت رملہؓ بنت ابوسفیان کی کنیت ام حبیبہؓ مشہور ہوئی۔ اس کے بعد تمام زندگی

وہ اپنی کنیت کی وجہ سے حضرت ام حبیبہؓ ہی کہلائیں۔ آپؓ انتہائی عبادت گزار اور نیک سیرت خاتون تھیں۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتی تھیں۔ اپنی بیٹی حبیبہ کی پرورش میں از حد دلچسپی لیتی تھیں۔ گھر میں کوئی خادمہ نہیں رکھی تھی اس لیے گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں۔ جیسے ہی بیٹی کی پرورش اور گھر کے کام کاج سے فرصت ملتی تو اللہ کی یاد اور ذکر میں مشغول ہو جاتیں۔ اپنے خاوند کے سکون و آرام کا بھی بے حد خیال رکھتی تھیں۔ جو خواتین آپؓ کے ساتھ ہجرت کر کے آئی تھیں۔ ان میں آپؓ کی رشتہ دار بھی تھیں اور مسلمان ہونے کے ناطے قرابت دار بھی مگر آپؓ کے تعلقات سب سے انتہائی خوشگوار تھے۔ آپؓ سب کے دکھ سکھ میں برابر شریک ہوتی تھیں۔ ہر کسی کے غم کو اپنا غم سمجھتی تھیں اور ہر ممکن طریقے سے دوسروں کی مدد کو باعث نجات گردانتی تھیں گویا حبشہ میں حضرت ام حبیبہؓ اگرچہ دیار غیر میں تھیں لیکن دشمنان اسلام کی دست برد سے محفوظ و مامون ہونے کی وجہ سے مطمئن اور پرسکون تھیں۔

اطمینان و سکون، راحت قلب اور طمانیت ذہن کی ان خوش گوار اور پر بہار ساعتوں میں حضرت ام حبیبہؓ کی زندگی میں اچانک ایک نیا موڑ آیا۔ حالات نے انگڑائی لی اور واقعات نے نیا رخ اختیار کیا۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ حضرت ام حبیبہؓ رب کائنات کی حمد و ثنا کے بعد میٹھی اور گہری نیند سے لطف اندوز ہو رہی تھیں کہ اچانک ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ آپؓ کے شوہر حضرت عبید اللہ بن جحش کی نیند بھی کھل گئی۔ انہوں نے آپؓ سے یوں اچانک ہڑبڑا کر اٹھنے کی وجہ دریافت کی تو آپؓ نے فرمایا۔

''رب تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور دین اسلام پر قائم دائم رکھے۔ دراصل میں نے ایک بھیانک خواب دیکھا ہے جس میں مجھے آپ کا مسخ شدہ چہرہ نظر آیا ہے۔ اللہ خیر کرے۔ مجھے اس خواب کی تعبیر کچھ اچھی معلوم نہیں ہوتی۔'' مگر ان لمحات میں حضرت ام حبیبہؓ کے شوہر حضرت عبید اللہ بن جحش نے آپؓ کو تسلی دے کر نیند پوری کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ حضرت ام حبیبہؓ دوبارہ سو گئیں۔ (زرقانی، ابن سعد)

حضرت ام حبیبہؓ کے ذہن میں وہ بھیانک خواب لحہ لحہ جاگزیں رہا اور آپؓ اکثر سوچا کرتیں کہ خدا معلوم اس کی تعبیر کیا ہو۔ ایک دن آپؓ کے شوہر حضرت عبید اللہؓ بن جحش نے آپؓ کو سوچوں میں مستغرق دیکھا تو آپؓ سے پوچھا۔

''اے ام حبیبہؓ! آپ کن خیالوں میں مصروف ہیں؟''

آپؓ نے اپنے شوہر کو بتایا ''جب سے میں نے وہ بھیانک خواب دیکھا ہے میں آپؓ کے بارے میں بڑی فکر مند ہوں۔ رب کائنات آپؓ کو اپنی حفاظت اور امن وامان میں رکھے۔''

حضرت عبید اللہؓ بن جحش نے پھر آپؓ کو تسلی دی اور نیک تمناؤں کا اظہار کیا مگر اندر ہی اندر ایک وسوسہ، ایک اندیشہ اور ایک انجانا خوف حضرت ام حبیبہؓ کو بے چین اور بے کل کیے رکھتا تھا۔

حضرت عبید اللہؓ بن جحش کا حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس کافی آنا جانا تھا۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی نصرانی تھا۔ آپس کے زیادہ میل ملاقات سے حضرت عبید اللہؓ بن جحش بادشاہ نجاشی کے کافی زیر اثر آ چکا تھا۔ اچانک ایک روز حضرت ام حبیبہؓ کو یہ احساس ہوا کہ اس کا شوہر مذہب اسلام سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ انہوں نے اپنے شوہر سے اس کی وجہ پوچھی تو عبید اللہ بن جحشؓ نے صاف صاف بتا دیا۔

''اے ام حبیبہؓ! دیکھو میں پہلے نصرانی تھا۔ پھر میں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہاں حبشہ آ کر اور بادشاہ نجاشی سے ملاقات کر کے میں نے بہت غور وخوض کیا۔ آخر کار میرے دل نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ نصرانیت ہی بہتر نظریہ حیات ہے لہٰذا میں نے اسلام کو الوداع کہتے ہوئے دوبارہ نصرانیت کو قبول کر لیا ہے۔ میرا مشورہ تمہارے لیے بھی یہی ہے کہ تم بھی دین اسلام کو چھوڑ کر نصرانیت کو قبول کر لو۔ اس طرح ہم بادشاہ نجاشی کے بھی قریب ہو جائیں گے اور یہ ہمارے لیے بہتر ہو گا۔'' (المستدرک)

حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے خاوند کی زبان سے یہ باتیں سنیں تو حیران و پریشان ہو کر رہ

گئیں۔ ان کا ماتھا ٹھنکا کہ کہیں یہ ان کے خواب کی تعبیر تو نہیں۔ خواب میں جو انہوں نے خاوند کا مسخ شدہ چہرہ دیکھا تھا اس سے یہی مراد تو نہیں کہ اس کے خاوند کا اسلامی تشخص ختم ہو چکا ہے اور اس نے اپنی شناخت بدل لی ہے اور واقعی حضرت ام حبیبہؓ کو اپنے بھیانک خواب کی بھیانک تعبیر مل چکی تھی۔

حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے خاوند کو بہت سمجھایا کہ وہ دین اسلام پر ہی قائم رہے مگر اس کا چہرہ تو کیا دل بھی مسخ ہو چکا تھا۔ حضرت ام حبیبہؓ کی ہر کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ حضرت ام حبیبہ کو اس بات کا بہت رنج ہوا۔ ان پر تو گویا اک قیامت گزر گئی۔ ان کے خاوند نے شراب نوشی شروع کر دی۔ ہر لمحہ شراب کے نشے میں مدہوش رہتا۔ جام پر جام چڑھانا اس کا معمول بن گیا۔ یہ صورتحال حضرت ام حبیبہؓ کے لیے انتہائی پریشان کن اور ناقابل برداشت تھی۔ وہ سوچنے لگیں کہ اب کیا ہو گا؟ ان کو اپنا خیال آنے لگا کہ ان کا اور ان کی بیٹی کا کیا بنے گا؟ ایک دیار غیر، دوسرا شوہر دین اسلام چھوڑ کر شراب نوشی میں پڑ گیا۔ ہر وقت اسی فکر میں غلطاں و حیراں رہنے لگیں۔ حضرت ام حبیبہؓ نے رب رحمٰن و رحیم سے دعا کی ''اے میرے مالک! مجھے صبر و استقامت عطا فرما اور اس آزمائش سے نکال۔ مجھ پر لطف و کرم کی بارش برسا اور مجھے اپنی مغفرت میں لے لے''۔

ہجری کے چھٹے سال بادشاہ نجاشی نے معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعوت اسلام کو قبول کر لیا اور مسلمان ہو گیا۔ سوئے اتفاق کہ جس بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر عبید اللہ بن جحش نے اسلام چھوڑا تھا وہ خود مسلمان ہو گیا۔ اس دوران عبید اللہ بن جحش اور حضرت ام حبیبہ میں دین کی بنیاد پر کشیدگی اس قدر بڑھی کہ دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد کثرت شراب نوشی کی بناء پر عبید اللہ بن جحش فوت ہو گیا۔

اب دیار غیر میں حضرت ام حبیبہؓ بالکل تنہا رہ گئی تھیں۔ بچی کی تربیت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت، دو ہی مشغلے تھے۔ اب آپؓ رب ذوالجلال کی عبادت میں زیادہ مصروف رہنے لگیں۔ کبھی

بھی حبشہ میں موجود خواتین سے ملنے بھی چلی جایا کرتی تھیں۔ اس وقت حبشہ میں حضرت ام سلمہؓ، حضرت رقیہؓ بنت رسول ﷺ حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور دوسری عظیم المرتبت خواتین وہاں موجود تھیں تاہم آپؓ کے جو رشتہ دار ہجرت کر کے حبشہ آئے ہوئے تھے وہ سب واپس مکہ مکرمہ چلے گئے تھے۔

حضرت ام حبیبہؓ کے دو بھائی اور چار بہنیں تھیں۔ اس کا حقیقی بھائی یزید بن ابوسفیان تھا۔ اس کا دوسرا باپ شریک بھائی معاویہ بن ابوسفیان تھا۔ اس کی چاروں بہنیں باپ شریک تھیں۔ ان کے نام جویریہ، فارعہ، ام حکیم اور میمونہ تھے۔ جویریہ، فارعہ اور ام حکیم کی والدہ کا نام ہند بنت عتبہ تھا جبکہ میمونہ کی ماں کا نام حبابہ بنت ابی العاص تھا۔ حضرت ام حبیبہ کا باپ ابوسفیان اسلام دشمن انسان تھا۔ وہ مسلمانوں کی بیخ کنی کرنا چاہتا تھا۔ قبول اسلام سے قبل وہ ایک ضدی شخص تھا اور ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ کب اور کیسے مسلمانوں کو تکلیف واذیت دی جائے۔

اس صورتحال میں حضرت ام حبیبہؓ باپ اور بہن بھائیوں کے ہوتے ہوئے بھی کسی کے پاس نہیں جاسکتی تھیں کیونکہ آپ مسلمان تھیں۔ حضرت ام حبیبہ کو یہ اطلاعات ملتی رہتی تھیں کہ اس کا باپ ابوسفیان غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کے خلاف انتہائی غصے، بغض اور کدورت کے جذبات واحساسات رکھتا ہے۔ ابوسفیان مسلمانوں کے خلاف انتقام کی آگ میں ہر لحظہ جلتا رہتا تھا۔ وہ اسلام دشمنی میں اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ اپنی بیٹی ام حبیبہؓ سے بھی بے خبر تھا جو حبشہ میں بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں انتہائی کٹھن دن گزار رہی تھی۔

حضرت ام حبیبہؓ کی زندگی نے اس وقت ایک دشوار گزار موڑ لیا تھا جب آپؓ کو ایک بھیانک خواب آیا تھا۔ ایک اور خواب حضرت ام حبیبہؓ نے ان کٹھن اور ناخوش گوار حالات میں بھی دیکھا۔ آپؓ ایک رات محو استراحت تھیں کہ خواب دیکھتی ہیں کہ کسی نے آپ کو "ام المومنین" کہہ کر پکارا ہے۔ آنکھ کھلی تو طبعیت پر خوش گوار اور دل پذیر اثرات مرتب ہوئے۔ رگ وپے میں

خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی اور انگ انگ انبساط سے بھر گیا۔

ان دنوں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر چکے تھے۔ اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔ ایک روز کسی نے رسول رحمت حضرت محمد مصطفی ﷺ کو حبشہ میں آباد مہاجرین کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا۔

"یارسول اللہ ﷺ! ابوسفیان کی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ انتہائی مشکل اور کٹھن حالات سے دوچار ہے۔ رئیس خاندان کی چشم و چراغ کسمپرسی کے دن گزار رہی ہے۔ اس کا قصور محض اتنا ہے کہ اس نے دین اسلام کو دل و جان سے قبول کر لیا ہے۔ خاوند مرتد ہو کر فوت ہو چکا ہے۔ گود میں ایک چھوٹی سی بچی ہے لیکن صبر و استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کر رہی ہے۔ رشتہ دار بھی اس کی خبر نہیں لیتے کیونکہ وہ مسلمان ہے۔ وہ ہماری امداد اور اعانت کی مستحق ہے۔"

رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفی ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ کی حالت زار بارے سنا تو آپ ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ کی مدد اور دادرسی کے لیے بے نظیر و بے مثال ترکیب سوچی۔ آپ ﷺ نے اپنے ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کو شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں ایک مراسلہ دے کر روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے اس مراسلے میں لکھا تھا کہ اگر ام حبیبہؓ پسند کرے تو اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیا جائے۔

حبشہ کے حکمران نجاشی کا اصل نام اصحمہ تھا جس کے معنی ہیں عطیہ۔ چونکہ اصحمہ ضرورت مندوں کو وافر مقدار میں عطیات دیا کرتا تھا۔ اس لیے اسم بامسمیٰ تھا۔ زندگی بھر اپنی رعایا سے ہمدردی سے پیش آیا۔ اس نے چونکہ اسلام قبول کر لیا تھا اس لیے مہاجر مسلمانوں کے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ اچھے برتاؤ کے ساتھ پیش آتا تھا۔ جب حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ نے حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر محبوب رب العالمین حضرت محمد ﷺ کا مراسلہ پیش کیا تو وہ قاصد کے ساتھ انتہائی شفقت و مروت کے ساتھ پیش آیا اور اس کی خاطر داری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی نے سرورِ کائنات ﷺ کے مراسلے کا بغور مطالعہ کیا اور اپنی کنیز ابرہہ کو بلوایا۔ بادشاہ نجاشی نے ابرہہ کو تمام بات سمجھائی اور حکم دیا کہ وہ حضرت ام حبیبہؓ سے محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ نکاح کرنے کا عندیہ معلوم کرے۔ کنیز کی بات سنتے ہی حضرت ام حبیبہؓ کے رگ و پے میں خوشی اور مسرت وانبساط کی لہر دوڑ گئی۔ آپؓ کو کچھ بجھائی نہ دے رہا تھا کہ اس بے حد و حساب خوشی کا اظہار کس انداز میں کیا جائے۔ آپؓ نے سب سے پہلے رب رحمٰن و رحیم کا شکر ادا کیا اور بادشاہ نجاشی کی کنیز ابرہہ کو کہا۔

''اللہ تیری زبان مبارک کرے۔ میں کس طرح تیرا شکریہ ادا کروں کہ تو نے مجھے اتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے۔'' حضرت ام حبیبہؓ اس قدر خوش ہوئیں کہ آپؓ نے اسی وقت اپنے چاندی کے کنگن، پازیب اور انگوٹھیاں اتار کر کنیز ابرہہ کو پہنا دیں۔ کنیز ابرہہ نے واپس جا کر بادشاہ نجاشی کو حضرت ام حبیبہؓ کی بہ رضا و رغبت اور بخوشی و مسرت آنحضور ﷺ کے پیغام کی قبولیت کی اطلاع دی مگر اس سے پہلے واپس جاتے ہوئے بادشاہ نجاشی کی کنیز ابرہہ نے حضرت ام حبیبہ کو بادشاہ نجاشی کا یہ پیغام بھی پہنچایا کہ وہ نکاح کے لیے اپنا کوئی وکیل نامزد کر دیں۔ حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے قریشی رشتہ دار خالد بن سعید بن عاصؓ اموی کو اپنا وکیل مقرر فرمایا اور یوں یہ رشتہ طے ہو گیا۔

جس روز صبح کے وقت حضرت ام حبیبہؓ کے پاس کنیز ابرہہ کو بھیج کر آپؓ کی رضامندی حاصل کی گئی اسی روز شام کے وقت حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو پیغام دیا کہ اپنے تمام مسلمان احباب کو لے کر میرے پاس تشریف لائیں۔ جب شام ہوئی تو حسب دعوت تمام پناہ گزین مسلمان شاہی محل میں جمع ہو گئے۔ اس وقت ایک عجیب سماں تھا۔ بادشاہ نجاشی خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا تھا کہ اس کے دربار میں دو جہانوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نکاح حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ اس کے ہاتھوں انجام پذیر ہو رہا تھا۔ اس کے لیے یہ بہت بڑی خوش بختی تھی کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وکیل کی حیثیت سے تاریخ کی

بہت بڑی سعادت سے فیض یاب ہو رہا تھا جبکہ حضرت ام حبیبہؓ کو اپنے نیک خواب کی تعبیر مل رہی تھی۔

اس موقع پر حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے نکاح کی محفل میں کھڑے ہو کر خود خطبہ نکاح پڑھا جس میں اس نے کہا:

''خداوند قدوس اور خدائے غالب اور عزیز و جبار کی حمد و ستائش ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق ہیں اور آپ ﷺ وہی نبی ہیں جن کی حضرت عیسیٰ بن مریم نے بشارت دی تھی! امابعد! رسول اللہ ﷺ نے مجھے تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ ﷺ کا نکاح حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان سے کر دوں۔ میں نے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ ﷺ کا نکاح حضرت ام حبیبہؓ سے کر دیا اور چار صد دینار مہر مقرر کیا۔''

حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے خطبہ کے فوراً بعد چار سو دینار حضرت حبیبہؓ کے وکیل خالد بن سعیدؓ اموی کے حوالے کر دیئے۔ اس کے بعد خالد بن سعیدؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ رب العزت کے برگزیدہ بندے اور اس کے رسول برحق ہیں جن کو رب کائنات نے ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

امابعد! میں نے سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کے پیام کو قبول کیا اور حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان کی شادی آپ ﷺ سے کر دی۔ اللہ تعالیٰ یہ شادی رسول اللہ ﷺ کے لیے باعث برکت بنائے''۔

اس طرح یہ نکاح انجام پذیر ہوا۔ نکاح کے اختتام پر لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو

نجاشی نے کہا'' ابھی تشریف رکھئے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہیے۔ چنانچہ پرتکلف کھانا لگایا گیا اور سب نے سیر ہو کر کھایا۔ اس کے بعد سب لوگ رخصت ہوئے۔ یوں حضرت ام حبیبہؓ کو رب کریم ورحیم کے فضل وکرم سے ام المومنینؓ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

جب مہر کی رقم چار سو دینار حضرت ام حبیبہؓ کے پاس پہنچی تو آپؓ نے خوشخبری دینے والی کنیز ابرہہ کو اپنے پاس بلایا وہ خوشی خوشی آپؓ کے پاس آئی۔ حضرت ام حبیبہؓ نے اس سے کہا۔

'' پہلے میں نے تمہیں جو چند معمولی تحائف دیئے تھے اس وقت میرے پاس ان اشیاء کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اب باری تعالیٰ نے میرے لیے مالی وسائل مہیا کر دیئے ہیں۔ یہ پچاس دینار اور لے لو۔ اپنی مرضی کا زیور اور کپڑے بنا لینا۔''

کنیز ابرہہ نے یہ بات سنتے ہی ایک تھیلی ام المومنینؓ حضرت ام حبیبہؓ کی خدمت میں پیش کی جس میں اعلیٰ قسم کی خوشبو اور وہ زیور تھا جو اسے ایک روز پہلے حضرت ام حبیبہؓ نے بطور تحفہ دیا تھا۔ کنیز نے انتہائی مؤدبانہ لہجہ میں عرض کی:

'' اے ام المومنینؓ! بادشاہ سلامت نجاشی نے اپنی بیگمات کو حکم دیا کہ جو خوشبو وہ استعمال کرتی ہیں وہ سب اکٹھی کر کے رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت ام حبیبہؓ کو بھیج دو۔ لہٰذا میرے ذمے یہ کام سپرد کیا گیا ہے کہ یہ قیمتی تحفہ آپؓ کی خدمت میں پیش کروں اور ساتھ ہی یہ آپؓ کا عطا کردہ زیور مجھ غریب کی طرف سے بطور تحفہ قبول فرمائیے اور یقین کیجئے کہ میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروہو چکی ہوں اور دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں۔ میں اس وقت آپؓ کی خدمت میں ایک گزارش کرنا چاہتی ہوں کہ آپؓ جب پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس جائیں تو میرا ان کی خدمت میں سلام ضرور عرض کرنا۔ دیکھئے وہاں پہنچ کر یہ بات کہیں بھول نہ جانا۔ مجھ پر یہ آپ کا بہت بڑا احسان ہو گا''۔

چنانچہ حضرت ام حبیبہؓ فرماتی ہیں'' جب میں مدینہ منورہ سرور کائنات ﷺ کے

پاس پہنچی تو میں نے کنیز ابرہہ کا سلام رسول رحمت ﷺ تک پہنچایا۔ جواب میں شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا علیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" (زرقانی، ابن الجوزی)

آنحضور ﷺ کے حضرت حبیبہؓ سے نکاح کے بعد بادشاہ حبشہ نجاشی مسلمانوں کی پہلے سے بھی زیادہ قدر ومنزلت کرتا تھا اور ان کی تمام ضروریات پوری کرتا تھا۔ حضرت ام حبیبہؓ ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ سے حبشہ آئی تھیں اور مسلسل تیرہ سال تک حبشہ مقیم رہیں۔ اب آپؓ حبشہ سے مدینہ منورہ جارہی تھیں۔ شاہ حبشہ نے تمام مسلمانوں کی واپسی کا بندوبست کردیا تھا۔ مسلمان مہاجرین کے واپس جانے والے قافلے میں سولہ افراد تھے۔ ان میں حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ آپ کی بیٹی حبیبہ بھی تھیں۔ شاہ حبشہ نے ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کو انتہائی تعظیم وتکریم کے ساتھ رخصت کیا۔ بادشاہ نجاشی نے حضرت ام حبیبہؓ کی خصوصی دیکھ بھال اور خدمت گزاری کے لیے حضرت شرجیل بن حسنہ کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ اور اس قافلے کا سردار حضرت جعفر بن طیارؓ کو بنادیا۔

حبشہ سے کشتیاں مدینہ منورہ کی بندرگاہ کے لیے روانہ ہوئیں۔ جب بندرگاہ پر پہنچیں تو وہاں سے تمام مسلمان اونٹوں پر سوار ہو کر شہر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ تیرہ سال کی مسافری اور غریب الوطنی کے بعد حضرت ام حبیبہ بحیثیت ام المومنینؓ مدینہ منورہ پہنچیں۔ ان دنوں آنحضور ﷺ غزوہ خیبر کے لیے مدینہ منورہ سے خیبر گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں حضرت ام حبیبہؓ اپنے شوہر نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد کا انتظار کرنے لگیں۔

جب حضرت ام حبیبہؓ حرم نبوی میں داخل ہوئی تو ان سے پہلے ازواج مطہراتؓ حضرت سودہ بنت زمعہؓ، حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیقؓ، حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش اور حضرت جویریہ بنت حارثؓ موجود تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ کا باپ ابوسفیان اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ وہ غزوۂ خندق میں ذلت آمیز شکست کا تازہ زخم کھا چکا تھا۔ اس کے جسم کے خون کا ایک ایک قطرہ اسلام دشمنی میں مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کے لیے

بے تاب تھا کہ ان حالات میں اسے کسی نے خبر دی" اے ابوسفیان! تو کس گمان میں مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے ہے۔ ذرا اپنے گھر کو تو سنبھال۔ تیری حقیقی بیٹی رملہ نے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے شادی کر لی ہے"۔

ابوسفیان پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا" یہ میں کیا سن رہا ہوں! میں نے کیا سوچا تھا اور میرے ساتھ ہو کیا رہا ہے! جسے میں نے صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے منصوبے بنائے تھے اسی کے گھر میری لخت جگر رفیقہ حیات کی حیثیت سے پہنچ چکی ہے۔ اب میرے پاس رہ کیا گیا ہے! آخر یہ سب کچھ سننے کے لیے میں کیوں زندہ ہوں! اب میں کس منہ سے مسلمانوں کے خلاف میدان میں اتروں گا! میں اپنے قبائل کا سردار ہوتے ہوئے لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گا! افسوس! صد افسوس!"

ابوسفیان کافی دیر تک کف افسوس ملتا رہا۔ پھر خود ہی خود کلامی کے انداز میں بولا" یہ حقیقت تو تسلیم کرنا پڑے گی کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) ایک ایسا پرکشش نوجوان ہے۔ جو ہمیشہ سے سربلند ہے۔ کامیابی و کامرانی میدان میں اس کے قدم چومتی ہے۔ اب جبکہ میری بیٹی اس کی بیوی بن گئی ہے تو اب کیا ہو سکتا ہے! میری بیٹی جہاں رہے خوش اور شاد و آباد رہے!"

صلح حدیبیہ کی تجدید کے سلسلے میں ایک روز ابوسفیان مدینہ منورہ آیا۔ سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے گھر گیا۔ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان نے جب اس بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے فوراً وہ بستر لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔ ابوسفیان نے کہا۔

"اے میری بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ میں اس پر بیٹھوں؟"

حضرت ام حبیبہؓ نے غیرت ایمانی کے جوش میں بلاجھجک اپنے والد کو جواب دیا:

"یہ بستر اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا ہے اور تم مشرک اور ناپاک ہو۔ اس لیے

میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ تم اللہ کے رسول ﷺ کے پاک بستر پر بیٹھو"۔

ابو سفیان اپنی سگی بیٹی کا ایسا خلاف توقع جواب سن کر ششدر رہ گیا۔ اس نے کہا "اے بیٹی! جب سے تو مجھ سے جدا ہوئی ہے تو نے شر کا راستہ اختیار کر لیا ہے"۔

حضرت ام حبیبہؓ نے فرمایا "میں نے شر کا راستہ نہیں بلکہ خیر کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ابا جان! آپ تو قریش کے سردار اور مکہ کے رئیس ہیں۔ میں حیران ہوں کہ اتنی دانش، عقل، فہم و فراست کا مالک ہونے کے باوجود آپ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا۔ آپ ایک خدا کی بجائے اندھے بہرے خود ساختہ پتھروں کی پوجا کر رہے ہیں۔" ابو سفیان نے اپنی بیٹی کی زبان سے یہ باتیں سن کر کہا۔

"کیا میں اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دوں؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے!" اس کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی دلی تمنا اور ذاتی خواہش تھی کہ کاش اس کا باپ اور بھائی دائرہ اسلام میں داخل ہو کر دنیا اور آخرت کی سرخروئی حاصل کر لیں اور جنت کے حق دار ٹھہریں۔ لیکن جب فتح مکہ کے موقع پر ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے والد ابو سفیان، بھائی امیر معاویہ اور بعد ازاں یزید بن ابی سفیان نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت ام حبیبہؓ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر 7 حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان کی رسول مکرم ﷺ کے ساتھ شادی کے موقع پر نازل ہوئی چونکہ اس مبارک شادی کی وجہ سے ابو سفیان، امیر معاویہ اور یزید بن ابی سفیان رسول رحمت ﷺ کے حلقہ عقیدت میں شامل ہوئے۔ اس آیت میں ارشاد ربانی ہے:

"یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم اس کی رضا کی خاطر دشمنی رکھتے ہو، محبت پیدا فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم

ہے"۔ (طبقات ابن سعد، دلائل النبوۃ)

مسلمان ہو جانے کے بعد حضرت ابوسفیانؓ ایک بالکل نئے انسان بن چکے تھے۔ نڈر اور دلیر تو وہ پہلے ہی تھے اب قوت ایمانی ان کی شخصیت میں شامل ہوئی تو وہ کندن بن گئے۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے والد حضرت ابوسفیانؓ کی ایک آنکھ جنگ طائف میں ضائع ہوئی جبکہ دوسری آنکھ جنگ یرموک میں ضائع ہوئی اور یوں حضرت ابوسفیانؓ نے مسلمان ہو کر دین اسلام کے لیے جان و مال ہمہ قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اس سے حضرت ام حبیبہؓ کو از حد خوشی ہوتی تھی۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی بیٹی حبیبہ کی پرورش سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی بیٹی کی طرح محبت و شفقت کے ساتھ کی۔ جب حبیبہؓ اس قابل ہو گئیں کہ ان کی شادی کر دی جائے تو ساقی کوثر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے ایک صحابی جو قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتے تھے اور جن کا نام حضرت داؤد بن عروہ بن مسعودؓ تھا، سے حضرت حبیبہؓ کی شادی کرا دی۔ حضرت داؤدؓ کے والد حضرت عروہ بن مسعودؓ اپنے قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم تھے۔

جب ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا وصال ہوا تو ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔ ان کی ازدواجی زندگی کے صرف چار سال ہی گزرے تھے کہ وہ بیوہ ہو گئیں۔ ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وصال کے بعد ان کے روحانی بیٹوں نے ان کا دوسری امہات المومنینؓ کی طرح بہت خیال رکھا۔ اور ان کی ضروریات پوری کرتے رہے۔

جب حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں دشمنوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور ان کے کھانے پینے کا سامان پہنچانے کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی تھی تو ان لمحات جاں گداز میں ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ بے چین اور بے قرار ہو گئیں۔ ان سے یہ سب زیادتیاں دیکھی نہ گئیں۔

چنانچہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ایک خچر پر سوار ہو کر پانی کا مشکیزہ اور کچھ کھانا لے کر

حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کی طرف چل پڑیں۔ دشمنوں نے انہیں دیکھ لیا تو آگے بڑھنے سے سختی سے منع کر دیا۔ آپؓ واپس گھر چلی گئیں لیکن آپؓ کو اس بات کا بہت ملال اور دکھ رہا۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ علم وفضل اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے پر فائز تھیں۔ امہات المومنینؓ میں علم حدیث کے حوالے سے تیسرے درجے پر فائز تھیں کیونکہ پہلا درجہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دوسرا درجہ حضرت ام سلمہؓ کا تھا۔ حضرت ام حبیبہؓ سے 65 احادیث مروی ہیں۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ اپنے شوہر نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات پر پابندی سے عمل کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ''جو شخص دن رات میں بارہ رکعت نوافل پڑھ لے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔'' آنحضور ﷺ کی اس حدیث کو سننے کے بعد حضرت ام حبیبہؓ نے کبھی یہ نوافل ترک نہیں کیے۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے وفات سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ ہمارے درمیان بعض اوقات کسی بات پر اختلاف بھی ہو جایا کرتا تھا۔ میں آپؓ سے معافی چاہتی ہوں۔ اللہ کے لیے مجھے معاف کر دیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ یہ پیغام سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں نے ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے 44 ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ ان کی عمر انتقال کے وقت 74 سال تھی۔ (الاستیعاب، اسد الغابہ، انساب الاشراف، عیون الاثر)

حضرت
صفیہؓ بنت حیی

حضرت صفیہؓ بنت حیی

جس شمع رسالت نے غار حرا سے اپنی پاکیزہ روشنی کا سفر آغاز کیا تھا۔ جس آوازِ حق نے کوہ صفا کی بلند و بالا چوٹیوں پر اپنی گونج سے قریش مکہ کو چونکا دیا تھا۔ جس خوشبوئے نبوت نے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے مسکن سے چار دانگ عالم میں پھیلنے کی ابتداء کی تھی اس شمع رسالت، اس آوازِ حق اور اس خوشبوئے نبوت کو بجھانے، دبانے اور مٹانے کے لیے اہل مکہ نے گھناؤنی سازشیں اور قتل و غارت کی تدبیریں شروع کیں تو رب ذوالجلال کے حکم پر ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر شہر یثرب پہنچے تا کہ اسے دین اسلام کی تابنا کیوں، ضیاء پاشیوں اور جلوہ سامانیوں سے منور کر کے مدینہ منورہ میں بدل دیں۔ مگر چونکہ بقول اقبال

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

اس لیے مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہونے کے بعد آنحضور ﷺ کو یہاں بھی دشمنان اسلام کی ناپاک جسارتوں سے واسطہ پڑا جن کا قلع قمع کرنا فروغ دین اسلام کے لئے از حد ضروری تھا کیونکہ سرفروشان اسلام سردار الانبیا، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سربراہی میں اگر بروقت ایسا نہ کرتے تو دین اسلام کی اشاعت کے لیے انہوں نے جو مصائب و تکالیف برداشت کی تھیں وہ نہ صرف رائیگاں جاتیں بلکہ مدینہ منورہ میں جانثاران اسلام کی حالت اس سے بھی بدتر ہو جانے کا اندیشہ تھا جس صورت حال میں وہ مکہ معظمہ میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی

کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں شہروں کے دشمنان اسلام آپس میں گٹھ جوڑ کر لیتے اور یوں اشاعت اسلام کے تمام راستے مسدود کر دیئے جاتے مگر سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بروقت فکری اور عسکری تدابیر نے دشمنان اسلام کے تمام خطرناک عزائم خاک میں ملا دیئے۔

یہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دفاعی اور عسکری تدبیر تھی کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قدم جماتے ہی وہاں کے مختلف قبائل سے معاہدے کئے۔ ان معاہدوں کی رو سے ان قبائل کو مذہبی آزادی تھی۔ ان کے جان و مال کا تحفظ مسلمانوں کی ذمہ داری تھی جب کہ ان قبائل نے ضرورت پڑنے پر مسلمانوں کے شانہ بشانہ کسی بھی دشمن کے خلاف دفاع میں ساتھ دینا تھا اور ہمہ قسم کا تعاون کرنا تھا۔

مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے بڑے نامور اور نمایاں مقام کے حامل تھے۔ ان میں ایک قبیلہ بنو قینقاع کے نام سے مشہور تھا جب کہ دوسرا بنو نضیر کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔ ان دونوں قبائل نے مدینہ منورہ کے دوسرے تمام چھوٹے قبائل کو اپنے زیر اثر رکھا ہوا تھا اور وہ قبیلے ان کے ہی اشاروں پر چلتے تھے۔

جہاں تک یہودیوں کے قبیلہ بنو قینقاع کا تعلق ہے اس قبیلہ کے افراد زیادہ تر کھیتی باڑی اور صنعت و حرفت کے پیشوں سے منسلک تھے۔ یہ لوگ لوہا، سونے کے زیورات اور برتنوں کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے تاہم انہیں اسلحہ سازی کی صنعت میں خاص مہارت حاصل تھی۔ اپنی اس مہارت اور ہنر مندی سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے انہوں نے اپنے قبیلہ کے سات سو جوانوں کو ہمہ قسم کے اسلحہ سے لیس کر کے ایک بھرپور فوج تیار کی۔

بنو قینقاع کے قبیلہ کا یہ فوج تیار کرنے کا واحد مقصد مسلمانوں سے غزوۂ بدر کی شکست کا بدلہ لینا تھا۔ اگرچہ قبیلہ بنو قینقاع نے مسلمانوں سے معاہدہ کیا ہوا تھا مگر وہ اس معاہدہ کو دل سے قبول نہیں کرتے تھے اور خفیہ طور پر سازش کر رہے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں پر بلہ بول کر ان کا صفایا کر دیا جائے کیونکہ انہیں اپنی افرادی قوت، جنگی صلاحیت اور اسلحہ کی فراوانی پر گھمنڈ تھا۔ وہ

اپنی طاقت کے نشے میں اس قدر مست ہوئے کہ عہد شکنی پر اتر آئے اور مسلمانوں سے کیے گئے معاہدے کو مٹانے کی تدبیریں کرنے لگے۔

پہلی تدبیر کے طور پر انہوں نے مسلمانوں کو برانگیختہ کرنے کے مسلمان عورتوں سے بدتمیزی کرنا شروع کی۔ یہ صورتحال مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت اور غیرت کا سوال بن گئی۔ آخر ایک دن مسلمانوں اور یہودیوں کی اس مسئلے پر جھڑپ ہوگئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ طرفین سے ایک ایک آدمی کو جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اب فساد مزید بڑھنے کا خطرہ تھا۔ یہودی قتل اور غارت گری پر تلے ہوئے تھے۔ جیسی کشیدہ اور نازک فضا وہ چاہتے تھے پیدا ہو چکی تھی۔ ادھر مسلمان اگرچہ کافی صبر و تحمل کا مظاہرہ کر رہے تھے مگر یہودیوں کے سروں پر خون سوار تھا۔ وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے۔ بہانہ ان کے ہاتھ آ چکا تھا۔ صورت حال بھی بگڑ چکی تھی اور خطرہ تھا کہ کوئی بڑا معرکہ وقوع پذیر ہونے والا ہے۔

اس نازک صورتحال کو سلجھانے کے لیے خلق مجسم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارادہ کیا کہ قبیلہ بنوقینقاع کے سرکردہ افراد سے بات کر کے معاملات طے کر لیے جائیں۔ چنانچہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خود بنفس نفیس چل کر بنوقینقاع کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے یہودیوں کو تنبیہ کی اور معاہدہ کی یاد دہانی کرائی مگر یہودیوں کو اپنے قوت بازو پر ناز تھا۔ وہ بدمست ہاتھی کے طرح بپھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے رحمتہ للعالمین ﷺ کی کسی بات پر مطلقاً کوئی توجہ نہ دی۔ اور آپ ﷺ کی تمام باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیں۔

ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ یہودیوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی اور یہ کہ وہ ہر حال میں اپنی من مانی کرتے ہوئے مسلمانوں سے برسرپیکار ہونے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں۔ انہیں اپنے ہی کیے گئے معاہدے کا بھی پاس نہیں تو ایسی صورت حال میں سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جانثاران اسلام کو حکم دے دیا کہ وہ بنوقینقاع

کے یہودیوں کے علاقے کو محاصرے میں لے لیں۔ تعمیل ارشاد نبوی ﷺ میں سرفروشان اسلام نے قبیلہ بنو قینقاع کے یہودیوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ دو ہفتے جاری رہا۔ آخر کار یہودیوں کو شکست تسلیم کرنا پڑی اور ان کا تمام گھمنڈ اور غرور جاتا رہا۔ رب کائنات نے مسلمانوں کو بغیر مقابلہ کئے فتح سے ہمکنار کیا۔

اب سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مسلمانوں کی فتح و نصرت کے بعد اپنی ماہرانہ عسکری تدبیر بروئے کار لاتے ہوئے انتہائی دانشمندانہ اور اہم فیصلہ صادر فرمایا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ بنو قینقاع کے یہودی اپنے مال و متاع اور تمام اسلحہ مدینہ منورہ میں چھوڑ کر فوری طور یہاں سے نکل جائیں کیونکہ اگر آپ ﷺ اس وقت اس حکمت عملی سے کام نہ لیتے تو مستقبل میں یہودیوں نے پھر سر اٹھانا تھا۔ لہذا آپ ﷺ نے اس جھگڑے کا مستقل خاتمہ کرنے کا لیے بہترین فراست اور اعلیٰ انتظامی صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ مدینہ منورہ سے بنو قینقاع کے یہودی جلاوطن کر دیئے گئے۔ جلاوطنی کے بعد بنو قینقاع نے ملک شام کا رخ کیا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

مدینہ منورہ میں مقیم یہودیوں کے دوسرے بڑے قبیلے بنو نضیر نے بھی مسلمانوں کے ساتھ بنو قینقاع کی طرح اگرچہ معاہدہ کیا ہوا تھا مگر وہ بھی ہر وقت اس موقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس طرح مسلمانوں کو ذلیل و رسوا کیا جائے۔ جنگ بدر کا بدلہ لیا جائے اور انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کیا جائے۔ ان لوگوں کی زیادہ تعداد وادی بطحان میں مقیم تھی جو مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ ان لوگوں نے مدینہ منورہ کے سرسبز و شاداب علاقوں پر قبضہ جمایا ہوا تھا۔ اگرچہ بنو نضیر نے بنو قینقاع کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر اسلام دشمنی اور جوش انتقام میں ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ بنو نضیر کے لوگ کینہ پرور تھے اور سازشی دماغ رکھتے تھے۔ وہ اپنی فطرت سے مجبور تھے۔ تمام تر صورت حال کی نزاکت کے باوجود فراست نام کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں تھی۔

بنو نضیر کے لوگوں نے رہبر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس کو خاص

طور پر ہدف تنقید بنایا ہوا تھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف اور سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلاتے تھے۔ طعن زنی کرتے تھے۔ دشنام طرازی سے کام لیتے تھے۔ اغو باتیں بناتے تھے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے ہر ممکن تدبیر آزماتے تھے۔

قبیلہ بنی نضیر کے سردار کعب بن اشرف کی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے بڑی دوستی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کعب بن اشرف نہ صرف مدینہ منورہ میں مسلمانوں اور آنحضور ﷺ کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کرتا تھا بلکہ مکہ مکرمہ جا کر قریش کو بھی بھڑکاتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف ہجویہ اور لغو اشعار بھی کہتا تھا۔ جب اس کی حرکات انتہائی ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئیں تو مسلمان غیرت ایمانی سے بے قابو ہو گئے۔ آخر ایک روز کعب بن اشرف کو صحابی رسول ﷺ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے تہ تیغ کر ڈالا۔

قبیلہ بنی قینقاع کی جلاوطنی اور قبیلہ بنو نضیر کے سردار کعب بن اشرف کے قتل کے بعد کچھ مدت تک تو یہودیوں نے چپ سادھ لی مگر ان کی یہ خاموشی محض ظاہری تھی۔ خفیہ طور پر وہ مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف رہے اور خبث باطن سے نجات حاصل نہ کر سکے۔ کعب بن اشرف کے قتل کے بعد یہودیوں نے حی بن اخطب کو اپنا سردار بنا لیا اور اس کی سربراہی میں مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔

حالات نے کچھ ایسا رخ بدلا کہ قبیلہ بنو نضیر اور مسلمانوں کے تعلقات کشیدہ سے کشیدہ تر ہوتے گئے۔ اس صورتحال میں ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے سوچا کہ قبیلہ بنو نضیر جا کر وہاں کے سرکردہ افراد سے گفت و شنید کی جائے تاکہ حالات سدھر جائیں کیونکہ دین اسلام سلامتی کی تعلیم دیتا ہے اور لڑائی جھگڑے سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اچھی اور صلح جو سوچ کے ساتھ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قبیلہ بنو نضیر پہنچے۔

قبیلہ بنو نضیر کے سرکردہ افراد کو جب امام کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے رسالت مآب ﷺ کو شہید کرنے کا گھناؤنا، ناپاک اور گھٹیا منصوبہ بنایا۔ ان

کی منصوبہ بندی یہ تھی کہ آنحضور ﷺ کو باتوں میں مصروف کر کے مکان کی چھت سے ایک بھاری پتھر لڑھکا دیا جائے۔ یہ کام انہوں نے ایک شخص عمرو بن جحش کے ذمہ لگایا۔

آنحضور ﷺ جیسے ہی قبیلہ بنو نضیر کی بستی میں پہنچے تو انہوں نے آپ ﷺ کو ایک مکان کی دیوار کے ساتھ بیٹھنے کو کہا اور مذاکرات شروع کر دیئے۔ اس سے پہلے کہ یہودی عمرو بن جحش کے ذریعے بھاری پتھر آپ ﷺ پر پھینکنے میں کامیاب ہوتے رب کائنات نے اپنے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کو وحی کے ذریعے یہودیوں کی تمام تر سازش سے آگاہ کر دیا۔ سرور کائنات ﷺ نے اسی لمحے وہاں سے رخصت چاہی اور سیدھے مدینہ منورہ شہر میں تشریف لے گئے۔ یہودیوں کا ناپاک منصوبہ ناکام ہو چکا تھا۔ وہ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ یکدم وہاں سے واپس کیوں تشریف لے گئے۔

ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی فوری طور پر قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب کو بلا بھیجا۔ جب حیی بن اخطب دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اسے بتایا کہ "مجھے یہودیوں کی گھناؤنی سازش کا بروقت علم ہو گیا تھا اس لیے میں وہاں سے مدینہ منورہ واپس چلا آیا"۔

حیی بن اخطب یہ سن کر حیران و ششدر رہ گیا۔ اس نے آنحضور ﷺ سے پوچھا "آپ ﷺ کو یہودیوں کی سازش قتل کی اطلاع کس نے دی؟"

رہبر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا "مجھے یہ اطلاع میرے رب نے اپنے مقرب فرشتے حضرت جبرئیل کے ذریعے دی۔"

اس پر حیی بن اخطب نے کہا "میں اقرار کرتا ہوں کہ واقعی ہم نے یہ ناپاک سازش تیار کی تھی"۔

جب قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے اپنی بھیانک سازش اور عہد نامہ سے غداری کا اقرار کر لیا تو ہادی کون و مکاں کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قبیلہ بنو قینقاع کی

طرح بنونضیر کو بھی انتہائی دانشمندی اور فراست کا ثبوت دیتے ہوئے حکم دیا۔

''آپ لوگ دس دن کے اندر اندر مدینہ منورہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں''۔

قبیلہ بنونضیر کے سردار حی بن اخطب نے واپس جا کر آنحضور ﷺ کا حکم اپنے قبیلہ کے افراد کو سنایا۔ وہ لوگ ابھی کوچ کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ مکہ مکرمہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا پیغام پہنچا۔

''تم لوگ یہاں سے کسی صورت کوچ نہ کرو بلکہ مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کرو۔ میں دو ہزار جوانوں کی فوج کے ساتھ آپ لوگوں کی مدد کے لیے آرہا ہوں''

قبیلہ بنونضیر کے افراد کو جیسے ہی عبداللہ بن ابی کا پیغام ملا تو انہوں نے مدینہ منورہ چھوڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ عبداللہ بن ابی کا بیان تو جھوٹ اور لغو تھا۔ وہ تو محض قبیلہ بنونضیر کو مسلمانوں سے لڑانا چاہتا تھا ورنہ اس نے مدد کے لیے کہاں آنا تھا۔ البتہ بنونضیر کے یہودی عبداللہ بن ابی کے فریب میں آگئے اور انہوں نے امام کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو کہلا بھیجا۔

''ہم کسی صورت بھی مدینہ منورہ سے نہیں نکلیں گے۔ ہم یہاں برسوں سے رہ رہے ہیں اور صدیوں تک یہیں رہیں گے۔'' ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے یہودیوں کا یہ نافرمانی سے لبریز جواب سنا تو آپ ﷺ نے فوری طور پر جانثاران اسلام کو حکم دیا ''اے مسلمان مجاہدو ! آگے بڑھ کر بنونضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔''

چنانچہ تعمیل حکم رسالت مآب ﷺ میں اسلامی لشکر نے بنونضیر کے یہودیوں کو محاصرے میں لے لیا۔ بنونضیر والوں کو عبداللہ بن ابی کی مدد کا انتظار تھا مگر وہ تو محض جھانسہ تھا۔ یہودی چند روز کے محاصرے کو بھی برداشت نہ کر سکے اور ان کی عقل ٹھکانے آگئی۔ انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے اور شکست مان لی۔ یہ سب کچھ سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قائدانہ صلاحیت، عسکری فراست اور رب ذوالجلال کی مدد کا مظہر تھا۔

رحمت للعالمین ﷺ نے قبیلہ بنو نضیر کے یہودیوں کو ہتھیاروں کے سوا اپنا باقی مال و اسباب لے جانے کی اجازت دے کر مدینہ منورہ چھوڑنے کے حکم پر فوری عملدرآمد کا کہا۔ مدینہ منورہ سے نکل کر یہودیوں نے خیبر میں پناہ لی۔ خیبر کے یہودیوں نے ان کا شاندار استقبال کیا کیونکہ وہ بھی اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ چنانچہ سب نے مل کر متفقہ طور پر بنو نضیر اور خیبر کے یہودیوں کا سردار حیی بن اخطب کو منتخب کر لیا۔ اس طرح مدینہ منورہ کی سرزمین یہودیوں کے ناپاک قدموں سے پاک ہوگئی۔

یہودیوں کے سردار حیی بن اخطب کی بیوی کا نام برہ بنت شموال تھا جو قبیلہ بنی قریظہ کے رئیس رفاعہ بن شموال کی بہن تھیں۔ بنی اسرائیل کے تمام خاندانوں میں سے بنی قریظہ اور بنی نضیر بہت معزز و ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ (عیون الاثر) حیی بن اخطب اور برہ بنت شموال کے ہاں ایک بیٹی نے جنم لیا جس کا نام انہوں نے زینب رکھا۔

وقت کی ہوا نے تاریخ کے اوراق پلٹے اور کیلنڈر کی پیشانی پر مہ و سال نے کروٹ لی تو زینب نے جوانی کے چمنستان کی چوکھٹ پر قدم رکھا۔ والدین کو شادی کی فکر ہوا ہی چاہتی تھی کہ زینب کے لیے شادی کے پیغامات آنے شروع ہو گئے۔ جس لڑکی کا باپ سردار قبیلہ ہو اور ماں دوسرے سردار قبیلہ کی بہن ہو تو اس کے رشتہ کی چاہت یقینی طور پر اعلیٰ نسب کے نوجوانوں کی ضرور ہوتی ہے۔ تاہم حیی بن اخطب اور برہ بنت شموال نے اپنی خوبصورت چاند سی بیٹی زینب کے لیے اپنے ہی قبیلے کے ایک نوجوان سلام بن مشکم سے اس کا رشتہ طے کر کے رخصتی کر دی۔ شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ شادی کی رسومات ادا کی گئیں اور یوں زینب بنت حیی اپنے والدین کے گھر کو چھوڑ کر سسرال سدھاریں۔

زینب بنت حیی کا خاوند سلام بن مشکم ایک مشہور و معروف شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فن شہسواری میں اپنی مثال آپ تھا۔ وہ بے شمار خوبیوں کا مالک تھا مگر دین اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ مزید یہ کہ اس کے مزاج میں اکھڑپن کوٹ کوٹ کر بھرا تھا جس سے اس کی شخصیت میں بگاڑ

پیدا ہو چکا تھا۔ اس کی تند خوئی اور بد مزاجی نے اس کی تمام خوبیوں کو گہنا دیا تھا۔ جب کہ زینب بنت حیی اپنے خاوند کے بالکل برعکس شخصیت کی مالک تھی۔ وہ صورت اور سیرت دونوں میں بے مثال اور بے نظیر تھی۔ وہ ایک حلیم الطبع، پاکیزہ اور نیک سیرت خاتون تھی۔

میاں بیوی کے مزاج کی عدم مطابقت اور غیر ہم آہنگی نے ان کے گھر کو جنت نظیر بنانے کی بجائے انگاروں کی سیج بنا دیا تھا۔ میاں بیوی میں ہر لحظہ جھگڑا رہتا اور اکثر وقت لڑائی اور تو تکار میں گزرتا۔ چنانچہ نباہ ہونا مشکل تھا۔ سلام بن مشکم ایک غصیلا نوجوان تھا۔ اس نے روز روز کے لڑائی جھگڑے کے بعد ایک روز اپنی بیوی زینب بنت حیی کو طلاق دے کر میکے بھیج دیا۔

زینب بنت حیی چونکہ خوبصورت اور خوب سیرت ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ وارفع نسب بھی تھی اس لیے اسے رشتوں کی کمی نہیں تھی۔ طلاق کے بعد بے شمار رشتے آنے لگے۔ حیی بن اخطب نے کافی سوچ بچار کے بعد اپنے ہی قبیلہ بنو نضیر کے ایک تاجر کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق سے اپنی بیٹی زینب کا رشتہ طے کر دیا اور نکاح ہو گیا۔

زینب بنت حیی اور کنانہ بن ربیع ہنسی خوشی اپنے گھر میں زندگی کے دن گزارنے لگے۔ زینب بنت حیی کا اجڑا ہوا گھر پھر سے آباد ہو گیا تھا۔ بیٹی کو اپنے گھر میں شاداں و فرحاں دیکھ کر حیی بن اخطب نے سکھ کا سانس لیا اور اطمینان و سکون کے ساتھ حیات مستعار کے دوسرے امور نبٹانے لگا۔

حیی بن اخطب چونکہ یہودیوں کا سردار تھا اس لیے اس کے دوسرے امور محض یہی تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو نیچا دکھایا جائے۔ ان کے ساتھ جنگ کر کے قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا جائے اور دین اسلام کی ہر ممکن طریقے سے بیخ کنی کی جائے چنانچہ اس نے بیٹی کی رخصتی کی فراغت کے بعد اسلام دشمنی کی جانب بھرپور توجہ دی۔ سردار حیی بن اخطب نے اپنے ساتھ دوسرے یہودی سرداروں کو لیا اور ملک بھر کا دورہ کیا۔ اس کے اپنے ساتھ قبیلہ قریش کے علاوہ قبیلہ بنو غطفان، قبیلہ ہزیل اور کئی دوسرے چھوٹے قبیلوں کو ملا لیا اور سب آپ میں مل کر مدینہ

منورہ پر یلغار کا منصوبہ تیار کرنے لگے۔

سردار حیی بن اخطب کے ساتھ قریش کا سردار ابوسفیان مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ بنی قریضہ کے سردار کو بھی حیی بن اخطب نے ساتھ ملا لیا۔ آنحضور ﷺ کو دشمنان اسلام کے ارادوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے اور جنگی حکمت عملی کے طور پر مدینہ منورہ کے اردگرد ایک خندق کھدوائی۔ دشمنان اسلام اس حکمت عملی سے کلی طور پر بے خبر تھے۔ وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ جب مدینہ منورہ پہنچے تو خندق آگے بڑھنے میں ان کے لیے رکاوٹ بن گئی۔

قریش اور دوسرے قبائل نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا جو تقریباً 20 دن تک جاری رہا۔ آخر کار مشرکین کو پسپا ہو کر میدان جنگ سے فرار ہونا پڑا۔ مسلمانوں کو غزوہ خندق میں رب کائنات نے فتح سے ہمکنار کیا۔ حیی بن اخطب بنی قریضہ کی طرف بھاگ گیا۔ آنحضور ﷺ نے اعلیٰ عسکری حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے اپنے لشکر کا رخ بنی قریظہ کی طرف موڑ لیا اور وہاں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پندرہ یوم تک جاری رہا اس کے بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے حیی بن اخطب کو گرفتار کر کے لایا گیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے آگے بڑھ کر حیی بن اخطب کا سر قلم کر دیا۔

سردار حیی بن اخطب کی ہلاکت کے بعد یہودیوں نے اپنا نیا سردار ابو رافع بن ابی الحقیق کو منتخب کیا۔ وہ بھی جلد ہی قتل کر دیا گیا۔ پھر یہودیوں نے اپنا نیا سردار کنانہ بن ربیع کو منتخب کیا۔ جو زینب بنت حیی کا شوہر تھا۔ اس نے بھی سازش تیار کی اور بنی غطفان کے تعاون سے مدینہ منورہ پر دھاوا بولنے کا عزم کر لیا۔ اس صورتحال کا آنحضور ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے سرفروشان اسلام کو خیبر پر حملہ کرنے کے لیے کوچ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیر قیادت سولہ سو بہادر مسلمان مجاہدین کا لشکر مدینہ منورہ سے خیبر کے لیے روانہ ہوا اور تین دن کے اندر ہی خیبر جا پہنچا۔ مسلمان مکمل جوش ایمانی اور جذبہ جہاد سے

میدان میں نبرد آزما ہوئے۔ انہوں نے ڈٹ کر یہودیوں کا مقابلہ کیا۔

زینب بنت حیی کا پہلا شوہر سلام بن مشکم بھی اپنے ایک لشکر کا سردار تھا جب کہ دوسرا شوہر کنانہ بن ربیع بھی بہت بڑے لشکر کی سرداری کر رہا تھا۔ پر زور مقابلہ ہوا۔ میدان آخر کار مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ یہودیوں کو شکست فاش ہوئی جب کہ کنانہ بن ربیع کو حراست میں لے لیا گیا۔

حیی بن اخطب کی بیٹی زینب کے شوہر کنانہ بن ربیع کو حراست میں لے کر جب خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا گیا تو آپ ﷺ نے کنانہ بن ربیع کو کہا کہ جو خزانہ اس نے ابوالحقیق میں چھپا رکھا ہے وہ آپ ﷺ کے حوالے کر دے۔ مگر کنانہ بن ربیع صاف مکر گیا۔ تاہم آنحضور ﷺ کو خبر ہو چکی تھی کہ خزانہ کس جگہ مدفون ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت زبیر بن العوامؓ کو خزانے کی تلاش میں کھدائی کے لیے روانہ کیا۔ حضرت زبیر بن العوامؓ نے بہت جلد ہی کھدائی کر کے خزانہ ڈھونڈ نکالا اور سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔

بعد ازاں آنحضور ﷺ نے کنانہ بن ربیع کو حضرت محمد بن مسلمہؓ کے حوالے کر دیا۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے اپنے بھائی کے بدلے میں کنانہ بن ربیع کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

فتح خیبر سے جہاں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا وہاں بہت سے مرد و عورت قیدی بھی ان کے قبضہ میں آئے۔ مسلمانوں میں مال غنیمت اور اسیروں کو تقسیم کر دیا گیا۔ ان اسیروں میں سردار حیی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن ربیع کی بیوی زینب بنت حیی بھی تھیں جو کہ زرقانی کی روایت کے مطابق خاص سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں۔ اور عرب میں مال غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا ''صفیہ'' کہتے تھے۔ اس لیے زینب بنت حیی بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں اور یوں ام المومنین ہو کر حضرت صفیہ بنت حیی کہلائیں۔

مجمع الزوائد، سنن ابن ماجہ، سنن ترمذی اور تحفۃ الاشراف میں روایت ہے کہ جب خیبر فتح ہوا اور مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو حضرت صفیہؓ بنت حیی صحابی رسول ﷺ حضرت وحیہ کلبیؓ کے حصہ میں آئیں لیکن صحابہ کرامؓ نے سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی۔

''یارسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! صفیہ بنت حیی ایک سردار کی بیٹی ہیں ہم نے قیدیوں میں اس جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ خاندانی وقار و وجاہت ان کے چہرے سے عیاں ہے۔ ایک سردار کی بیٹی اور ایک سردار کی بیوی اور رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ ہمارے خیال میں بہتر نہیں ہے۔ اگر آپ ﷺ اسے اپنی تحویل میں لے لیں تو زیادہ مناسب ہوگا''۔

ہادی کون و مکان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے صحابہ کرام کی تجویز کو منظور کرتے ہوئے حضرت وحیہ کلبیؓ کی رضامندی سے صفیہ بنت حیی کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ آپ ﷺ نے صفیہ بنت حیی کو دعوت اسلام دی جو انہوں نے بخوشی قبول کر لی۔ اب حضرت صفیہؓ بنت حیی مسلمان ہو چکی تھیں۔ اس لیے خلق مجسم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت صفیہؓ بنت حیی کو آزاد کیا اور اس کی رضامندی سے اس سے شادی کر لی اور آزادی ہی کو مہر قرار دیا گیا۔ (مسند ابو لیعلی، مجمع الزاوئد) یہ ہجری کا ساتواں سال تھا کہ حضرت صفیہؓ بنت حیی آنحضور ﷺ کے حبالہ عقد میں آ گئیں۔ جب حضرت صفیہ بنت حیی ام المومنین بنیں تو اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی۔

ان ایام میں مسلمانوں نے خیبر کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات میں بہتری آ رہی تھی۔ خیبر میں امن ہو چکا تھا۔ حضرت صفیہؓ بنت حیی کے پہلے خاوند سلام بن مشکم نے حضرت صفیہؓ بنت حیی کو طلاق دینے کے بعد دوسری شادی زینب بنت حارث سے کر لی تھی۔ اب سلام بن مشکم کے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو جانے کے بعد زینب بنت حارث بیوہ ہو چکی تھیں۔ وہ اپنے خاوند کی طرح اسلام دشمنی میں پیش

پیش تھی اور اب تو مسلمانوں سے اپنے خاوند کے قتل کا انتقام بھی لینا چاہتی تھی۔ اس نے ایک چال چلی اور مسلمانوں کو کھانے کی دعوت پر مدعو کیا۔ مسلمانوں کے لیے دل میں عداوت و انتقام کے جذبات سے مغلوب ہو کر اس نے کھانے میں زہر ملا دیا اور خاص طور پر اس گوشت میں زہر ملایا جو نبی رحمت ﷺ کو پیش کیا جانا تھا۔

خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے آگے دستر خواں چنا گیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت بشیر بن براءؓ صحابی بھی کھانے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں نے کھانا شروع کیا۔ رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے پہلا لقمہ ہی لیا تھا کہ آپ ﷺ کو علم ہو گیا کہ گوشت زہر آلود ہے۔ آپ ﷺ نے فوراً نوالہ اگل دیا اور حضرت بشیر بن براءؓ کو خبردار کیا کہ کھانا مت کھائیں کیونکہ گوشت زہر آلود ہے۔

آپ ﷺ کے انتباہ سے پہلے ہی حضرت بشیر بن براءؓ نوالہ چبا کر نگل چکے تھے۔ زہر آلود نوالہ ان کے جسم کے اندر پہنچ چکا تھا۔ نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے زینب بنت حارث کو بلوایا اور تفتیش کی تو زینب بنت حارث نے اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا۔

''میں مسلمانوں سے متنفر تو تھی ہی مگر حضرت صفیہؓ کے پہلے شوہر اور اپنے موجودہ شوہر سلام بن مشکم کے قتل ہو جانے کے بعد جوش انتقام میں اندھی ہو چکی تھی۔ میں نے یہ سوچا کہ اگر محمد مصطفیٰ ﷺ واقعی پیغمبر آخر الزمان ہیں تو آپ ﷺ کو زہر کا علم ہو جائے گا اور آپ ﷺ کی جان بچ جائے گی لیکن اگر آپ ﷺ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے نہیں ہیں تو میرے انتقام کا نشانہ بن جائیں گے۔ اب چونکہ آپ ﷺ کو زہر آلود گوشت کی اطلاع ہو گئی ہے اس لیے ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ واقعی سچے پیغمبر اور نبی آخر الزماں ہیں''۔

زینب بنت حارث کو رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس بیان کے بعد معاف کر دیا۔ مگر حضرت بشیر بن براءؓ کے جسم میں زہر سرایت کر گیا۔ زہر نے تیزی کے ساتھ عمل کیا اور وہ تین دنوں کے اندر اندر شہید ہو گئے۔ چنانچہ زینب بنت حارث کو بطور قصاص قتل کر

دیا گیا۔اس کے بعد شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی نو بیاہتا زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی کے ساتھ خیبر سے مدینہ روانہ ہوئے۔

جب لشکر اسلام خیبر سے واپس مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوا تو چھ میل کے فاصلہ پر مقام صہبا پر پڑاؤ کیا گیا۔حضرت ام سلیم انصاریہؓ نے حضرت صفیہؓ بنت حیی کو دلہن کے روپ میں تیار کیا اور یوں وہاں پر رسم عروسی ادا کی گئی۔(عیون الاثر، زرقانی)

حضرت صفیہؓ بنت حیی کا ولیمہ بھی عجب شان سادگی سے لبریز تھا۔دوسرے دن صبح کو نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا۔

''جو چیز جس جس کے پاس ہو لے آئے'' چنانچہ چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا گیا۔ لوگوں نے اپنے زادراہ لا کر اس دسترخوان پر رکھ دیئے۔کوئی کھجور لایا، کوئی پنیر اور کوئی ستو اور کوئی گھی لایا۔پھر کھجور، پنیر اور گھی سے ملیدہ تیار کیا گیا۔اسی ملیدہ سے ہادی کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ولیمہ کیا۔سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھا لیا۔اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی کچھ نہ تھا۔
(بخاری، مسلم، مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، فتح الباری، مسند ابویعلی)

مقام صہبا میں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تین روز قیام فرمایا اور حضرت صفیہ بنت حیی پردہ میں رہیں۔جب آپ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے خود حضرت صفیہؓ بنت حیی کو اونٹ پر سوار کرایا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا کہ کوئی دیکھ نہ سکے۔گویا یہ اعلان تھا کہ حضرت صفیہؓ بنت حیی ام المومنین ہیں ام الولد نہیں۔(زرقانی)

مسند ابویعلی اور مجمع الزوائد میں روایت ہے کہ حضرت صفیہؓ بنت حیی فرماتی ہیں۔

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسن اخلاق کا مجسمہ نہیں دیکھا۔آپ ﷺ رات کو میرے ساتھ خیبر سے ایک اونٹنی پر سوار ہوئے۔مجھے اونگھ آرہی تھی۔آپ ﷺ مجھے بار بار جگاتے تاکہ میں اونٹنی سے گر نہ جاؤں۔آپ ﷺ مجھے فرماتے، اے بنت حیی! تھوڑی دیر انتظار کرو، حتیٰ کہ ہم مقام صہبا میں پہنچ گئے۔یہاں آپ ﷺ نے مجھے فرمایا ''اے صفیہؓ! جو

کچھ تمہاری قوم کے ساتھ ہوا مجھے اس کا افسوس ہے لیکن انہوں نے بھی ہمارے ساتھ یہ یہ کیا''۔

اسی طرح ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی کا بیان ہے۔

''جب میں ایک قیدی کی حیثیت سے رسول رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ سے زیادہ کوئی اور ناپسندیدہ انسان میری نگاہ میں نہیں تھا کیونکہ میرا والد، خاوند اور کئی دوسرے رشتہ دار مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ آنحضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تمہاری قوم نے ہمارے ساتھ یہ یہ کیا ہے۔

آپ ﷺ کے حسن بیان، حسن اخلاق اور حسن شخصیت نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ جب میں اپنی جگہ سے اٹھی تو آپ ﷺ سے زیادہ اور کوئی محبوب اور پسندیدہ شخص میری نظر میں نہیں تھا۔ (مسند ابو یعلی)

ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی نے خیبر سے مدینہ تک کا سفر رسول مکرم ﷺ کی رفاقت میں کیا۔ آپ ﷺ ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی کے ساتھ انتہائی لطف و کرم سے پیش آئے۔

جب مدینہ منورہ میں کسی نے لشکر اسلام کے آنے کی اطلاع دی تو اہل مدینہ اپنے دل و جان سے عزیز رسول اللہ ﷺ کے استقبال کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے۔ مسلمانوں کے چہرے خیبر کی فتح سے مسرت و شادمانی کا مرقع بنے ہوئے تھے۔ منافقین کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اپنے محبوب سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا والہانہ استقبال کیا اور مسلمانوں کو فتح کی مبارکباد دی۔

مدینہ منورہ پہنچ کر ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی کو آنحضور ﷺ نے حضرت حارث بن نعمان انصاریؓ کے مکان پر ٹھہرایا۔ حضرت حارث بن نعمان انصاریؓ آنحضور ﷺ کے انتہائی جانثار صحابی تھے۔ رب کائنات نے ان کو دولت سے نوازا تھا۔ ایسے مواقع پر وہ سبقت لے جایا کرتے تھے اور محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ضروریات کا خیال رکھنا

اپنے لیے سعادت اور باعث فخر و نجات سمجھتے تھے چنانچہ اس وقت بھی ان کا ایثار کام آیا۔

ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی اور رسول رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نکاح اور حضرت صفیہؓ بنت حیی کے حسن و جمال کی شہرت سن کر انصار مدینہ کی خواتین اور ازواج مطہرات انہیں دیکھنے کے لیے آئیں۔ جن میں حضرت زینب بنت جحشؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت جویریہؓ شامل تھیں۔

علامہ ذہبیؒ ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''وہ شریف، عقل مند، خاندانی، خوبصورت، دیندار، بردبار اور باوقار خاتون تھیں''۔

نئی نویلی دلہن حضرت صفیہؓ بنت حیی کو مدینہ کی خواتین نے حضرت حارث بن نعمان انصاریؓ کے گھر پر آکر دیکھا جس نے بھی دیکھا اس نے تعریفی کلمات ہی ادا کئے۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد آنحضور ﷺ نے دوسری ازواج مطہراتؓ کی طرح ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی کو مسجد نبویؐ کے قریب ہی ایک حجرہ عنایت کر دیا۔ باقی ازواج مطہراتؓ کی طرح حضرت صفیہؓ بنت حیی کی بھی باری مقرر کر دی گئی۔

ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی جب اپنے گھر منتقل ہوئیں تو آپؓ نے اخلاق حسنہ کا بے مثل مظاہرہ کرتے ہوئے تمام ازواج مطہراتؓ کے ساتھ احسان و مروت کا انداز اختیار کیا۔ سرور کائنات کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرہؓ سے ٹوٹ کر پیار کیا اور انہیں سونے کی بالیاں بطور تحفہ دیں۔

اسی طرح سونے کے زیورات جو خیبر سے حضرت صفیہؓ بنت حیی اپنے ہمراہ لائی تھیں ازواج مطہراتؓ میں تقسیم کر دیئے۔ حضرت صفیہؓ بنت حیی نے خاص طور پر حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہ بنت عمرؓ کا قرب حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش کی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ یہ دونوں سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی چہیتی اور عظیم المرتبت ازواج ہیں۔

حضرت صفیہؓ بنت حیی مدینہ منورہ ہی میں پیدا ہوئی تھیں۔ اسی شہر میں وہ بچپن سے

جوانی تک رہائش پذیر رہی تھیں۔ اس لیے مدینہ منورہ کے اکثر لوگ انہیں اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے۔ حضرت صفیہؓ بنت حیی بہت سلیقہ شعار اور گھریلو عورت تھیں۔ کھانا پکانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ گھر گرہستی کے تقاضوں کو بہتر سمجھتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہؓ بنت حیی کھانے بنا بنا کر دوسری ازواج مطہراتؓ کے گھروں میں تحفتاً بھیجا کرتی تھیں۔ مدینہ منورہ میں جب حضرت صفیہؓ بنت حیی کا قیام ہو گیا تو سب ازواج مطہراتؓ ان سے ملنے جایا کرتی تھیں۔ اور یوں تمام ازواج مطہراتؓ کا آپس میں از حد اتفاق و احترام تھا۔

یوں تو تمام ازواج مطہراتؓ میں بہت اتفاق و سلوک اور حسن معاملہ تھا مگر کبھی کبھار جب رسول اللہ ﷺ میں کسی زوجہ مطہرہؓ سے کوئی ایسی بات اتفاقاً اور غیر ارادی طور پر ہو جاتی تھی کہ جس سے دوسرے کا دل قدرے میلا ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ جب حضرت صفیہؓ بنت حیی کے حجرے میں تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت صفیہؓ بنت حیی قدرے مغموم ہیں۔ آنحضور ﷺ نے پوچھا ”اے صفیہؓ! کیا بات ہے۔ خاموش اور اداس کیوں ہو؟“ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے استفسار پر حضرت صفیہؓ بنت حیی نے بتایا کہ ”حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہ بنت عمرؓ اپنے حسب و نسب کو میرے مقابلے میں نہ صرف افضل سمجھتی ہیں بلکہ انہوں نے مجھے یہودی خاندان سے ہونے کا طعنہ بھی دیا ہے۔“

آنحضور ﷺ نے حضرت صفیہؓ بنت حیی کی یہ بات سنی تو آپ ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ بنت حیی کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا ”اے صفیہؓ! تو غم نہ کر۔ تو کسی طور پر ان سے کم نہیں۔ تمہارے تو باپ حضرت ہارون علیہ السلام تھے اور چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے جبکہ تمہارا شوہر محمد (ﷺ) ہے۔“ یہ دلیل سن کر حضرت صفیہؓ بنت حیی کا گلہ جاتا رہا اور وہ بالکل مطمئن و مسرور ہو گئیں۔ دراصل حضرت صفیہؓ کا والد حیی بن اخطب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ (عیون الاثر) اسی وجہ سے معلم کائنات

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ بنت حیی کو یہ حوالہ دے کر اس کی تمام اداسی دور کر دی۔

سیرت ابن ہشام، دلائل النبوۃ بیہقی اور دلائل النبوۃ الاصبہانی میں ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی کے حوالے سے روایت ہے کہ ''میں بچپن میں اپنے ابا جان اور چچا جان ابو یاسر کی بہت لاڈلی تھی۔ ہم مدینہ منورہ میں رہائش پذیر تھے۔ جس روز رسول مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے اور وادی قباء میں پڑاؤ کیا تو میرے والد اور چچا جان سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیکھنے کے لیے گئے۔ جب واپس گھر آئے تو دونوں کے چہروں پر تھکاوٹ، اکتاہٹ اور مایوسی و بے زاری کے آثار نمایاں تھے۔ دونوں بجھے بجھے اور سہمے سہمے سے تھے۔ انہوں نے خلاف معمول مجھے پیار بھی نہ کیا اور میری طرف کوئی توجہ نہ دی حالانکہ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے ابا جان اور چچا جان کی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا گئی۔ پھر میں نے ان کی آپس میں گفتگو سنی جو مجھے آج تک یاد ہے۔ میرے ابا جان سے میرے چچا جان نے پوچھا۔ سناؤ کیا یہ وہی ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے؟۔ ابا جان نے جواب دیا، جی ہاں! بخدا یہ تو واقعی وہی ہے، چچا جان نے پھر پوچھا 'کیا تم اچھی طرح پہچانتے ہو؟ کیا تمام نشانیاں موجود ہیں؟ ابا جان نے جواب دیا 'بخدا ہر نشانی بتا رہی ہے کہ یہ وہی ہے'۔ چچا جان نے ابا جان سے پھر پوچھا 'تمہارے دل میں اس کے بارے میں کیا خیالات ہیں؟' ابا جان نے جواب دیا 'چاہے کچھ ہو۔ میں تاحیات اس شخص سے عداوت کا رویہ اختیار کیے رہوں گا۔' میں نے جب چچا جان اور ابا جان کی یہ گفتگو سنی تو مجھے بڑی حیرانی ہوئی کہ یہ ایک شخص کو پہچانتے ہوئے بھی اس سے عداوت رکھیں گے۔ یوں میرے دل میں آنحضور ﷺ کے بارے میں احترام و عقیدت کے جذبات پیدا ہوئے''۔

حضرت صفیہؓ بنت حیی اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے وہ خواب بھی بیان کرتی ہیں جن کی تعبیر یہ ظاہر کرتی تھی کہ حضرت صفیہؓ بنت حیی کی شادی آنحضور ﷺ

سے ہوگی۔

حضرت صفیہؓ بنت حیی جب سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زوجیت میں آئیں تو ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت صفیہؓ بنت حیی کی آنکھ کے بالائی حصے پر چوٹ کا نشان دیکھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''اے صفیہؓ'' یہ نشان کیسا ہے؟ ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے سو رہی تھی کہ میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آکر گرا ہے۔ میں نے یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا تو اس نے ایک زوردار تھپڑ میرے منہ پر رسید کرتے ہوئے کہا ''تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے'' اس کا اشارہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف تھا۔ (مجمع الزوائد، ابن ہشام، زرقانی، عیون الاثر)

ایک اور روایت میں ہے کہ جب ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خیبر تشریف لے گئے اور حضرت صفیہؓ بنت حیی اپنے سابقہ شوہر کے گھر تھیں تو آپؓ نے خواب میں دیکھا کہ سورج اس کے سینے پر آگرا ہے۔ اس نے یہی خواب اپنے خاوند کو سنایا تو اس نے جھڑک کر کہا'' خدا کی قسم! تو اس بادشاہ کی آرزو مند ہے جو یہاں آیا ہے''۔ (المعجم الکبیر، البدایہ والنہایہ)

حضرت صفیہؓ بنت حیی اپنے شوہر نامدار، محبوب کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے انتہائی عقیدت و محبت رکھتی تھیں۔ آپؓ سرور کائنات ﷺ کا ہمہ قسم کا خیال رکھتی تھیں آپؓ کو سردار الانبیا ﷺ سے اس درجہ عقیدت و محبت تھی کہ ایک پل بھی اپنی نظروں سے آپ ﷺ کو اوجھل نہیں کر سکتی تھیں۔ ایک دفعہ قرآن مجسم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مدینہ منورہ سے مسجد نبوی میں اعتکاف میں بیٹھے تھے۔ بخاری شریف میں حضرت امام زین العابدینؒ کے حوالے سے روایت ہے کہ حضرت صفیہؓ بنت حیی رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کے دوران سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ملنے آئیں۔ تقریباً ایک گھنٹہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھ کر باتیں کیں۔ پھر واپس جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں تو آنحضور ﷺ انہیں پہنچانے کے

لیے ساتھ ہو لیے تا کہ مسجد نبویؐ کے دروازے تک الوداع کہہ سکیں۔ وہاں سے دو انصاری گزرے دونوں نے محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے بعد ان سے فرمایا "ذرا ٹھہرو۔ سنو یہ میرے ساتھ میری زوجہ صفیہؓ بنت حیی ہیں"۔ دونوں نے کہا "سبحان اللہ! یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیا بات ہے؟" دراصل ان پر آنحضور ﷺ کا کہنا شاق گزرا کہ کیا وہ کوئی غیر بات کا تصور بھی کر سکتے تھے؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"بات یہ ہے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تمہارے دلوں میں کوئی وسوسہ نہ ڈالے۔" (مسلم، ابوداؤد، مسند احمد)

اگرچہ حضرت صفیہؓ بنت حیی ایک نامی گرامی سردار کی بیٹی تھیں۔ آپؓ کی پرورش بڑے ناز و نعم سے اور بڑے آسائش و آرام کے ماحول میں ہوئی تھی مگر رسول مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زوجیت کا شرف حاصل کرنے کے بعد آپؓ اپنے گھر کا سارا کام کاج خود اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ آپؓ آنحضور ﷺ کے احکامات کی مکمل اطاعت کرتی تھیں۔ آپؓ کی شخصیت میں بہت سے محاسن جمع تھے۔ آپؓ عاقلہ، فاضلہ، حلیم الطبع، کشادہ دل، سیر چشم اور سخی تھیں۔

حضرت صفیہؓ بنت حیی کثرت سے قرآن حکیم کی تلاوت کیا کرتی تھیں اور بسا اوقات خشیت الٰہی کا ان کے دل پر ایسا اثر ہوتا کہ زار و قطار رونا شروع کر دیتیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ حقیقی مومن وہ ہے جس کے سامنے جب اللہ کا نام لیا جائے تو اس کا دل کانپ جائے۔ حضرت صفیہؓ بنت حیی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔

ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی انتہائی شفیق اور رحمدل بھی تھیں۔ علامہ ذہبی اس حوالے سے ایک واقعہ رقمطراز کرتے ہیں کہ حضرت صفیہؓ بنت حیی کی ایک لونڈی تھی۔ اس نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے شکایت لگائی کہ "حضرت صفیہؓ بنت حیی میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔ وہ یوم السبت یعنی ہفتے کے دن کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی

کرتی ہیں۔" حضرت عمر فاروقؓ نے تحقیق احوال کے لیے ایک شخص کو حضرت صفیہؓ بنت حیی کے پاس بھیجا۔ جب حضرت صفیہؓ بنت حیی نے یہ بات سنی تو فرمایا "جب سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جمعہ کا روز عطا فرمایا ہے میں یوم السبت کو بالکل پسند نہیں کرتی۔ البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں کیونکہ وہ میرے خویش و اقارب ہیں"۔

حضرت صفیہؓ بنت حیی نے اس کے بعد اس لونڈی کو بلا کر پوچھا "تو نے حضرت عمر فاروقؓ سے میری شکایت کس کے اکسانے پر کی؟" اس نے کہا "شیطان کے اکسانے پر" لونڈی کے اس جواب پر حضرت صفیہؓ بنت حیی خاموش ہو گئیں اور پھر فرمایا "جاؤ آج سے تم آزاد ہو"۔ (الاستیعاب، عیون الاثر، الاصابہ) قرآن حکیم کی سورۃ آل عمران میں ارشاد ربانی ہے کہ "اللہ تعالیٰ غصے کو پی جانے والوں اور لوگوں سے درگزر کرنے والوں سے اور نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔ اور حضرت صفیہؓ بنت حیی کی زندگی اس آیت کی جیتی جاگتی تصویر و تفسیر تھیں۔

حجۃ الوداع میں تمام ازواج مطہراتؓ کے ہمرکاب حضرت صفیہؓ بنت حیی نے بھی ہادی کون و مکاں ﷺ کا آخری خطبہ سنا اور دل و دماغ پر اس طرح نقش کیا کہ تمام زندگی اس پر عمل پیرا رہیں۔ آنحضور ﷺ کے مرض الوصال میں تمام ازواج مطہراتؓ آنحضور ﷺ کی عیادت کے لیے حجرے میں تشریف لائیں۔ حضرت صفیہؓ بنت حیی کو سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے از حد محبت و عقیدت تھی۔ آپؓ اپنی جان تک اپنے شوہر نامدار ﷺ پر قربان کرنے کے لیے تیار تھیں۔ چنانچہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو حضرت صفیہؓ بنت حیی نے نہایت حسرت سے کہا "کاش آپ ﷺ کی بیماری مجھے لگ جاتی!" حضرت صفیہؓ بنت حیی کے اس جملے پر تمام ازواج مطہراتؓ نے ان کی طرف ایک مخصوص انداز میں دیکھا تو ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا "بخدا! صفیہؓ سچ کہہ رہی ہیں" یعنی حضرت صفیہؓ بنت حیی کا اظہار عقیدت زبانی نہیں بلکہ سچے دل سے وہ یہی چاہتی ہیں۔ (زرقانی، ابن سعد)

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت حضرت صفیہؓ بنت حیی کی عمر بمشکل اکیس برس تھی۔ انہوں نے اپنے محبوب خاوند سردار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ازدواجی زندگی کے صرف 4 سال گزارے تھے۔ حضرت صفیہؓ بنت حیی نے بھی باقی کی تمام عمر دوسری امہات المومنینؓ کی طرح اپنے روحانی بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ تعلیم و تبلیغ میں گزاری۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کے دور حکومت میں جب دشمنوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور حالت اس درجہ تک پہنچادی کہ کسی کو گھر کے اندر کھانے پینے کا سامان لے جانے کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس صورتحال میں حضرت صفیہؓ بنت حیی سے نہ رہا گیا۔ آپؓ بہت بے چین ہوگئیں۔ آپؓ نے اپنے غلام کنانہ کو ساتھ لیا اور ایک خچر پر پانی کا مشکیزہ اور کچھ خوراک لے کر حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کی طرف چل پڑیں۔ راستے میں بلوائیوں کے سردار مالک الاشتر نے آپؓ کو روکا اور خچر کے منہ پر مارنے لگا۔ آپؓ اس کے اس رویہ سے بہت آزردہ خاطر ہوئیں اور واپس جانے پر مجبور ہوگئیں لیکن آپؓ نے حضرت حسن بن علیؓ کو بلوایا اور اس کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ ان سے کھانا وغیرہ لے جا کر حضرت عثمان غنیؓ کو پہنچا دیا کریں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت حسنؓ نے ان کے گھر اور حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کے مابین چھتوں کے درمیان تختہ رکھ دیا تھا جس کے اوپر سے کھانا اور پانی جاتا تھا۔ (الاصابہ)

حضرت صفیہؓ بنت حیی سے چند احادیث مروی ہیں جن کو حضرت زین العابدینؒ، اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ دیگر ازواج مطہراتؓ کی طرح حضرت صفیہؓ بنت حیی کا گھر بھی علم و عرفان اور رشد و ہدایت کا مرکز تھا۔ (مسند احمد)

مختلف مقامات سے خواتین مسائل کے حل دریافت کرنے کے لیے آپؓ کے پاس تشریف لاتیں اور آپؓ ان کے تمام سوالات کے تسلی بخش جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں دیتیں۔

حضرت صفیہؓ بنت حیی کو بیوہ ہوئے 39 سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اب ان کا سفر

آخرت قریب تھا۔ انہوں نے اپنا رہائشی حجرہ اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔ بڑی بھرپور زندگی گزارنے کے بعد ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی نے رمضان 50 ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر 60 سال تھی۔ مدینہ منورہ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ آپؓ کا انتقال حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت میں ہوا۔ ان کے ورثے کو ان کی وصیت کے مطابق تقسیم کر دیا گیا۔ (ابن سعد، زرقانی)

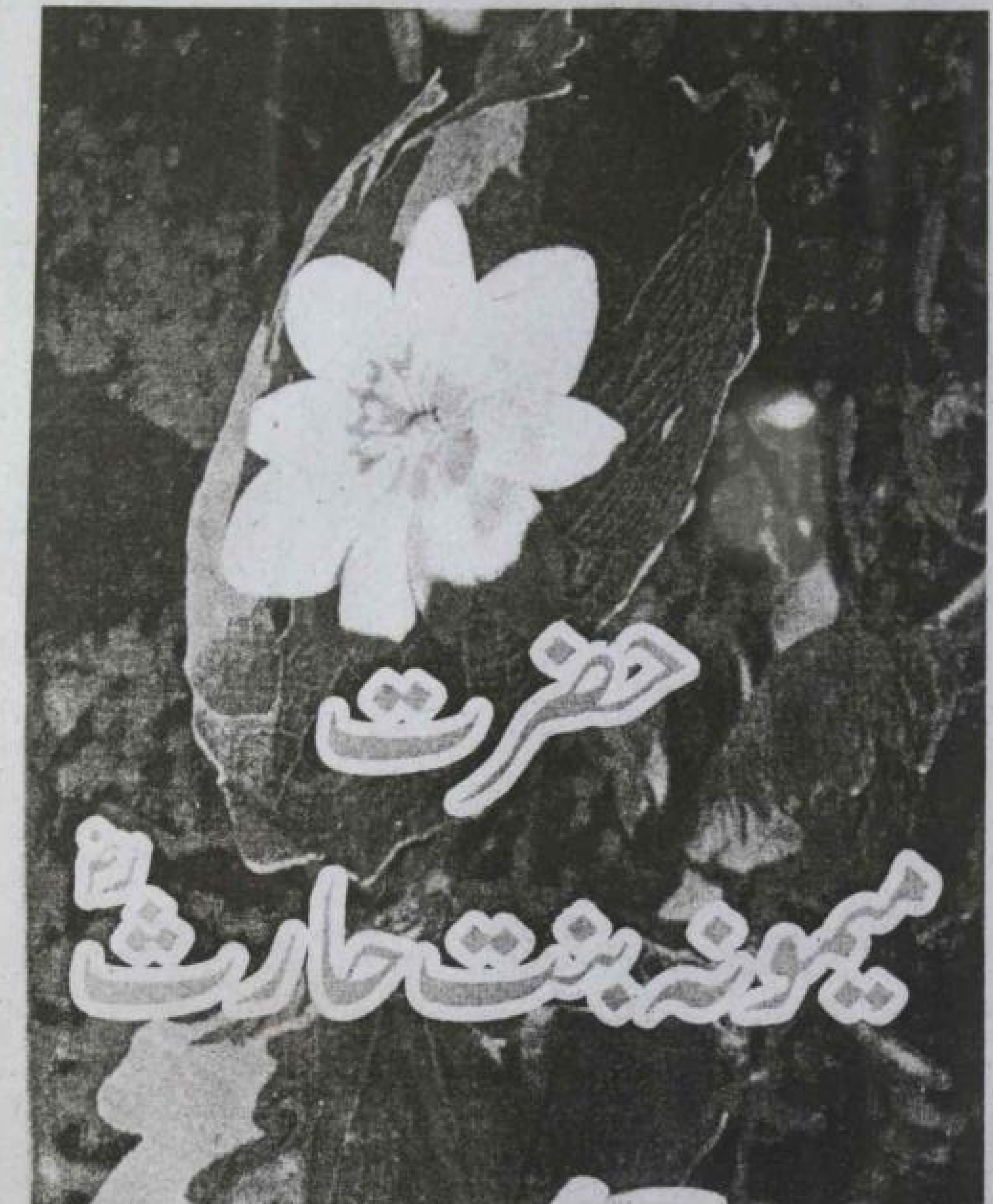
حضرت
میمونہ بنت حارث رض

حضرت میمونہؓ بنت حارث

قبیلوں، فرقوں، نسلوں اور خاندان میں منقسم سرزمین عرب میں ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں شادی کا رواج عام تھا تاہم اکثر اوقات اس امر کا خیال ضرور رکھا جاتا کہ شادی کا بندھن قائم کرنے والے دونوں میاں بیوی کے قبائل مراتب و مناصب میں ایک دوسرے کے ہم پلہ ہوں تا کہ آقا و غلام کا فرق اور نسلی امتیاز قائم و دائم رہے۔

یہ سردار دو جہاں، ہادی کون و مکاں نبی آخر الزماں ﷺ کے اعلان نبوت سے کوئی سترہ سال قبل کی بات ہے کہ عرب کے ایک مشہور قبیلہ قیس بن عیلان سے تعلق رکھنے والے ایک شخص حارث بن حزن کی شادی قبیلہ حمیر کی ایک خاتون ہند بنت عوف سے ہوئی تو ایک عظیم الشان دعوت کا اہتمام کیا گیا اور آس پاس کے قبائل کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی گئی جبکہ اس دور کے رواج کے مطابق جملہ رسومات عروسی ادا کی گئیں۔

حارث بن حزن اور ہند بنت عوف رشتہ ازدواج میں منسلک ہونیکے بعد اس عالم نا پائیدار میں حیات بے ثبات کے دن مسرت و انبساط کے ساتھ گزارنے لگے گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ اگر کوئی کسر باقی تھی تو وہ ایک ایسے بچے کی تھی جو گھر کے آنگن میں اپنی مسکراہٹوں کے رنگ بکھیر سکے اور ماں باپ کے قلب کا قرار اور ذہن کا سکون بن سکے۔

اگرچہ عربوں کے قدیم دور میں بچی کی پیدائش کو باعث نحوست سمجھا جاتا تھا مگر زمانے کی رفتار اور بدلتے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اب یہ ایک خیال خام ہوتا جا رہا تھا اور باشعور طبقہ اسے جاہلانہ اور احمقانہ عقیدہ تصور کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حارث بن حزن اور ہند بنت عوف

کے ہاں ایک حسین وجمیل بچی نے جنم لیا تو انہوں نے رنج وملال کی بجائے خوشی کا اظہار کیا۔ ان لمحات میں کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہی بچی بڑی ہو کر انتہائی خوش بخت ٹھہرے گی اور ایک دن ام المومنینؓ کے مقام تک جا پہنچے گی کیونکہ اس بچی نے سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے سولہ سال قبل اس دنیا میں قدم رکھا تھا۔ والدین نے اس بچی کا نام برہ رکھا۔

ماں باپ کے گھر میں پرورش پاتی ہوئی برہ بنت حارث نے جب جوانی کے دروازے پر دستک دی تو قریب ودور سے رشتوں کے پیغام آنے لگے۔ برہ کے والدین نے اس کی تربیت اور پرورش و پرداخت پر خاص توجہ دی تھی۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی کسی اچھے گھرانے کے اچھے نوجوان سے بیاہی جائے۔ چنانچہ انہیں جب عرب کے ایک نوجوان مسعود بن عمرو ثقفی کا پیغام ملا تو انہیں یہ رشتہ سب سے زیادہ موزوں ومناسب معلوم ہوا۔ لہٰذا انہوں نے کچھ رشتہ داروں سے مشورہ کے بعد رشتہ کی حامی بھر دی یوں یہ رشتہ بحسن وخوبی طے ہو گیا۔ رشتہ کے بعد جلد ہی انہوں نے برہ کے ہاتھ پیلے کر دیے اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ برہ اپنے والدین کے گھر سے رخصتی کے بعد اپنے میاں کے گھر پہنچی۔

نو بیاہتا جوڑے مسعود بن عمرو ثقفی اور برہ بنت حارث نے اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز دلفریب امنگوں اور چاہت بھری آرزوؤں کے ساتھ کیا۔ ابتدائی ایام انتہائی مسرت وانبساط کے کھلکھلاتے لمحات میں گزرے مگر جوں جوں وقت کا دریا آگے بڑھتا گیا مسعود بن عمرو ثقفی اور برہ بنت حارث کے مابین اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔ دراصل دونوں میاں بیوی کے مزاج یکسر مختلف تھے۔ پسند وناپسند میں تضاد تھا۔ کسی بھی نکتے پر ان کی آپس میں یک جہتی نہ ہو سکی۔ حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے سے اس قدر بے زار ہوئے کہ نوبت علیحدگی تک آ پہنچی۔ آخر کار نتیجہ وہی نکلا جو عام طور پر متوقع ہوتا ہے۔ مسعود بن عمرو ثقفی نے اپنی بیوی برہ بنت حارث کو طلاق کا پروانہ دے کر گھر سے رخصت کر دیا۔

برہ بنت حارث جب طلاق لے کر اپنے والدین کے گھر پہنچی تو وہ بہت دکھی، پریشان

اور مغموم ہوئے۔ والدین سوائے صبر کے اور کر بھی کیا سکتے تھے تاہم انہوں نے برہ کا گھر دوبارہ سے آباد کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ برہ کے والدین اسی تلاش اور فکر ہی میں تھے کہ قبیلہ بنی عامر بن لوی سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان ابورہم بن عبدالعزیٰ کا پیغام برہ سے شادی کے لیے برہ کے والد حارث بن حزن کے پاس پہنچا۔ امید کی ایک کرن روشن ہوئی۔ وقت نے فرحت افزا کروٹ لی۔ حارث بن حزن کو اپنی دلی خواہش کی تکمیل اور ہند بنت عوف کو اپنے خواب کی تعبیر نظر آئی۔ تاہم انہوں نے چونکہ پہلی دفعہ چوٹ کھائی تھی اور داماد کے انتخاب میں جلد بازی سے کام لیا تھا اس لیے اب دوسری دفعہ انہوں نے انتہائی صبر وتحمل اور عقل ودانش کی تمام تر قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے فیصلہ کیا۔ اور فیصلہ ابورہم بن عبدالعزیٰ کے حق میں ہی کیا گیا۔

برہ بنت حارث کے والد نے ابورہم بن عبدالعزیٰ کو اپنی رضامندی سے مطلع کیا تو وہ بہت خوش ہوا۔ وہ ایک انتہائی خلیق، انسان دوست اور رحمدل نوجوان تھا۔ شادی کی تاریخ طے کر دی گئی۔ خوشی کی ساعتیں بالآخر قریب آ پہنچیں اور برہ بنت حارث کا اجڑا نشیمن پھر سے آباد ہو گیا۔ ابورہم بن عبدالعزیٰ نے برہ بنت حارث کو انتہائی تعظیم وتکریم کے ساتھ اپنے گھر میں رکھا۔ اسے گھر کی لونڈی نہیں گھر کی مالکن بنایا۔ اسے ہر فیصلے اور ہر کام میں مکمل اختیار دیا۔ اس کے جذبات واحساسات کا احترام کیا اور اس کی پسند وناپسند کا خیال رکھا جس سے ابورہم بن عبدالعزیٰ اور برہ بنت حارث کا گھر جنت نظیر ہو گیا۔ البتہ دونوں میاں بیوی کی یہ خواہش تشنہ تکمیل رہی کہ ان کے ہاں کوئی اولاد ہو لیکن اس کمی کو ابورہم بن عبدالعزیٰ کی پہلی بیوی سے ایک ہونہار فرزند حضرت ابو ہرہؓ بن ابورہم نے پورا کیا۔ حضرت ابو ہرہؓ بن ابورہم ایک قابل قدر صحابی رسول ﷺ تھے۔ اور رشتہ میں ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پھوپھی برہ کے صاحبزادے تھے۔

وقت کے گھڑیال کی سوئیاں تیزی کے ساتھ متحرک رہیں۔ ساعتیں ہوا میں تحلیل ہوتی رہیں اور زمانہ اپنی چال چلتا رہا حتیٰ کہ وہ لمحہ آ پہنچا جو برہ بنت حارث کیلئے انتہائی جاں گداز اور روح فرسا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب برہ بنت حارث کے شوہر ابورہم بن عبدالعزیٰ کا انتقال ہو

گیا۔ برہ بنت حارث کا گھر ایک بار پھر اجڑ گیا اور وہ تنہا رہ گئیں۔ اس وقت برہ بنت حارث کی عمر ۳۶ سال تھی جب اسے بیوگی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ وہ پریشان رہنے لگی۔ اس کی حیات مستعار میں تاریکیوں نے ڈیرے ڈال لیے مگر اس نے یہ سب کچھ صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔

تنہائی، بیچارگی اور بے بسی کی ان گھڑیوں میں برہ بنت حارث نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی بڑی بہن حضرت لبابہ الکبریٰؓ جو کہ ام الفضلؓ کے لقب سے مشہور تھیں اور بہنوئی حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے زیر سرپرستی زندگی گزاریں گی۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے چچا تھے۔ جب برہ بنت حارث نے اپنی بڑی بہن حضرت ام الفضل لبابہ الکبریٰؓ اور ان کے شوہر حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو اپنی آئندہ زندگی کے تمام تر فیصلوں کا اختیار دے دیا تو سب سے پہلی بات جو برہ بنت حارث کی بہن اور بہنوئی کے ذہن میں آئی وہ برہ بنت حارث کی کسی انتہائی موزوں جگہ پر شادی کا اہتمام تھا تاہم فوری طور پر ان کے ذہن میں کوئی ایسا رشتہ نہیں آ رہا تھا جہاں برہ بنت حارث کی شادی کی بات چلائی جا سکے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب شافع محشر، ساقی کوثر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے ہوئے تقریباً سات سال گزر چکے تھے گویا یہ ہجری سن کا ساتواں سال تھا۔ گزشتہ برس چھ ہجری کو آنحضور ﷺ عمرہ کی غرض سے مکہ معظمہ اپنے ساتھیوں کے ہمرکاب آئے تھے تو صلح حدیبیہ کے ذریعے یہ طے پایا تھا کہ مسلمان اگلے سال عمرہ کی سعادت حاصل کریں گے جبکہ امسال بغیر عمرہ کے واپس مدینہ منورہ لوٹ جائیں گے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کی رو سے سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ذی قعد سات ہجری میں بغرض عمرہ مکہ معظمہ جانے کا ارادہ فرمایا۔ اس دفعہ آپ ﷺ کے ہمراہ دو ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عمرے کے لیے روانہ ہوئے۔ اس عمرہ کو عمرۃ القضاء کہا جاتا ہے۔

اس سفر میں صحابہ کرامؓ کی بیشتر تعداد مہاجرین کی تھی جنہیں مکہ مکرمہ چھوڑے ہوئے

سات سال گزر چکے تھے۔ جونہی صحابہ کرام کا یہ قافلہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سربراہی میں مکہ مکرمہ شہر کے اندر داخل ہوا تو ان کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کا انگ انگ معطر معطر تھا۔ ان کا رنگ ڈھنگ منزہ و مطہر تھا۔ آج رب رحمٰن و رحیم کی ذات ان پر مہربان تھی۔ ان سب نے مل کر بارگاہ رب العزت میں سجدہ شکر ادا کیا۔ وہ اپنے عزیز و اقارب سے ملے۔ دشمنان اسلام ان کو دیکھ دیکھ کر دنگ ہو رہے تھے۔ انہیں اپنی آنکھوں کی بصارت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ جن لوگوں کو انہوں نے اذیتیں دے کر بے سروسامانی اور بے چارگی کے عالم میں دھتکار دیا تھا وہی لوگ شان و شوکت، جوش و خروش اور ولولہ تازہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ کفار مکہ حیرت زدہ تھے۔

مسلمانوں کے لشکر کے جذبات، احساسات، جوش ایمانی اور دولت ایقانی کو دیکھنے والوں میں جہاں دوست، دشمن سب جمع تھے وہاں ایک ایسی خاتون بھی تھیں جس کی نگاہیں رحمت مجسم ﷺ کی متلاشی تھیں۔ یہ برہ بنت حارث تھیں۔ آپ ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ جب ان کی نگاہ چہرۂ نبوت ﷺ پر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھیں ''میرا اونٹ اور اس کا سوار سب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے وقف ہے۔''

صلح حدیبیہ کے مطابق مسلمانوں کو محض تین یوم مکہ مکرمہ میں گزارنے اور ٹھہرنے کی اجازت تھی۔ اس مختصر عرصے میں رحمۃ للعالمین ﷺ اور آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کرامؓ نے انتہائی اعلیٰ اخلاق، بلند شائستگی اور ارفع محبت و شفقت کا بے مثل مظاہرہ کیا۔

عمرہ کے دوران حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ذہن میں یکا یک ایک خیال، ایک تجویز اور مشورہ آیا کیونکہ وہ اکثر اوقات اپنی بیوی کی بیوہ بہن برہ بنت حارث کی شادی کے بارے میں سوچتے رہتے تھے۔ انہوں نے اس تجویز بارے اپنی بیوی اور سالی سے بھی مشورہ کیا۔ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب فوراً وہ تجویز لے کر خلق مجسم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس پہنچے جو ان کے بھتیجے بھی تھے اور ہادی و رہنما بھی اس وقت سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فارغ اور تنہا

تھے۔ حضرت عباسؓ بن عبد المطلب نے آنحضور ﷺ سے کہا ''میں ایک غرض لے کر یہاں آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ وہ یہ کہ میری سالی برہ بنت حارث اپنے شوہر کی وفات کے بعد بیوہ ہو چکی ہے۔ اس وقت اس کی سرپرستی کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر ہے۔ میں اس کی شادی کے لیے فکر مند ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ ﷺ اسے اپنی زوجیت میں لے لیں۔ جہاں تک برہ بنت حارث کا تعلق ہے اس نے اپنی بہن جو کہ میری زوجہ ہے سے اس بارے رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کے قبیلہ کی بھی رسول اقدس ﷺ کے ساتھ وہ نسبت قائم ہونی چاہیے جو اس سے پہلے قبائل بنو ہاشم، بنو عدی، بنو امیہ، بنو مخزوم، بنو اسد اور بنو مصطلق کو حاصل ہو چکی ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو آپ ﷺ کے لیے ھبہ کرنا چاہتی ہے۔'' نبی رحمت ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کی اس تجویز کو پسند فرمایا اور نکاح کے لئے آمادہ ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے برہ بنت حارث کے ھبہ کرنے پر چہ میگوئیاں کیں تو رب رحمٰن و رحیم نے حکم نازل کیا کہ:

''کوئی مومن عورت اگر ھبہ کرے اپنے نفس کو نبی ﷺ کے لئے اگر نبی ﷺ بھی چاہے تو اس سے نکاح کرنا حلال ہے۔ یہ رعایت خالصتاً تمہارے لیے ہے دوسرے مومنوں کے لئے نہیں۔'' (الاحزاب)

ہادی کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خواہش تھی کہ مکہ مکرمہ ہی میں برہ بنت حارث سے نکاح کے بعد یہیں ولیمہ ہو جائے۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ اس دعوت ولیمہ میں ان سب لوگوں کو بھی مدعو فرمائیں جو ہمیشہ آپ ﷺ کی مخالفت کرتے رہے تھے تاکہ مسلمانوں کے لئے اور دین اسلام کے لئے زمین ہموار کر سکیں۔

عمرہ القضاء کی ادائیگی کے لئے سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تین دن مکہ معظمہ میں قیام کیا۔ چوتھے روز صبح کے وقت حویطب بن عبد العزیٰ چند مشرکین کو ہمراہ لے کر سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس آیا۔ مشرکین نے ہادی کون و مکاں ﷺ سے کہا ''آپ لوگوں نے عمرہ ادا کر لیا ہے۔ اب آپ یہاں سے کوچ کریں کیونکہ معاہدے کے مطابق

مکہ مکرمہ میں آپ کے قیام کا وقت پورا ہو چکا ہے۔''

شافع محشر، ساقی کوثر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا'' کچھ دن ہمیں اگر یہاں رہنے دو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ برہ بنت حارث سے شادی کا اہتمام مکہ مکرمہ ہی میں ہو اور آپ لوگ بھی شادی کے کھانے میں شریک ہوں۔'' حویطب بن عبدالعزیٰ نے کہا'' ہمیں کھانے کی کوئی طلب نہیں۔ آپ ﷺ معاہدے کے مطابق یہاں سے رخت سفر باندھیں۔''

رہبر کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے انتہائی تحمل، بردباری اور دانش کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکہ مکرمہ سے جانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی بدگمانی یا بدعہدی پیدا نہ ہونے پائے۔ آپ ﷺ نے ساتھیوں کو حکم دیا کہ کوچ کی تیاری کریں۔ چنانچہ معاہدہ کے مطابق جانثاران مصطفیٰ ﷺ اپنے سردار اعظم ﷺ کی سرکردگی میں مکہ مکرمہ سے نکل کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔

نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے دس میل دور سرف کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ اور یہیں شادی کا اہتمام کیا گیا۔ نبی مکرم ﷺ کا غلام ابورافعؓ آپ ﷺ کی حسب ہدایت برہ بنت حارث کو لے کر سرف کے مقام پر پہنچ گیا۔ یہاں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ برہ بنت حارث کا نکاح ہوا اور رسم عروسی ادا ہوئی۔ (الاستیعاب، سنن نسائی، طبقات ابن سعد)

شادی کے بعد آنحضور ﷺ نے ام المومنین حضرت برہؓ کا نام تبدیل کر کے میمونہؓ رکھا، امام نووی کے مطابق میمونہ یمن سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں مبارک۔ آنحضور ﷺ نے حضرت میمونہؓ بنت حارث سے نکاح عمرہ القضاء کا احرام کھولنے کے بعد کیا۔ ابوداؤد میں حضرت میمونہؓ بنت حارث سے روایت ہے کہ'' میرے ساتھ رسول ﷺ نے جب شادی کی اس وقت ہم دونوں احرام کھول چکے تھے۔'' ترمذی، مسلم اور ابن ماجہ نے بھی یہی روایت نقل کی ہے۔ اسی طرح آنحضور ﷺ کے غلام ابورافعؓ کی روایت ہے کہ'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہؓ بنت حارث سے نکاح فرمایا اس حالت میں کہ آپ ﷺ بغیر احرام کے تھے اور میں اس وقت ان دونوں کے

مابین سفیر کا فریضہ ادا کر رہا تھا۔ (تحفۃ الاشراف)

رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا حضرت میمونہؓ بنت حارث سے یہ نکاح انسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ اور یہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کی آخری شادی تھی۔ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جس شہر کو مشرکین اور دشمنان اسلام کی زیادتیوں اور ظلم و ستم کی وجہ سے سات سال قبل خفیہ طور پر چھوڑ دیا تھا اب وہ اسی شہر مکہ مکرمہ کی ایک ایسی معزز اور بارسوخ ہستی سے شادی کر رہے تھے جس کا تعلق مکہ مکرمہ کے تمام اہل ثروت، معزز اور بااثر و بارسوخ لوگوں سے تھا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت میمونہؓ بنت حارث کو دلہن کے روپ میں ان کی بہنوں نے تیار کیا۔ اس کے بعد انہیں اونٹ پر بٹھا دیا گیا۔ حضرت ابو رافعؓ آنحضور ﷺ کی طرف سے آپؓ کو مقام سرف تک لانے کے لئے مقرر تھے جبکہ حضرت میمونہؓ بنت حارث کے ہمرکاب ان کی ہمشیرہ اور بھانجی بھی تھیں۔ ہمشیرہ حضرت حمزہؓ کی بیوہ تھیں اور بھانجی ان کی بیٹی عمارہ تھیں۔ جب یہ لوگ مقام سرف پر پہنچ گئے تو وہاں حضرت میمونہؓ بنت حارث کے لیے خیمہ نصب کیا گیا جہاں آپؓ نے قیام فرمایا اور شادی کے مدارج تکمیل پذیر ہوئے۔ وہاں مختصر قیام کے بعد سرفروشان اسلام کا قافلہ رہبر اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سرکردگی میں مدینہ منورہ جانے کے لئے گامزن ہو گیا۔

مدینہ منورہ میں لشکر اسلام پہنچا تو حضرت میمونہؓ بنت حارث کو بھی دیگر ازواج مطہراتؓ کی طرح ایک علیحدہ حجرہ فراہم کیا گیا۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ بنت حارث کی بھی باری مقرر ہو گئی۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث حرم پاک میں داخل ہوئیں تو ان سے پہلے آٹھ امہات المومنینؓ موجود تھیں جن میں حضرت سودہ بنت زمعہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ بنت حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمر فاروقؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش، حضرت جویریہؓ بنت حارثؓ، حضرت ام حبیبہؓ بنت ابو سفیانؓ، اور حضرت صفیہؓ بنت حیی شامل ہیں۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث تمام ازواج مطہراتؓ کا از حد احترام کرتی تھیں۔ تمام امہات

المومنینؓ کا آپس میں اتفاق واتحاد اور لطف و پیار تھا۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی تھی کہ ان سے سب ازواج مطہراتؓ خوش رہیں۔

حضرت میمونہؓ بنت حارث کے تمام عزیز واقارب بہت بارسوخ اور مشہور لوگ تھے۔ اہل مکہ پہلے ہی اس شادی کی خبر سے پریشان تھے کہ اب حضرت میمونہؓ بنت حارث کے رشتہ دار بھی آہستہ آہستہ دین اسلام قبول کر لیں گے اور یہی ہوا کہ جس کا خدشہ اہل مکہ کو تھا۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث کی شادی کا خوش آئند نتیجہ نکلا۔ رفتہ رفتہ حضرت میمونہؓ بنت حارث کے رشتہ دار دین اسلام سے آشنا ہونے لگے۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث کے اپنے خاندان کے لوگوں کا تبلیغ اسلام کے ضمن میں کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے دین اسلام کو پھیلنے میں مدد ملی اور لوگ قائل ہو کر مسلمان ہونے لگے۔ ان ممتاز اور بارسوخ لوگوں کے مسلمان ہونے کا یہ اثر ہوا کہ ان کی دیکھا دیکھی غیر خاندان کے لوگ بھی مسلمان ہونے لگے۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

حضرت میمونہؓ بنت حارث کی شادی سے جہاں تبلیغ اسلام میں اضافہ ہوا وہاں مخالفین کے ساتھ پرانی عداوتیں اور رنجشیں بھی دم توڑ گئیں۔ اب وہ آنحضور ﷺ کو اپنا رشتہ دار ہونے کے ناطے مخالف نہیں سمجھتے تھے۔ چونکہ حضرت میمونہؓ بنت حارث کی آٹھ بہنیں تھیں جو مکہ مکرمہ کے آٹھ ممتاز خاندانوں میں بیاہی ہوئی تھیں اس نسبت سے وہ آٹھوں خاندان اب سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے رشتہ دار بن گئے تھے۔ آہستہ آہستہ ان لوگوں نے آنحضور ﷺ کی مخالفت چھوڑ دی اور ان کی دشمنی کا زور ٹوٹ گیا بلکہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

حضرت میمونہؓ بنت حارث کی آٹھ بہنوں میں سے چار بہنیں حقیقی تھیں جبکہ باقی چار بہنیں والدہ کے پہلے خاوندوں میں سے تھیں۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث اپنے بہنوئیوں کے حوالے سے جتنی خوش بخت تھیں کوئی اور عورت روئے زمین پر اتنی خوش قسمت نہیں۔ اسی طرح آپ بڑے جید اور اکابر صحابہ کرامؓ کی خالہ تھیں یعنی آپؓ کے بھانجے تاریخ اسلام کی انتہائی نامور

شخصیات میں شامل تھے۔

حضرت میمونہؓ بنت حارث کی چار حقیقی بہنوں میں سے پہلی کا نام ام الفضل لبابہ الکبریٰؓ تھا جو آنحضورﷺ کے حقیقی چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ اس نیک بخت خاتون کا دودھ حضرت امام حسینؓ نے پیا تھا۔ ان کے ایک فرزند حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن مجید کے نامی گرامی مفسر تھے۔

حضرت میمونہؓ بنت حارث کی دوسری حقیقی ہمشیرہ کا نام لبابہ الصغریٰ تھا۔ ان کی شہرت کی وجہ ان کا نامور بیٹا حضرت خالدؓ بن ولید تھا۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث اپنے بھانجے حضرت خالدؓ بن ولید کو بہت چاہتی تھیں۔ حضرت خالدؓ بن ولید مسلمان ہوکر لشکر اسلام میں سپہ سالاری کے عہدے پر فائز ہوئے اور اپنی بہادری، جانثاری اور فتح مندی کے باعث نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰﷺ سے سیف اللہ کا لقب حاصل کیا۔

حضرت میمونہؓ بنت حارث کی تیسری سگی ہمشیرہ کا نام عصماء بنت حارث تھا جو سردار ابی بن خلف کی بیوی تھی۔ چوتھی حقیقی بہن کا نام عزہؓ بنت حارث تھا جو عبداللہ بن مالکؓ کی زوجہ تھی۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث کی ماں شریک بہنوں میں سے بڑی بہن کا نام حضرت اسماءؓ بنت عمیس تھا۔ حضرت اسماءؓ کی شادی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سے ہوئی تھی جو آنحضورؐ کے چچا زاد بھائی تھے۔ جب جنگ موتہ میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب شہید ہو گئے تو حضرت اسماءؓ کی دوسری شادی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوئی ان سے ایک بیٹا تولد ہوا جس کا نام محمد بن ابوبکر صدیقؓ تھا۔ اسی طرح حضرت جعفرؓ سے بھی ایک بیٹا تولد ہوا تھا جس کا نام عبداللہ بن جعفرؓ تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ بنت عمیس کی تیسری شادی حضرت علی المرتضیٰؓ سے ہوئی۔ ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام حضرت عون بن علیؓ رکھا گیا۔

حضرت میمونہؓ بنت حارث کی دوسری دودھ شریک اور ماں شریک بہن کا نام سلمیٰؓ بنت عمیس تھا۔ یہ سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کی زوجہ محترمہ تھیں جو آنحضورﷺ کے چچا تھے۔ ان کے

بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام عمارہ بنت حمزہؓ تھا۔ بعض نے اس کا نام امامہؓ اور بعض نے فاطمہ لکھا ہے۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث کی تیسری ماں شریک بہن سلامہ بنت عمیس تھیں جس کی شادی عبداللہ بن کعب سے ہوئی۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث کی چوتھی ماں شریک بہن حضرت زینبؓ بنت خزیمہ تھیں جن کی چوتھی شادی سردار الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہوئی اور انہیں ام المومنین کا مرتبہ ملا۔ (انساب الاشراف، الاصابہ، طبقات ابن سعد، الاستیعاب، مغازی الواقدی)

وقت آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ ہجری کے دسویں سال آنحضور ﷺ نے حجۃ الوداع کا ارادہ فرمایا۔ اس سفر میں دوسری امہات المومنینؓ کے ساتھ حضرت میمونہؓ بنت حارث بھی آنحضور ﷺ کے شریک سفر تھیں۔ میدان عرفات میں ہادی کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جبل رحمت پر اپنا آخری اور الوداعی خطبہ ارشاد فرمایا۔ دوران خطبہ حضرت میمونہؓ بنت حارث نے دودھ کا پیالہ اپنے شوہر نامدار سردار الانبیاء، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پینے کے لیے پیش کیا جو آپ ﷺ نے حاجیوں کے سامنے پیا۔ اس سے حاضرین پر ظاہر ہو گیا کہ حج کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ہجری کے گیارہویں سال رہبر کائنات، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ علیل ہو گئے۔ ایک دن جب آنحضور ﷺ کی باری حضرت میمونہؓ بنت حارث کے حجرے میں تھی تو آنحضور ﷺ کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی۔ آپ ﷺ نے پیغام بھیج کر تمام ازواج مطہراتؓ کو بلوایا۔ تمام امہات المومنینؓ حاضر ہوئیں اور عیادت کرنے لگیں۔ ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حالت تسلی بخش نہ تھی۔ آپ ﷺ نے تمام ازواج مطہراتؓ کی رضامندی سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارک میں سکونت اختیار فرمائی اور وہیں آپ ﷺ خالق حقیقی کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث بیوہ ہو گئیں۔ ان کی آنحضور ﷺ کیساتھ عروسی زندگی کی مدت محض سوا تین سال تھی۔ انہوں نے اپنی باقی ماندہ زندگی بیوگی میں سادگی اور عبادت میں گزار دی۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث کی کوئی حقیقی اولاد نہ تھی اس لئے وہ روحانی اولاد سے بہت شفقت اور محبت سے پیش آتی تھیں۔ وہ اپنے شوہر نامدار ہادی کون ومکاں حضرت محمد مصطفیٰ

ﷺ سے حاصل کردہ تعلیمات کو دوسروں تک پہنچاتی تھیں۔ ان سے ۷۶ احادیث مروی ہیں۔

حضرت میمونہؓ بنت حارث اکثر مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھا کرتی تھیں کیونکہ انہوں نے رسول مکرم ﷺ کی زبان اطہر سے یہ فرمان سن رکھا تھا کہ ''میری اس مسجد میں نماز دوسری مساجد کی نسبت ایک ہزار درجہ افضل ہے سوائے مسجد حرام کے۔'' ہجری کے ۲۳ ویں سال حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے آخری حج کا ارادہ کیا تو تمام امہات المومنینؓ کو بھی ساتھ چلنے کی پیش کش کی۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث بھی حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ حج پر تشریف لے گئیں۔ امہات المومنینؓ کا خیال رکھنے کے لئے حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں جب انہوں نے حج پر جانے کا ارادہ کیا تو حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ بھی حضرت میمونہؓ بنت حارث حج کرنے کے لئے تشریف لے گئیں۔ دوران سفر حضرت عثمان غنیؓ نے آپ کا تقدس اور رتبے کا احترام برقرار رکھا اور ہمہ تنم کا آرام فراہم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

اس عالم فنا میں ہر ایک کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ حضرت میمونہ بنت حارث کا بھی بالآخر سفر آخرت کا وقت قریب آ پہنچا اور آپؓ نے بقول واقدی ۶۱ ہجری میں وفات پائی۔ آپؓ کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ۶۳ ہجری کی ہے جبکہ خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں سن وفات ۵۱ ہجری لکھا ہے۔ ابن عبدالبر کے مطابق آپ کا سن وفات ۶۶ ہجری ہے۔ حضرت میمونہؓ بنت حارث کی نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت میمونہؓ بنت حارث کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ''یہ رسول مکرم ﷺ کی اہلیہ مطہرہ ہیں لہٰذا جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو۔ اور ادب کے ساتھ آہستہ سے لے چلو۔'' یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت میمونہؓ بنت حارث کا نکاح سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ مقام سرف میں ہوا اور سرف کے مقام پر ہی ان کا انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئیں۔ (طبقات ابن سعد، صحیح بخاری، مسند احمد)

وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی
کے دلچسپ حالات و واقعات پر مبنی ایک مفید کتاب

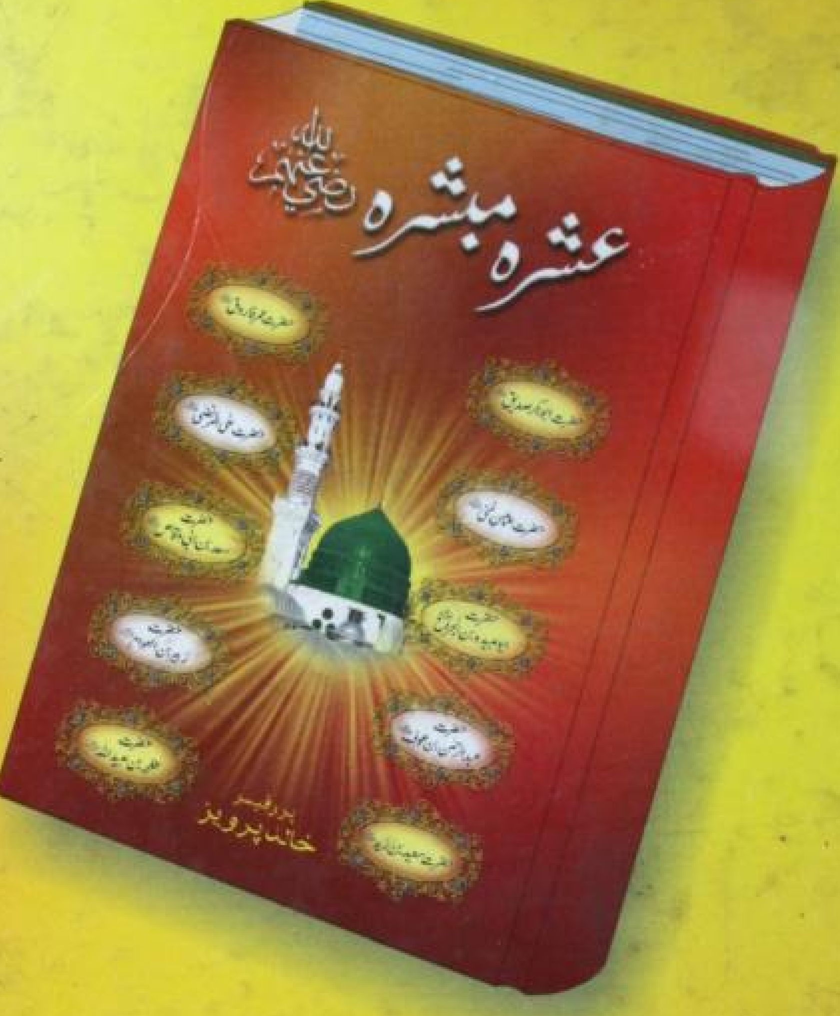

حق پبلی کیشنز

A-2 سید پلازہ چیٹر جی روڈ اُردو بازار لاہور

فون: 7220631 موبائل: 0300-9422434

0321-4277161